

# فتاوى أكبر السُّلط

مؤلفه :  
امام اعظم ابو حنيفه نعمان بن ثابت  
رحمته اللطيفه

تحقيق و ترتيبه  
مفتي رشيد احمد العلوي



# فقہ اکبر السیوطی

مؤلف:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ

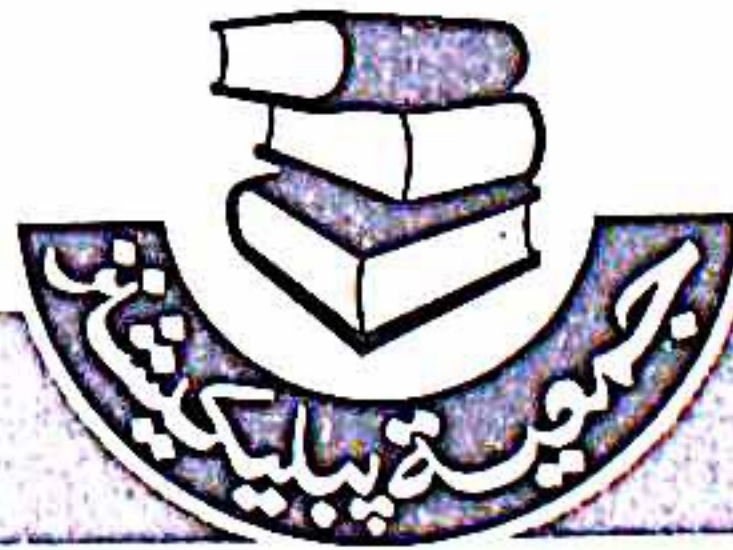
راویات:

امام ابو اسماعیل حماد بن ابو حنیفہ رحمہ اللہ

امام ابو مطیع حکم بن عبدالنضر بلخی رحمہ اللہ

تحقیق و ترجمہ

مفتی رشید احمد العلوی



رحمان پلازہ مچھلی منڈی اردو بازار، لاہور فون: 042-7361339

**Fiqah Akbar o Absat**

**By**

**Imam Abu Hanifa**

**Tehqeeq o Tarjuma**

**By**

**Mufti Rashid Ahmed Al Alvi**

**ISBN: 978-969-8793-85-2**

۲۹۶۵۴۶  
۱۵۵۹  
۸۵۵۱۳

ضابطہ

فقه اکبر و اہلسط	نام کتاب
امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ	تصنیف
مفتی رشید احمد العلوی	ترجمہ و تحقیق
یکم رمضان ۱۴۳۰ھ	سال اشاعت
محمد ریاض درانی	ناشر
جمیل حسین	سرورق
جمعیتہ کمپوزنگ سنٹر، وحدت روڈ لاہور	کمپوزنگ
اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور	مطبع
300/- روپے	قیمت
محمد بلال درانی	بہ اہتمام
محمد طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)	قانونی مشیر

۱۱۱۱۱۱۱۱

# انتساب

حضرت امام سیدنا و مرشدنا امام ائمہ و سراج الامة  
ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کا بلی رحمہم اللہ

سیدنا



## فہرست مشمولات

۹	☆ عرضِ ناشر
۱۱	☆ حرفِ چند
۱۷	☆ پہلا حصہ:
	مقدمہ کتاب از مولانا محمد سرفراز خاں صفدر رحمہ اللہ علیہ
۳۷	☆ دوسرا حصہ:
	فقہ اکبر سے متعلق چند اہم اور بنیادی باتیں
۳۹	پہلا باب: امام اعظمؒ کے مختصر احوال
۶۲	باب دوم: شیخ الفقہاء، ابواسماعیل، بن الامام ابو حنیفہ، امام حماد رحمہم اللہ کے مختصر حالات زندگی
۷۲	باب سوم: امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے حالات و افکار
۸۶	شرح الفقہ الابط
۸۸	باب چہارم: علم عقائد کے متعلق دس بنیادی امور
۱۰۳	☆ تیسرا حصہ:
	فقہ اکبر پر کئے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ
۱۰۵	مقدمہ
۱۱۰	کیا فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے
۱۳۸	فقہ اکبر پر اعتراضات اور جوابات
۱۷۹	پانچواں اعتراض: مسئلہ عبارات کی عدم دستیابی
۱۸۹	چھٹا اعتراض: مسئلہ ایمان والدین مصطفیٰ رحمہ اللہ علیہما

۱۹۶ ساتواں اعتراض: فقہ اکبر کی تشریح کا مسئلہ

۱۹۹ آٹھواں اعتراض: فلسفیانہ الفاظ کے استعمال کا مسئلہ

۲۰۱ قول فیصل

۲۰۳ **چوتھا حصہ:** ☆

اُردو ترجمہ الفقہ الاکبر

۳۰۵ باب اوّل: اہل سنت والجماعت کے اجمالی عقائد کا بیان

۲۰۷ باب دوم: اہل سنت والجماعت کے تفصیلی عقائد کا بیان

۲۱۱ باب سوم: اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں عقائد

۲۱۳ باب چہارم: اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں عقائد

۲۱۶ باب پنجم: تشابہات میں اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کا بیان

۲۱۸ باب ششم: اللہ تعالیٰ کی تقدیر، مشیت اور تخلیق کا بیان

۲۲۱ باب ہفتم: ایمان اور کفر کی حقیقت اور انسانوں کی تخلیق

۲۲۵ باب ہشتم: انسانوں کے افعال کی حقیقت کا بیان

۲۲۶ باب نہم: انبیاء اور اولیاء اور صحابہ کرام کے بارے میں عقائد

۲۲۸ باب دہم: مسلمانوں پر اور ان کے گناہوں کے اثرات کا بیان

۲۲۹ باب یازدہم: موزوں پر مسح اور رمضان میں تراویح کے بارے میں عقائد

۲۳۲ باب دوازدہم: اہل ایمان پر ان کے ایمان اور گناہوں کے اثرات کا بیان

۲۳۹ باب سیزدہم: معجزات کرامات اور استدراجات

۲۴۱ باب چہار دہم: رویت باری اور مسئلہ تشبیہ ذات باری کا بیان

۲۵۶ باب پانزدہم: ایمان کی حقیقت اور اہل ایمان کی برابری کا بیان

۲۵۸ باب شانزدہم: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بیان اور اس سے متعلق عقائد

۲۶۰ باب ہفتدہم: انبیاء اور صلحاء کی شفاعت کا بیان

۲۶۲ باب ہشتدہم: جنت اور دوزخ کے دوام کا بیان



- ۲۶۳ باب نوزدہم: انسانوں کی ہدایت اور ان کی گمراہی کا بیان
- ۲۶۵ باب ہستم: قبر اور اس کے لوازمات کا بیان
- ۲۷۰ باب بست وکیم: عربی زبان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا بیان
- ۲۷۲ باب بست و دوم: حقیقت قرآن اور آیات کی فضیلت کا بیان
- ۲۷۴ باب بست و سوم: رسول اللہ کے والدین اور اولاد کا بیان
- ۲۷۹ باب بست و چہارم: عقائد میں تفویض کا راستہ اختیار کرنے کا بیان
- ۲۸۲ باب بست و پنجم: معراج نبوی کا بیان
- ۲۸۳ باب بست و ششم: علامات قیامت و نزول مسیح علیہ السلام
- ۲۸۵ **پانچواں حصہ:** ☆
- امام حماد کی روایت کردہ فقہ اکبر کا ترجمہ و تشریح
- ۲۸۷ مقدمہ مترجم
- ۲۹۰ باب اول: علم فقہ کی اہمیت و عظمت کا بیان
- ۲۹۲ باب دوم: فقہت اور دانائی اور اس کی حقیقت
- ۲۹۵ باب سوم: ایمان کی حقیقت اور اس کی علامات
- ۲۹۹ باب چہارم: عقائد سے لاعلمی، جہالت یا اس میں شک، تاویل کا قائل ہونا
- ۳۰۳ باب پنجم: دار الحرب یا دار الکفر میں ایمان لانے کا حکم
- ۳۰۴ خلاصہ مباحث ایمان
- ۳۰۷ باب ششم: اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کا بیان
- ۳۱۱ باب ہفتم: توفیق عمل، وقوع عمل میں توفیق
- ۳۱۵ باب ہشتم: اللہ تعالیٰ کی قدرت، مشیت کا بیان
- ۳۱۹ باب نہم: تقدیر باری اور امر معروف و نہی منکر
- ۳۲۲ باب دہم: خوارج اور ان کے عقائد کا بیان
- ۳۲۵ باب یازدہم: تاویل یا انکار سے غلط کام کرنے کا حکم

- ۳۲۷ باب دوازدهم: کافر کے کفر کی کیا حدود ہیں؟
- ۳۲۸ باب سیزدهم: ایمان کی حقیقت پر حضرت معاذ اور ابن مسعود کی حدیث
- ۳۳۲ باب چہاردهم: اپنے یا کسی زندہ شخص کے بارے دعوائے جنت یا جہنم کرنا
- ۳۳۸ باب پانزدهم: ایمان پر معاصی کے اثرات
- ۳۴۰ باب شانزدهم: ایمان و عمل کا تعلق اور اس پر گناہ کے اثرات
- ۳۴۲ باب ہفتدہم: مسئلہ استویٰ علی العرش کی حقیقت
- ۳۴۳ باب ہیردہم: ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب
- ۳۴۹ باب نوزدهم: عذاب قبر اور اس کے انکار کا حکم
- ۳۵۳ باب بستم: متاؤ لین کون ہیں اور ان کا کیا حکم ہے
- ۳۵۶ باب بستم ویکم: اہل السنّت و الجماعت اور اہل بدعت کی امامت کا حکم
- ۳۶۵ باب بست و دوم: کتاب اللہ اور کلام اللہ کی حقیقت
- ۳۷۲ باب بستم و سوم: اللہ تعالیٰ کی مشیت، رضاء اور اس کے امر کی حقیقت
- ۳۷۴ باب بست و چہارم: عذاب کی وجہ مشیت باری ہے یا رضائے خداوندی
- ۳۸۰ باب بست و پنجم: تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہیں
- ۳۸۵ باب بست و ششم: ایمان اور گناہ کا تعلق اور مومنین کی تکفیر
- ۳۸۹ باب بست و ہفتم: ایمان میں شک کی حقیقت اور اس کا حکم
- ۳۹۲ باب بستم و ہشتم: جنت اور دوزخ کے بارے میں
- ۳۹۶ باب بست و نہم: اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان
- ۳۹۹ باب سیوم: ایمان کا مستقر کہاں ہے؟
- ۴۰۱ باب سی ویکم: اللہ تعالیٰ پر بندوں کا اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق
- ۴۰۵ باب سی و دوم: سب کچھ مشیت اور خدا کی مرضی سے ہوتا ہے
- ۴۱۰ باب سی و سوم: اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں عادل اور حکیم ہیں
- ۴۱۳ کتابیات:

## عرضِ ناشر

امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہ ہم سب کے امام اور مقتدی تھے۔ اُن کے علوم نے ایک دنیا کو متاثر کیا۔ ان کے افکار، آراء اور علوم کا بے پناہ ذخیرہ قدیم کتب فقہ و حدیث اور کلام و عقائد میں پوشیدہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ان علوم میں آپ کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔ آپ کے اقوال تفسیر قرآن مجید کے رموز و عوامض تک شناسائی کا ذریعہ ہیں تو کتب کلام و عقائد دین کی حقانیت اور صداقت پر دلائل ہیں اور عقائد صحیحہ کی خبر بھی دیتے ہیں۔ ان کی آراء فقہ زندگی کی راہوں پر صراطِ مستقیم کی خبر دیتی ہیں اور ان کی مروی احادیث ہمیں رسول صادق و امین کے مزاج، رویے، احکام اور پسند و ناپسند سے آگاہ کرتی ہیں۔ کتنی ہی باتیں ہیں جو ہمیں حضرت الامام کی معرفت رسول اکرم کی معرفت دیتی ہیں۔ اس لیے حضرت الامام پر علمی کام ہمارے عہد کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر عہد کے لیے ضروری رہا ہے۔

علماءِ راہنہ اہل سنت کے ذریعے حضرت الامام سے باخبر رہے ہیں اور کم فہموں کو فہم اور کم علموں کو علم عطا کرتے رہے ہیں۔ ہمارا عہد کتاب کا عہد ہے۔ ہر شخص براہِ راست کتاب سے مستفیذ ہونے کا خواستگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت الامام پر اُردو زبان میں سلیس کتب کی ضرورت و اہمیت آج کے عہد میں ہر عہد سے زیادہ ہو گئی ہے۔

برادرِ عزیز مفتی رشید احمد علوی حضرت الامام کے علوم کے سنجیدہ طالب علم ہیں۔ انہوں نے بہت محنت سے حضرت الامام کے علم کلام پر کام کیا ہے۔ قبل ازیں علامات اہل سنت میں

حضرت الامام کے وصایہ کو مع ترجمہ پیش کیا تھا۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت الامام کے فقہ اکبر کے مختلف نسخوں کو پیش کیا ہے اور ان پر اہل علم کے نظریات سے بحث کی ہے۔ اُمید ہے یہ کتاب نافع للناس ہوگی اور ہماری مغفرت کا ذریعہ بھی۔  
اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔

والسلام

محمد ریاض درانی

جامع مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ، لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

## حرفِ چند

حضرت امام ابوحنیفہ کہ اسم گرامی نعمان بن ثابت تھا۔ اُمتِ مسلمہ کے عظیم فقیہ اور امام تھے۔ حضرت الامام کا سال پیدائش ۶۰ھ، ۷۰ھ اور ۸۰ھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہی وہ دور تھا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب و رفقا زندہ سلامت موجود تھے اور مملکت اسلامیہ کے بڑے شہروں میں مرجعِ خلائق بنے ہوئے تھے۔ لوگ حج اور عمرہ کے موقع پر مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً ان کی زیارت سے مشرف ہوتے اور دل و نگاہ کو معطر و مستنیر کرتے تھے۔ حضرت الامام انہی خوش نصیبوں میں شامل تھے جنہوں نے اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کی اور ان کے اقوال و فرامین سماعت فرمائے۔ ایسے خوش نصیبوں کو تابعی کہا جاتا ہے۔ آپ تابعی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے رسولِ اکرم و اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض کی زیارت بھی کی اور ان سے روایت بھی کی۔ ہم تک مستند ذرائع سے ایسی بیس احادیث پہنچی ہیں جن کو آپ نے براہِ راست اصحابِ رسول سے روایت کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی اُمت میں شہرت بطور فقیہ کے ہے۔ آپ نے نصوص سے مسائل کا استنباط کیا اور اُمت کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ آپ کے مسائل کو آپ کے شاگردوں نے مدون کیا اور آپ کے علوم کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ اس سلسلے میں آپ کے شاگرد اور آپ کی مجلسِ فقہ کے سیکرٹری حضرت امام محمد کا کارنامہ خاص ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ان کے علاوہ آپ کے دیگر تلامذہ نے بھی اپنی تالیفات میں آپ کے مسائل کو مدون کیا اور آپ کی تحقیقات کو محفوظ فرمایا۔

امت مسلمہ کے ابتدائی عہد میں موجودہ دور کی طرح تصنیف و تالیف کا رواج نہ ہوا تھا۔ اُس عہد کے بزرگوں کی تصانیف و تالیفات کی اشاعت کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اکابر اپنی تحقیقات اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرتے اور وہ اپنے اساتذہ کی تحقیقات کو روایت کرتے تھے۔ امت مسلمہ میں مروّج عظیم تصانیف و تالیفات اسی انداز میں شائع ہوئیں۔ آج ان کتابوں کو شاگردوں کے نام کی بجائے اساتذہ کے ناموں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل ہو یا موطا امام مالک ہو یا صحیح بخاری یہ راویوں کی معرفت ہی ہم تک پہنچی ہیں۔ اُس زمانے میں کتب کی اشاعت کا یہی انداز تھا۔ یہ بعد کی بات ہے کہ مصنف خطبہ کتاب سے تمت بالخیر تک اپنے قلم سے لکھتا تھا اور ہو سکے تو ترقیمہ بھی لکھتا تھا۔ ایک مدت یہی طریق مروّج رہا۔ ہمارے اکابر اسی انداز میں اپنی تصانیف یا تحقیقات اپنے شاگردوں پر پیش کرتے تھے جو ان کی آئندہ اشاعت کا سرو سامان کرتے۔

تصنیف کا ایک اور انداز امالی کا تھا۔ اکابر اہل علم اپنے تلامذہ کو دورانِ تدریس اپنے تحقیقات علمیہ پیش کرتے اور تلامذہ اپنے اُستاد کے امالی لکھ کر آئندہ نسلوں تک پہنچاتے۔ امالی میں بارشہوت کسی حد تک تلامذہ پر ہوتا۔ یہ امالی بھی اساتذہ کے نام سے بھی مروّج ہوتے اور شاگرد کے نام سے بھی، مگر خیالات کے سلسلے میں یہ بات بالوضاحت پیش کر دی جاتی کہ یہ کس بزرگ کے خیالات ہیں یا یہ کس بزرگ نے روایت کیے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی تصانیف:

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ امت کے ان اساطین میں سے ہیں جنہوں نے پوری امت پر علمی احسانات فرمائے ہیں۔ حضرت الامام نے اپنے علوم سے پوری امت کو مستفید کیا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ امت علم میں ان کی عیال ہے۔ آپ کی تصانیف بھی اسی انداز میں روایت ہوئی ہیں جس انداز میں دوسرے ائمہ اور مقتدی ہستیوں کی تصانیف۔ آپ نے اپنی تحقیقات اپنے شاگردوں کو پیش کیں جنہوں نے یہ تحقیقات علمیہ نقل کیں اور آنے والی نسلوں تک پہنچائی ہیں۔ آپ کی تحقیقات آپ کے تلامذہ کی تحریروں میں موجود ہیں۔ انہیں حضرت الامام سے ہی نسبت دی جاتی ہے اور انہیں حضرت الامام کے حوالے سے

ہی شہرت ہوئی۔ حضرت کی علم کلام پر تصانیف اور مسانید ان کے علاوہ ہیں جنہیں آپ کی تصانیف کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کے شاگردوں کی املا کے ذریعے آگے چلیں۔  
آپ کی تصانیف پر اختلافات:

قدیم زمانوں میں کتابیں نقل کی جاتی تھیں۔ نقل درنقل کے بعد بعض نسخوں میں کچھ غلطیاں در آتیں۔ نتیجتاً ان کتابوں کی مصنف سے نسبت مشکوک نظر آنے لگتی۔ بعض اوقات بعض غلط بیس صاحبان جان بوجھ کر ان اکابر کی کتب میں بعض غلط جملوں کا اضافہ کر دیتے اور ان کتب کی حیثیت کو مشکوک کر دیتے۔ حضرت الامام کی کتب کا بھی یہی معاملہ رہا۔ ان کی علم کلام پر بعض تحریرات میں کاتبوں کی غلطی سے ایسی عبارتیں داخل ہو گئیں کہ ان کی حیثیت مشکوک معلوم ہونے لگی۔

حضرت الامام اور معتزلہ:

حضرت الامام کے علم کلام کی زد معتزلہ پر بہت سخت رہی تھی۔ انہوں نے اسلامی عقائد کو مبرہن کر دیا تھا۔ جس سے معتزلہ کے عقائد و نظریات کا سخت رد ہوتا تھا۔ انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ آپ کی کلامی تصانیف کا کلیتاً انکار کر دیا جائے۔ یہ انکار کچھ اس شد و مد سے ہوا کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے محقق بھی ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک گروہ کہنے لگا کہ حضرت الامام نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں۔  
حضرت الامام اور مستشرقین:

حضرت الامام کے بارے میں جو تحقیق معتزلہ نے پیش کی تھی اس سے ملتی جلتی تحقیق مستشرقین نے بھی پیش کر دی۔ انہوں نے ایک اصول تحقیق متعین کر لیا۔  
عدم الذکر یستلزم علی عدم الوجود:

کسی شے کا عدم ذکر اس کے وجود کے نہ ہونے پر مستلزم ہے۔

اس اصول کو بنیاد بنا کر انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے کام نہیں لیا۔ بات کہاں سے اٹھائی تھی، کہاں جا پہنچی۔ اب تو مستشرق کے تلامذہ جہالت نے یہ نئی تحقیق پیش کی ہے کہ حضرت الامام بہت کم حدیث جانتے

تھے۔ اگر حضرت الامام کی مسانید کے مجموعے نہ بھی ہوتے، تب بھی ایسا دعویٰ کرنا ممکن نہ تھا۔ ان مجموعہ مسانید نے حضرت الامام کی محدثانہ حیثیت کو بہت حد تک واضح کر دیا ہے۔  
حضرت الامام کی علم کلام میں تصانیف:

ابن السدیم نے اپنی الفہرست میں حضرت الامام کی مندرجہ ذیل کتب کا تذکرہ کیا ہے:

۱- الفقه الاکبر  
۲- عثمان التیمی کے نام مکتوب

۳- العالم والمتعلم  
۴- الرد علی القدویہ

۵- الفقه الاہل البیت

اب یہ علمی بحث اہل علم کے حلقوں میں موجود رہی ہے کہ الفقه الاکبر کا کون سا نسخہ ایسا ہے جسے حضرت الامام کی تصانیف کہا جائے۔ اس بحث کی خارجی وجوہ بھی یقیناً موجود ہیں۔ محدثین کرام نے ان روایتوں کی یقیناً جانچ پرکھ فرمائی جس سے کسی نسخے کی حضرت الامام سے نسبت یقینی کہی جاسکے۔ ہمارے اکابر میں حضرت مولانا خلیل احمد سکندر پوری، حضرت مفتی عزیز الرحمن اور حضرت مفتی محمد عیسیٰ خاں دامت برکاتہم نے اپنی تحقیقات پیش فرمائی ہیں۔ انہوں نے یقیناً اصول روایت اور درایت دونوں کو مد نظر رکھا ہے۔ جدید اصول تحقیق میں ہم انہیں خارجی و داخلی شواہد کہہ سکتے ہیں۔ راقم الحروف کی کیا جسارت جو ان کی علمی تحقیقات سے متعلق کوئی سوال اٹھاسکے۔ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے یعنی وہی سعدی والی بات ہے کہ من آنم ومن دانم۔

بہر حال ہمارے اکابر نے اس بات پر بہر حال اصرار فرمایا ہے کہ حضرت الامام نے عقائد و کلام پر تحقیقات علمیہ اپنی تصانیف میں پیش فرمائی ہیں جو اگرچہ مختصر ہیں مگر جامع ہیں۔ ان تحقیقات کو دیکھا جائے تو ہر جملہ گنجینہ معنی کا طلسم نظر آنے لگتا ہے۔ غالب کا یہ شعر ان مختصر جملوں پر پورے طور پر صادق آتا ہے:

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے

جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

حضرت الامام کی علم کلام پر تصانیف خیر الکلام ماقول و دل کے اصول پر ہیں۔ ان کے



جملوں میں دلائل عقلیہ و نقلیہ بھی ہیں اور وضاحت بھی۔ بہر حال حضرت الامام کی یہ تالیفات اس علم کلام کے اصول واضح کرتی ہیں جسے اہل سنت و الجماعت میں قبول عام حاصل ہوا۔ جس علم کلام کو آگے چل کر امام ابو منصور ماتریدی نے مدون مرتب کیا۔ یہ علم آج عالم اسلام میں مقبول اور مروج ہے۔

علم کلام سے حضرت الامام کی مناسبت:

حضرت الامام کے سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے علم فقہ میں قدم رکھنے سے قبل علم کلام سیکھا اور اس میں وہ کمال پایا کہ آپ اہل علم میں اس حوالے سے مشہور ہو گئے اور ایک حوالہ بن گئے۔ اس علم میں کسب کمال کے بعد آپ نے علم فقہ میں کام شروع کیا اور مروج عالم بن گئے۔ آپ کی فقہ میں اس علم کے بعض اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

علم کلام میں ضعیف روایت کو قبول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ متکلم علم عقائد میں صرف وہ حدیث قبول کر سکتا ہے جو کڑی شرائط پر پورا اتریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہاں اصول حدیث بہت سخت ہیں۔ آپ کڑی شرائط کے تحت کوئی حدیث قبول کرتے ہیں۔ آپ کا حدیث قبول کرنے کا طریق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ بات علم کلام میں گہرے شغف کا نتیجہ ہے۔ اس کا ثمر ہے کہ آپ کی فقہ میں کوئی مسئلہ ایسا مشکل سے ملے گا جو مستند احادیث سے معارض ہو۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت الامام کے مسائل فقہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے مسائل فقہ میں بہت کم اختلافات نظر آتے ہیں۔ یہ بات بہر حال واضح ہے کہ انہوں نے صرف احادیث سے استدلال کیا تھا۔ ان کے ہاں ۱۲۵ مسائل میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف ملتا ہے اور حضرت الامام سے صرف ۲۵ مسائل میں اختلاف نظر آتا ہے۔

حضرت الامام کے علم کلام میں شغف اور مہارت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے دین کو بطور کل دیکھا، اس سے اصول اخذ کیے اور ان کا فروع پر اطلاق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں جو بھی مسئلہ ہے دین کے مجموعی مزاج سے ہم آہنگ ہے۔

## حضرت الامام کی وسعت:

حضرت الامام نے وسیع پیمانے پر کام کیا۔ فقہ میں آپ کو امام اعظم کا درجہ و مقام حاصل ہے۔ علم کلام میں وہ صاحب تصنیف ہیں، حدیث میں انہیں جو مرتبہ اور حیثیت حاصل ہے وہ محدثین کے ہاں مسلمات میں سے ہے۔ ہاں اگر کسی اہل علم نے آپ سے اختلاف کیا تو کب کس سے اختلاف نہیں ہوا۔ آپ کی مقبولیت عوام و خواص میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ آپ کے علوم کی وسعت اور کثرت ہے۔

## حضرت الامام پر کام کی ضرورت:

ہمارا عہد کتاب کی کثرت کا عہد ہے۔ کسی زمانے میں لوگ علم حاصل نہ کر پاتے تھے کہ کتاب مشکل سے ملتی تھی۔ آج علم سے محروم رہ جاتے ہیں کہ کتاب بہت زیادہ ہے۔ کسی زمانے میں کتب احادیث کے بہت کم نسخے برصغیر پاک و ہند میں دستیاب تھے اس لیے حدیث کا علم کم تھا۔ آج حدیث کا علم کمتر ہے کہ حدیث کے مجموعے دھڑا دھڑا چھپ رہے ہیں۔ ان کے ترجمے چھپ چکے ہیں اور لوگ محدثین سے بے نیاز ہوتے جا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جہلا حدیث سناتے ہیں، مگر ان کے معانی سے بے خبر ہیں۔ ایسے وقت میں حضرت الامام پر علمی و تصنیفی کام کی اشد ضرورت ہے تاکہ لوگ جان سکیں کہ حضرت الامام فقہ، کلام اور حدیث میں کیا مقام رکھتے تھے۔

مفتی رشید احمد علوی محنت سے حضرت الامام کی تصانیف کو مرتب کر رہے ہیں۔ ان کے تراجم اور شروح لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ اللہ رب العالمین ہمیں حضرت الامام کے مذہب پر کار بند رہنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور آخرت میں ان کی معیت عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

والسلام

امجد علی شاکر

# پہلا حصہ

## مقدمہ

امام اہل السنّت والجماعت شیخ الحدیث سیدی و مرشدی

ابوالزاهد محمد سرفراز خان صفدر

رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ



الحمد لله و كفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى اما بعد:

زمانہ ولادت:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی المتولد ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ؛

اگرچہ نبوت و رسالت کا بابرکت زمانہ اور خلافت راشدہ کا قابل رشک دور گزر چکا تھا، تاہم ایمانی اور عملی مسرتوں اور علمی ذوق و شوق اور جذب و کیف کی والہانہ سرمستیوں اور تقویٰ و طہارت کی اعلیٰ و ارفع زندگی کے نور سے زمین جگمگا رہی تھی، اور عالم انفس و آفاق میں ایک گونہ شگفتگی و شادابی کی لہریں اور ہزار جنتیں کھل کھلا کر ہنس رہی تھیں؛ اور مجموعی لحاظ سے بجائے سببیت اور بہیمیت کی پستیوں کے کاروان انسانیت شرف و مزیت کی بلندیوں کی طرف جا رہا تھا، توفیق ایزدی اور رفاقت خداوندی سے اس وقت بہت سے حضرات علم و تحقیق کے آسمان پر آفتاب و مہتاب بن کر چمک رہے تھے جن کی روشنی سے دنیا مستفید ہوتی رہی، اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کے لئے رشد و ہدایت کے پاک جذبے اور نیک ولولے نے ان کے عزائم کو سدرۃ المنتہیٰ کی بلندی تک پہنچا دیا تھا، جن کے قلوب میں دولت ایمان کی مضبوط جڑیں گھر کر گئی تھیں، اور جن کے اعمال صالحہ کی شاخیں آسمانی جنت درآغوش فضاؤں میں مسرتوں کے جھولے جھول رہی تھیں، اور جرأت و ہمت کے ساتھ وہ قرآن کریم جیسے نیر درخشندہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تفقہ فی الدین کی شمع کافوری کو بائیں ہاتھ میں لے کر اندھیرے میں بھٹکنے والی انسانیت، اور ظلم و جور کے طوفانوں سے چکنا چور آدمیت کو شادابیوں اور کامرانیوں کی جنت کی طرف لے جا رہے تھے، اور اس متاع عزیز کی انہوں نے اس طرح حفاظت کی کہ تلواروں کی جھنکار، تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی یلغار بھی اس گراں مایہ امانت کو ان کے سینوں سے ہرگز نہ نکال سکی، انہوں نے ایشیاء اور یورپ کے بہت سے لقمہ و دق میدانوں کی ریت اور خاک چھان کر ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیات تازہ اور ہر جانب ایک جھومتی اور مسکراتی ہوئی روحانیت پھیلا دی جس کی وجہ سے ہر گوشے میں خوشیوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے

تھے، غرض کہ جس طرف کوئی قوت سامعہ متوجہ کرتا: قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل آویزا اور پُر کیف نغموں سے سطح ارضی سے گونجتی سنائی دیتی، جبکہ معصوم فرشتوں کی پاک ٹولیاں جگہ جگہ نازل ہو کر نزول سکینہ کا سبب بنتی رہیں؛

اس میمون دور کے اندر ۸۰ ہجری میں جب کہ دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار عبدالملک بن مروان (المتوفی: ۸۶ھ) مسند آرائے خلافت تھا، ثابت نامی ایک مشہور تاجر کو چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے مقام کوفہ میں ایک ہونہار، قبول صورت، اور نہایت زیرک فرزند ارجمند عطاء فرمایا، جس کا نام والدین نے نعمان رکھا، مگر ان کی قبولیت عامہ، قوت حافظہ، وسعت معلومات، دقت نظر، حدت ذہن، کثرت عبادت اور دینی خدمت کے پیش نظر زمانہ نے آگے چل کر ان کو امام اعظم کا لقب دیا، جنہوں نے بقول علامہ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) و محدث ابن عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) و امام دارقطنی (المتوفی ۳۸۵ھ) و حافظ ابن عبد البر (المتوفی ۴۶۳ھ) و خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) و علامہ سمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) و امام نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) و علامہ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) و حافظ عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) و حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲ھ) اور امام سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) وغیرہ اپنے ماتھے پر ٹکی ہوئی دو آنکھوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص:

حضرت انس بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) کو دیکھا تھا، اور اس وقت متعدد حضرات صحابہ کرام اور بھی موجود تھے؛ مثلاً:

حضرت مالک بن الحویرث المتوفی ۹۴ھ (اکمال ص: ۶۱۵)

حضرت عبداللہ بن انیس المتوفی ۹۴ھ (جامع المسانید ج ۲: ص: ۳۴۷؛ و تہذیب الصحفہ ص: ۸)

حضرت محمود بن لبید المتوفی ۹۹ھ (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۸۶)

حضرت محمود بن الربیع المتوفی ۹۹ھ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۳)

حضرت ابو امامہ سہل بن حنیف المتوفی ۱۰۰ھ (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۹۰)

حضرت ہر ماس بن زیاد الباہلی المتوفی بعد ۱۰۲ھ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۸)

اور حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ المتوفی ۱۱۰ھ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۸۲) وغیرہ وغیرہ اگر یہ صحیح ہے (اور کوئی وجہ نہیں کہ اکابر محدثین اور مؤرخین کی یہ تحقیقی رائے غلط ہو) کہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے، تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان دیگر حضرات صحابہ کرام کو، یا ان میں سے بعض کو جن کی وفات حضرت انسؓ کے کئی سال بعد ہوئی، نہ دیکھا ہو؛ لہذا: ان حضرات کا نظریہ بالکل صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام موصوف نے حضرت انسؓ کے علاوہ بعض اور حضرات صحابہ کرام کو بھی دیکھا ہے؛ اور ان سے ملاقات کی ہے؛ چنانچہ علامہ محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

وکان من التابعین لقی عدة من الصحابة وکان من الورعین

الزاهدین (الفہرست لابن ندیم ص ۲۹۸ طبع مصر)

امام ابو حنیفہؒ تابعین میں سے تھے انہوں نے متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی تھی، اور آپ متورع اور زاہدین میں تھے اور روایت کے لحاظ سے تو بلاشبہ وہ تابعی ہیں اور یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مقام ولادت:

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مقام تولد کوفہ ہے، جو عراقی شورشیں برپا ہونے کے بعد حضرت علیؓ [المتوفی ۴۰ھ] کے عہد حکومت میں دار الخلافہ تھا جس میں سینکڑوں حضرات صحابہ کرامؓ فروکش ہوئے، جن کے علم و عرفان کی بارش سے لوگ سیراب ہوتے رہے

امام سفیان بن عیینہؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) کا کوفہ کے بارے میں یہ مقولہ کافی ہے کہ ”حلال و حرام یعنی فقہ کا مرکز تو کوفہ“ (معجم بلدان ذکر کوفہ)

اور علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ: کوفہ میں تین سو وہ حضرات صحابہ کرامؓ جن کو بیعت رضوان میں شرکت کی فضیلت حاصل ہوئی تھی اور جو اصحاب الشجرۃ کہلاتے تھے اور ستر (۷۰) وہ حضرات صحابہ کرامؓ جو جنگ بدر میں شریک ہو کر مغفرت کا پروانہ حاصل کر چکے

تھے تشریف لے گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ص ۶۲ ج ۶)

اور امام عجل (المتوفی ۳۶۱ھ) کے بیان کے مطابق ڈیڑھ ہزار جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش پا سے کوفہ بابرکت ہو چکا تھا۔ (شرح نقایہ ص ۱۲۰ ج ۱)

اور امام نووی لکھتے ہیں کہ: کوفہ مشہور شہر ہے جس کو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حکم سے تعمیر کیا گیا، پھر لکھتے ہیں کہ:

وہی دار لفضل و محل الفضلاء (نووی شرح مسلم ص ۱۸۵ ج ۱)

اور وہ فضیلت کی جگہ اور فضلاء کا محل تھا:

امام سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) کوفہ جانے والے بعض حضرات صحابہ کرامؓ کا نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں:

وخلق من الصحابة (الاعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ ص ۱۳۹ طبع دمشق)

تحصیل حدیث کا شوق:

امام صاحب کے والد محترم کا انتقال ان کی تحصیل علم سے پہلے ہی ہو چکا تھا مگر حضرت امام شعبی (المتوفی ۱۰۶ھ) کی ترغیب سے جنہوں نے پانچ سو حضرات صحابہ کرامؓ سے آنکھیں روشن کر لی تھیں اور بہت سے صحابہ کرامؓ سے فیض صحبت اٹھایا اور روایات حاصل کی تھیں) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث اور علم دین حاصل کرنے کا عزم مصمم کر لیا، اور اس وقت کے جلیل القدر محدثین عظامؒ اور فقہاء کرامؓ سے علم حاصل کر کے بلند مقام حاصل کیا۔

شیوخ حدیث:

امام ابوحنیفہؒ نے بہت سے شیوخ اور اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا؛ جن میں سے

چند حضرات کے نام جو متعدد کتب اسماء الرجال میں مندرج ہیں یہ ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح، عاصم بن ابی النجود، علقمہ بن

مرثد، امام باقر، سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری،

ابو اسحاق سبیعی، نافع بن عمر مدنی، عبدالرحمن بن ہرمز



الاعرج ، قتادہ ، عمرو بن دینار ، مکحول شامی ، محمد بن مسلم ، اعمش کوفی ، امام اوزاعی ، امام شعبی ، ربیعہ بن عبدالرحمن الرائے ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ ؛ امام زہری ، ہشام بن عروہ ، سماک بن حرب ، سلمہ بن کھیل وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین .

علامہ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ الامام الاعظم کے پیارے عنوان سے شروع کر کے ان کے کچھ شیوخ کے نام ذکر کئے ہیں اور پھر آخر میں تحریر فرمایا ہے:

وخلق كثير (تذکرہ ص ۱۵۹ ج ۱)

کہ ان کے علاوہ اور بہت سے شیوخ سے انہوں نے علم حدیث اور علم دین حاصل کیا ہے:

علامہ ابوالحسان الشافعی نے تین سو انیس اساتذہ اور شیوخ کے نام بقید نسب لکھے ہیں

(عقود الجمان ص ۶۴ تا ۸۷)

اور امام ابو حفص بن الکبیر المتوفی ۲۶۳ھ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے کم از کم چار ہزار شیوخ سے حدیثیں روایت کی ہیں: (بحوالہ سیرت النعمان حصہ اول ص ۳۲)

محدثین کا ان پر اعتماد:

بڑے بڑے ائمہ دینؒ، محدثین اور فقہاء اعلام امام ابو حنیفہؒ پر حدیث اور باقی علوم میں کلی اعتماد کرتے تھے، اور ان کی اس برتری اور تفوق کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے تھے، چنانچہ امام مسعر بن کدامؒ (المتوفی ۱۵۵ھ) فرماتے تھے کہ: میں نے علم حدیث امام ابو حنیفہ کے ساتھ طلب کیا مگر وہ اس میں ہم پر غالب آگئے اور زہد و ورع میں بھی وہ ہم سے سبقت لے گئے اور فقہ میں تو ان کا مقام تم سبھی جانتے ہو۔ (مناقب ابی حنیفہ لعلامہ ذہبی ص ۲۷)

امام مکی بن ابراہیمؒ جو الامام اور الحافظ تھے، ان کو احفظ اہل زمانہ کہتے تھے:

(مناقب امام اعظم از صدر الائمہ المکی ج ۱ ص ۲۱۴)

اور فرماتے ہیں کہ: چالیس ہزار حدیثوں سے انہوں نے آثار کا انتخاب کیا تھا (حوالہ مذکور)

امام عبد القادر القرشی (المتوفی ۵۷۷ھ) امام یوسف بن قاضی ابو یوسفؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کے توسط سے:

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفہ و هو مجلد ضخیم ،

(الجوہر المفضیۃ ج ۲ ص ۳۲۵)

امام ابو حنیفہ سے ان کی کتاب الآثار روایت کی جو ایک ضخیم جلد میں ہے:

اور حافظ ابن حجرؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:

والموجود من حدیث ابی حنیفہ مفردا انما هو کتاب الآثار

التي رواها محمد بن الحسن عنه (تجلیل المنفعہ ص ۲)

امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مفرد کتاب الآثار جو محمد بن الحسن نے ان سے روایت کی

ہے:

اور اسی کے قریب وہ لسان المیزان ص ۳۱ ج ۵ میں لکھتے ہیں: حدیث کے بارے میں

امام موصوف کی شرطیں بڑی سخت اور کڑی تھیں،

چنانچہ امام سفیان ثوری (المتوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ صرف وہی

حدیثیں لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح اور ثقات سے مروی ہوتی تھیں۔

(کتاب الانتقاء ص ۱۴۲ طبع مصر لابن عبدالبرؒ)

اور امام یحییٰ بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہؒ صرف وہی

حدیثیں بیان کرتے تھے جو ان کو معلوم اور یاد ہوتی تھیں۔ (کفایہ خطیب بغدادی ص ۲۳۱)

امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ کی حدیث میں یہ شرط تھی کہ راوی

نے بالمشافہ حدیث اپنے شیخ سے سنی ہو، اور پھر وہ اس کو یاد بھی ہو، تب وہ اس کو بیان کرنے کا

مجاز ہے (مدخل للحاکم ص ۱۵)

علامہ ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ: امام موصوف علم حدیث میں کبار

مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے محدثین نے ان کے مسلک اور مذہب پر اعتماد کیا

ہے (مقدمہ ص ۴۴۵) اور ان کی ان شرائط کا باقاعدہ تذکرہ امام عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو المیزان الکبریٰ ص ۶۳ ج ۱ طبع مصر)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ: حدیث (کی قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید و پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہ نے کی ہے اور کسی نے اس کا اثنا ثبوت نہیں دیا۔ (تحفہ الاحوذی ص ۱۵ ج ۲)

الغرض امام صاحب علم حدیث، فقہ اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ ہی تھے:

چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام اعظم کوئی چنانچہ در علم دین منصب امامت دارد ہم چنان در زہد و عبادت امام

سالکان است (تقصار جیوالا حرار من تذکار جنود الابرار ص ۹۳)

امام صاحب کی فقاہت:

امام موصوف نے جب دیکھا کہ آئے دن نئے نئے مسائل اور حوادث رونما ہو رہے ہیں، اور اگرچہ تمام اصول و کلیات اور قواعد و ضوابط تو قرآن کریم اور حدیث شریف میں موجود ہیں مگر ہر آدمی کو یہ مرتبہ کہاں حاصل ہے کہ وہ فرع کو اصل پر متفرع کر کے اس سے مقیاس کا حکم استنباط کر سکے۔ اس لیے بالآخر امام صاحب فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے؛ اور دقیق فقہی مسائل کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا؛ جو ان کی دقت نظر، حدت ذہن، حاضر دماغی اور وسعت خیال کے شاہد عدل ہیں:

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ: تمام لوگ امام ابوحنیفہ کے

عیال اور خوشہ چلین ہیں (بغدادی ص ۳۴۶ ج ۳ و تہذیب التہذیب ص ۴۴۹ ج ۱۰)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جو لوگ فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو وہ امام ابوحنیفہ

وران کے اصحاب سے خوشہ چینی کریں (بغدادی ص ۳۴۶ ج ۱۳)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ: فقہ میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں

ہوسکا؛ اور ان کے معاصرین نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے، خاص طور پر امام مالکؒ اور

امام شافعیؒ نے (مقدمہ ص ۴۴۷)

علامہ محمد طاہر (المتوفی ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام صاحب کی مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا؛ تو امت محمدیہ کا نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا (تکملہ مجمع البحار ص ۵۴۷ ج ۳)

یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین اور آئمہ جرح و تعدیل جن پر حدیث کی صحت و سقم کا مدار ہے ان کی تقلید کرتے ہیں مثلاً:

(۱) امام تھمی بن زکریا بن ابی زائدہ الکوفی (المتوفی ۱۸۲ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الثبت المتقن اور الفقیہ کے اوصاف سے ذکر کرتے ہیں، وہ امام صاحب کے مقلد تھے: چنانچہ علامہ ذہبیؒ ہی ان کو صاحب ابی حنیفہؒ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں

(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۶ ج ۱)

(۲) امام وکیع بن الجراح الکوفی (المتوفی ۱۹۷ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ الثبت اور محدث العراق کے اوصاف حمیدہ سے ذکر کرتے ہیں، وہ بھی

یفتی بقول ابی حنیفہؒ (تذکرہ ص ۲۸۲ ج ۱)

امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے:

(۳) امام یحییٰ بن سعید القطان (المتوفی ۱۹۸ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام العلم اور سید الحفاظ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: ہم اللہ تعالیٰ کی تکذیب نہیں کرتے ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر کسی کی نہیں سنی، اسی لیے ہم نے ان کے اکثر اقوال لے لئے ہیں: (بغدادی ص ۳۴۵ ج ۱۳)

اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ

وکان یحیی القطان یفتی بقول ابی حنیفہؒ (ایضاً تذکرہ ص ۲۸۲ ج ۱)

امام تھمی بن سعید القطان بھی امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق فتویٰ صادر کیا کرتے

تھے؛

(۴) امام تکیؒ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) جن کو حافظ ابن حجر: امام الجرح والتعديل کے لقب سے یاد کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: فن حدیث میں وہ مرجع الخلاق تھے جس کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کی اقتداء اور خوشہ چینی کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۸۸ ج ۱۱) علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان ابن معین کان من الحنفیہ الغلاة فی مذہبہ ، وان کان محدثا اہ الروات الثقات المتکلم فیہم بما لا یوجب ردہم (ص ۷ طبع مصر ۱۳۲۲ھ) کہ امام تکیؒ بن معینؒ مذہب کے لحاظ سے عالی حنفی تھے بایں ہمہ وہ محدث بھی تھے: ان کے علاوہ سینکڑوں محدثین کرامؒ، حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے کو بہتر اور صحیح سمجھ کر اور ان کی فقہ پر اعتماد کر کے حنفی مسلک کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے؛ اگر امام صاحب کی فقہ حدیث سے متصادم ہوتی یا اس کی بنیاد مبنی بر حدیث رسول (علیٰ صاحبہ الف الف تھی) نہ ہوتی جیسا کہ غلطی سے سمجھ لیا گیا ہے، تو یقیناً جانے کہ امام تکیؒ بن زکریا، وکیع بن الجراحؒ، تکی القطان؛ اور یحییٰ بن معین جیسے اساطین حدیث اور حافظین بلکہ محافظین حدیث کبھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید نہ کرتے آخر انہوں نے کچھ دیکھا ہے تبھی تو ان پر فریفتہ ہو کر ان سے خوشہ چینی کی ہے اور ان کے مقلد بنے ہیں:

تری نگاہ تجلی شناس ہو تو دیکھ پس حجابِ دو عالم کسی کی جلوہ گری

امام صاحبؒ اور علم کلام:

جس طرح حدیث، فقہ اور زہد و تقویٰ میں ان کا پایہ بہت ہی اونچا تھا: اسی طرح عقائد و کلام میں بھی ان کا رتبہ اور مقام بہت اونچا تھا۔

چنانچہ علامہ خطیب بغدادی (باوجود امام صاحب پر انتہائی جرح نقل کرنے کے) ان کی ذاتی خوبیوں اور علمی قابلیتوں کا ان کا نہیں کر سکے، اور صاف طور پر واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ: علم عقائد اور کلام میں لوگ امام ابوحنیفہ کے عیال اور خوشہ چین ہیں:

(بغدادی ص ۱۶۱ ج ۱۳)

یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی (المتوفی ۴۵۶ھ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) اور حافظ ابن القیم (المتوفی ۷۵۱ھ) وغیرہ وغیرہ علم کلام کے دقیق مسائل میں امام ابوحنیفہ کا حوالہ دے کر اس سے اپنی تائید حاصل کرتے ہیں: کتاب الاسماء والصفات، شرح حدیث النزول اور اجتماع جیوش الاسلامیہ وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ الغرض اس فن میں بھی وہ امام ہی تسلیم کیے گئے ہیں۔

بہر کیف حضرت امام ابوحنیفہ کی جلالت شان، فن حدیث میں مہارت، علم فقہ میں تفوق، اور علم کلام میں اُم کا درجہ؛ محدثین مورخین اور فقہاء کرام کیا موافق اور مخالف سبھی کو مسلم ہے، جن حضرات کو ان کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات تھے وہ یا تو غلط فہمی کا نتیجہ ہیں جو تاریخی اعتبار سے خود بخود رفع ہو جاتے ہیں اور یا انتہائی مذہبی تعصب کا ثمر ہیں جن کا اس جہان میں سرے سے کوئی علاج ہی نہیں ہے۔

امام موصوف کے مزید کچھ مناقب و فضائل کے لئے راقم الحروف کی کتاب احسن الکلام حصہ اول کا مطالعہ کیجئے؛ اس مختصر مقدمہ میں اس کی گنجائش نہیں اور قدرے بسط اور تفصیل کے ساتھ راقم کی کتاب مقام ابی حنیفہ دیکھیں جس پر دور حاضر میں پاک و ہند کے جید علماء کرام کی بہترین آراء و تصدیقات ثبت ہیں۔

فقہ اکبر:

علم عقائد و کلام میں ایک نہایت مختصر اور جامع کتاب جس کا نام فقہ اکبر ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کی تصنیف و تالیف ہے، چنانچہ بہت سے ائمہ اسلام نے اس کو امام صاحب ہی کی تالیف تسلیم کیا ہے مثلاً:

(۱) الحکم بن عبداللہ النخعی (المتوفی ۱۹۹ھ) راوی فقہ اکبر

(۲) امام اسحاق بن محمد الحکیم السمرقندی (المتوفی ۳۴۲ھ) جو امام ابو منصور ماتریدی

المتوفی ۳۳۳ھ کے تلمیذ تھے اور ان کی شرح کو بقول مولانا شبلی المتوفی ۱۳۳۲ھ علامہ ابوالبقاء

احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا تھا۔

- (۳) امام فخر الاسلام علی محمد البرز دوی الحنفی المتوفی ۲۸۲ھ،
- (۴) امام محی الدین محمد بن بہاؤ الدین،
- (۵) مولی الیاس بن ابراہیم السینوٹی،
- (۶) احمد بن محمد المغنیساوی،
- (۷) شیخ اکمل الدین بابرٹی،
- (۸) علامہ ابوالمننتی،
- (۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہ،
- (۱۰) حافظ ابن القیم،
- (۱۱) علامہ ذہبی،
- (۱۲) امام کروری،
- (۱۳) ملا علی بن القاری،
- (۱۴) علامہ عبدالعلی بحر العلوم،
- (۱۵) ملا کاتب چلبی صاحب کشف الظنون،
- (۱۶) علامہ عبدالقادر القرشی،
- (۱۷) صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود،
- (۱۸) حافظ ابن ہمام،
- (۱۹) علامہ ابن عابدین شامی،
- (۲۰) مولانا عبدالحی لکھنوی،
- (۲۱) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب حضرات اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اکبر امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ہے  
بریلوی حضرات کے مسلم عالم مولوی احمد رضا خان صاحب (المتوفی ۱۳۴۰ھ) بھی تسلیم  
کرتے ہیں کہ: فقہ اکبر امام عظیم ہی کی تالیف ہے۔ (دیکھئے کوکب الشہابیہ ص ۱۶ و ص ۶۴ وغیرہ)

امام کردری فرماتے ہیں کہ: تو یہ اعتراض کرے کہ امام صاحب کی تو کوئی تصنیف ہی نہیں؟ تو میں یہ کہوں گا کہ یہ اعتراض اور کلام، معتزلہ کا ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم امام صاحب کی نہیں، چونکہ امام صاحب نے فقہ اکبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے اکثر عقائد نقل کئے ہیں؛ اور معتزلہ کا یہ (بے بنیاد) دعویٰ ہے کہ: امام صاحب معتزلی تھے (معاذ اللہ) اور کتاب فقہ اکبر معتزلہ کے خیال میں ابوحنیفہ بخاری کی ہے لیکن ان کا یہ نظریہ بالکل صریح طور پر غلط ہے کیونکہ میں نے علامہ مولانا شمس المملۃ والدین الکردری البراقینی العمادی کے ہاتھ مبارک سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی ہے: انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں پھر آگے ارشاد فرمایا کہ:

تواطأ علی ذلک جماعة کثیرة من المشائخ انتھی

(ذیل الجواہر ص ۴۶۱ ج ۲)

اسی پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت متفق ہے۔  
بظاہر اسی قسم کے لوگوں سے متاثر ہو کر علامہ شبلی نعمانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ: فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، اور اس پر برائے نام دلائل اور اپنے خیالات کا انہوں نے اظہار بھی کیا ہے مگر تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے ان کی کوئی دلیل قوی نہیں ہے۔

مثلاً ایک یہ ہے کہ: فقہ اکبر کے راوی ابو مطیع پر محدثین نے کڑی جرح کی ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں اور نیز صاحب الفقہ الاکبر کا متبادر معنی یہ ہے کہ: وہ ابو مطیع ہی کی تالیف ہو؛ مگر یہ دلیل اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی بلاشک اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے مگر ان کا مرکزی نقطہ ہی صرف یہ ہے کہ وہ جہمیہ اور مرجیہ کے عقیدہ پر تھے؛ کتب اسماء الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے مگر کیا یہ نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ: وہ کس معنی میں مرجیہ تھے؟ اور کیا اس معنی کے مرجیہ ہونے سے کوئی زد آتی ہے؟ کیا خود امام اعظم کو مرجیہ فرقہ میں سے ہونے کا بلا وجہ الزام نہیں دیا گیا؟ اور اگر اس وجہ سے



روایت مردود ہوتی ہے تو ہم صحیحین میں ایسی بہت سی روایات کی نشاندہی کر سکتے ہیں جن کے روایات مرجحہ وغیرہ فرقوں سے متعلق تھے۔

حافظ ابن حجر امام ابو مطیعؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كان بصيرا بالرأى علامة كبير الشأن و كان ابن المبارك يعظمه و يبجله لدينه و علمه (لسان الميزان ص ۳۳۲ ج ۲)

وہ صاحب بصیرت فقیہ، علامہ اور بڑی شان کے مالک تھے، اور ابن مبارکؒ ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے؛

اور علامہ ذہبیؒ ان کو الفقیہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں: (عبرنی اخبار من غیر) اور علامہ عبدالقادر القرشی لکھتے ہیں کہ:

راوی کتاب الفقه الاکبر عن ابی حنیفہ اہ (الجواهر المضية ص ۲۶۵ ج ۲)

امام ابو مطیع نے کتاب فقہ الاکبر حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے۔ غرضیکہ یہ کتاب ابو مطیع کی نہیں بلکہ امام صاحب ہی کی تالیف ہے امام ابو مطیع تو صرف اس کتاب کے راوی ہیں:

مولانا شبلی نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ جس ترتیب اور اختصار سے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ متاخرین کا خاص انداز ہے لیکن اس دلیل میں بھی کوئی جان نہیں، کیونکہ امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) جو دو واسطوں سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور متقدمین میں شامل ہیں، ان کی کتاب عقیدۃ الطحاوی بھی آخر بڑی مختصر اور خاص ترتیب سے لکھی گئی ہے؛ لہذا اس کا بھی ان کا کردینا چاہئے؛ علاوہ ازیں حضرت امام ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) اور امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) جو امام صاحب کے بلا واسطہ شاگرد ہیں، ان کی کتابوں میں جو ترتیب یا اختصار ہے وہ فقہ اکبر سے چنداں متفاوت اور نمایاں نہیں ہے؛

مولانا شبلی نے ایک دلیل یہ بھی ذکر کی ہے کہ فقہ اکبر میں ایک جگہ جوہر اور عرض کا لفظ

آیا ہے حالانکہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے؟ بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ تھا؟

مگر مولانا کی یہ دلیل بھی نہایت ہی کمزور ہے، کیونکہ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ اور قوت یادداشت اور فہم و ذکاؤ عطا فرمائی ہو، اور جو ہستی مختلف ممالک کے ہزاروں اساتذہ سے استفادہ کر چکی ہو اور جس کے یونان اور ایران سے آئے ہوئے غیر ملکی بیسیوں شاگرد ہوں اور جن کے بارہا باطل فرقوں سے مناظرات بھی ہو چکے ہوں ان کے لیے جو ہر عرض کے ایک دو لفظ یاد کر لینا اور ان کو معلوم کر لینا اور کتاب میں درج کر دینا کون سی انوکھی بات ہے؟ جب کہ اغلب یہی ہے کہ ان کا صحیح <sup>مطہ</sup> نظر ہی ان الفاظ سے فلاسفہ یا ان کے کاسہ لیسوں کی تردید ہی ہے عام یونانی فلسفہ کی اصطلاحات کا تو ذکر ہی کیا آخر علامہ ابن خلدون ہی نے ذکر کیا ہے کہ پوری اقلیدس کا ترجمہ ابو جعفر منصور کے عہد میں ہو چکا تھا۔

(مقدمہ ص ۲۸۶)

جب خالص یونانی طرز اور فن کی کتاب کا ترجمہ عہد منصور میں ہو چکا تھا تو بعض علمی اصطلاحات کا علم ابتدائی دور میں کون سی نرالی بات ہے جبکہ سینکڑوں فلسفی اور یونانی جاہ و مال کے حاصل کرنے کے لئے کئی دفعہ اسلامی دار الخلافہ کا طواف کر چکے ہوں گے۔

مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ: صحائف شرح مقاصد، شرح مواقف اور ملل و نحل وغیرہ عقائد کی کتابوں میں فقہ اکبر کا ذکر نہیں ہوا؟ لیکن اس دلیل میں بھی کوئی قوت نہیں ہے؛ کیونکہ عدم ذکر سے عدم شے کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ آخر ان میں سے بیشتر کتابوں میں عقیدۃ الطحاوی کا ذکر بھی تو نہیں ہے تو کیا اس کے وجود ہی کا ان کا رد یا جائزگا؟

امام بزدوی الحنفی فرماتے ہیں کہ:

العلم نوعان: علم التوحید والصفات، و علم الشرائع والاحکام،  
والا اصل فی النوع الاول هو التمسک بالکتاب

والسنة ومجانبة الهوى والبدعة، ولزوم طريق السنة والجماعة  
الذى كان عليه الصابة والتابعون ومضى عليه الصالحون وهو  
الذى كان عليه ادر كنا مشائخنا، وكان على ذلك سلفنا، اعنى  
ابا حنيفة و ابا يوسف ومحمدا وعامة اصحابهم رحمهم الله تعالى  
وقد صنف ابو حنيفة رضى الله تعالى عنه فى ذلك كتاب الفقه  
الاكبر وذكر فيه اثبات الصفات تقدير الخير والشر من الله  
تعالى وان ذلك كله بمشيئته وثبت الاستطاعة مع الفعل؛ وان  
افعال العباد مخلوقة بخلق الله تعالى اياها كلها، ورد القول  
بالاصح.

(اصول البر دوى الموسوم به كنز الوصول الى معرفة الاصول ص ۳ طبع جاوید پریس کراچی)  
علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم توحید و صفات اور دوسرا علم شرائع اور احکام اور پہلی نوع  
میں اصل یہ ہے کہ: کتاب و سنت سے تمسک کیا جائے اور خواہش (نفسانی) اور بدعت سے  
کنارہ کشی کی جائے؛ اور اہل السنة والجماعة کا طریقہ لازم پکڑا جائے جس پر حضرات صحابہ  
کرام اور تابعین تھے؛ اور اسی پر سلف صالحین تھے، اور یہی وہ چیز ہے جس پر ہم نے اپنے  
اکابر کو پایا ہے اور اسی پر ہمارے اسلاف تھے یعنی حضرت امام ابو حنیفہ حضرت ابو یوسف اور  
حضرت امام محمد اور ان کے اکثر اصحاب سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور بلاشبہ امام ابو حنیفہ  
نے اس میں الفقه الاکبر نامی کتاب لکھی ہے؛ اور اس میں انہوں نے صفات  
(خداوندی) کا اثبات کیا ہے اور اس میں انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ: (بھلی بری)  
تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اور انہوں  
نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ: استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ بھی انہوں نے اس میں  
ثابت کیا ہے کہ بندوں کے افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے؛ اور معتزلہ کا اصح  
والاقول بھی انہوں نے رد کیا ہے (یعنی یہ کہ جو چیز بندوں کے حق میں اصح ہے وہ اللہ تعالیٰ پر  
واجب ہے کیونکہ وجوب کے قول کے بعد اللہ تعالیٰ فاعل مختار نہیں رہتا معاذ اللہ

مولانا نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: فقہ اکبر کی تمام شرحیں آٹھویں صدی کے بعد کی ہیں؟ مگر یہ دلیل بھی بالکل بے وزن ہے، اس لیے کہ خود مولانا اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اکبر کے ایک شارح اسحاق بن محمد عبدالحکیم بھی ہیں؛ اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان کی وفات ۳۴۲ھ کو ہوئی تھی۔ (دیکھئے فوائد بیہ ص ۴۴ وغیرہ)

الحاصل مولانا شبلیؒ نے جتنے دلائل بھی اس پر پیش کیے ہیں کہ فقہ اکبر امام صاحبؒ کی تصنیف نہیں ہے سب کے سب کمزور اور ضعیف ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا خود ان سے مطمئن نہیں ہیں اور صاف ارقام فرماتے ہیں کہ ”ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی (جن میں ایک بھی ثبوت مدعی کے لیے دلیل نہیں بن سکتا) (صفر) لکھ دیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔

(سیرۃ نعمان حصہ ۱، ص ۷۵)

واقعی یہ تمام خیالات اور قیاسات صرف مولانا کی ذات ہی تک محدود ہیں کیونکہ تاریخی دلائل اور شواہد، قرائن اور واقعات ان کا سرا سر ان کا رکرتے ہیں:

ع خذ ما صفا ودع ما کدر

غرضیکہ فقہ اکبر حضرت امام ابا حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی تصنیف ہے۔ لاریب فیہ

امام صاحبؒ کی وفات:

خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کے عہد میں امام صاحب کو قاضی اور جج بننے کے لیے مجبور کیا گیا مگر انہوں نے صاف ان کا رکردیا (کہ جس حکومت میں غیر اسلامی فتوے اور فیصلے بھی صادر اور نافذ کرنے ہوں گے اس میں کیسے قاضی بن جاؤں اور کیوں آخرت ضائع کر دوں) پہلے تو گورنر وقت یزید بن عمر بن ہبیرہ نے روزانہ دس دس کوڑے امام موصوف کو لگوائے اور پھر بالآخر قید خانے میں محبوس کر دیا اور جیل خانے ہی میں امام موصوف کو چار سال کی طویل قید کے بعد زہر دلوادیا گیا اور جب امام موصوف کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ میں گر گئے، اور اسی حالت میں رجب ۱۵۰ھ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے

(کتاب المناقب للکردری ص ۲۲ ج ۲ و کتاب الانقضاء ص ۷۰ وغیرہ)

چھ مرتبہ ان کی نمازہ جنازہ پڑھی گئی پہلی دفعہ کم و بیش پچاس ہزار آدمی شریک تھے، اور خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازے کی نماز پڑھتے رہے۔ (بحوالہ سیرت نعمان حصہ اول ص ۴۲)

اس سے امام صاحب کی مقبولیت عامہ اور مرجع خلایق ہونے کا اندازہ ہو سکتا ہے  
رکھتی ہے غرق میکہ دنیائے عشق کو وہ اک ادا کہ جنبش مینا کہیں جسے

فقہ اکبر کا ترجمہ:

ضرورت تھی کہ اس مختصر سی کتاب کی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر اس کا اردو میں سلیس اور  
بامحاورہ ترجمہ کر دیا جائے تاکہ اس پر فتن دور میں جہاں اعمال و اخلاق اسلامی، کو لوگ خیر باد  
کہہ چکے ہیں کم از کم اپنا عقیدہ تو درست رکھیں اور نیز حنفی قسم کے مسلمان بخوبی یہ معلوم کر سکیں  
کہ ہم کن عقائد پر کار بند ہیں اور امام اعظمؒ نے کون سے عقائد تحریر فرمائے ہیں؟ اور نیز یہ بھی  
معلوم ہو جائے کہ امام صاحب ہرگز مرجیہ فرقہ میں سے نہ تھے؛ کیونکہ انہوں نے اس کتاب  
میں اس فرقہ کا نام لیکر ایک جگہ تردید کی ہے۔

اس ضرورت کو عزیز مفتی رشید احمد جو حضرت مولانا عبدالعزیز محدث سہالوی کے  
جانشین اور صحیح معنوں میں علمی وارث ہیں انہوں نے بطریق احسن و خوبی مکمل فرمایا ہے اللہ  
تعالیٰ اس گراں قدر محنت اور علمی کام سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے  
نوٹ: یہ آخری سطریں حضرت شیخ سے جب اس مقدمہ کو اپنی کتاب کا جزو بنانے کی اجازت  
چاہی تو آپ نے مذکورہ الفاظ زیادہ کرنے کا فرمایا تھا جو لکھ کر حضرت کو سنادے گئے تھے۔



## دوسرا حصہ

### فقہ اکبر سے متعلق بنیادی باتیں

امام اعظم ابوحنیفہ کے حالات کے بیان میں	پہلا باب
امام حماد بن ابوحنیفہ کے حالات کے بیان میں	دوسرا باب
امام ابو مطیع بلخی کے حالات کے بیان میں	تیسرا باب
علم عقائد سے متعلق دس بنیادی امور کے بیان میں	چوتھا باب





## پہلا باب:

# امام اعظمؒ کے مختصر احوال

۱- نام اور مقام ولادت:

آپ کا نام نامی اسم گرامی نعمان، والد مکرم کا نام ثابت، اور آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی، اس کنیت کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام حنیف کی مناسبت تھی، جو بعض لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ آپ کی ایک بیٹی کا نام حنیفہ تھا اس وجہ سے آپ کی یہ کنیت تھی، یہ بات تحقیق سے گری ہوئی اور لایعنی ہے۔

سکونت کے لحاظ سے آپ کا مقام کوفہ، اور خاندانی تعلق کے بارے میں مختلف آراء بیان کی جاتی ہیں بعض نے آپ کو خراسانی لکھا ہے اور بعض لوگوں نے آپ کو کابلی بیان کیا ہے۔

آپ کی ولادت ۸۰ ہجری میں ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں کی زمام اقتدار خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ہاتھ میں تھی؛

اور اس زمانے میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور متعدد صحابہ کی زیارت سے آپ مشرف ہو کر تابعت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کی بناء پر تمام ائمہ میں سب سے افضل مرتبے پر فائز تھے۔

اور امام صاحب ان ائمہ میں سے ایک تھے جن کی علمی تحقیقات کی بنیاد پر قرن اول سے آج تک دنیا کا سب سے زیادہ طبقہ آپ کی اتباع میں فخر محسوس کرتا ہے اور اس طبقے کو امام اعظم کی اتباع کرنے کی بنا پر حنفی کہتے ہیں۔

آپ کا خاندانی پیشہ ریشم کے کپڑے کی تجارت تھا اور آپ بھی ایک زمانہ تک اپنے

خاندانی کام کرتے رہے ہیں۔

آپ کے دادا جن کا نام زوطی تھا ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت افغانستان کے موجودہ دارالحکومت کابل میں ہوئی تھی؛ البتہ آپ کے والد حضرت ثابت کی جائے ولادت کے بارے میں اختلاف ہے بعض ائمہ کی رائے ہے کہ آپ کی ولادت صوبہ عراق کے معروف شہر انبار میں ہوئی؛ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ صوبہ خراسان کے شہر نساء میں پیدا ہوئے البتہ امام اعظم کی ولادت کے بارے تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کوفہ میں پیدا ہوئے تھے۔

۲- امام اعظم کے بارے میں بشارات نبویہ

(۱) امام خوارزمی نے جامع المسانید میں اپنی سند متصل کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سیکون

فی امتی رجلٌ یقال لہ ابو حنیفۃ ہو سراج امتی یوم القیامۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے

فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو ابو حنیفہ کہیں گے اس کو قیامت کے دن میری امت کا سردار ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔

اسی لئے امت کے عوام و خواص میں امام صاحب کا لقب سراج الامۃ مشہور اور معروف

ہے۔

(۲) وعنہ ایضاً (سیکون رجلٌ یقال لہ نعمان بن الثابت و یکنی بابی

حنیفۃ یحییٰ دین اللہ و سنتی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا

ہوگا جس کو نعمان بن ثابت کہا جائے گا اور جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے دین اور

میری سنت کو زندہ کر دے گا۔

اور اسی حدیث کی بناء پر ایک مجلس میں امام جعفر الصادقؑ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا 'آپ تو

میرے نانا کے دین اور اس کی سنت کو زندہ کرنے والے ہو۔

(۳) وَعَنْهُ اِيضًا قَالَ ( فِي كُلِّ قَرْنٍ مِنْ اُمَّتِي سَابِقُونَ وَاَبُو حَنِيفَةَ

سَابِقُ زَمَانِهِ )

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ: ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امت میں سابقین ہوا کریں گے اور ابو حنیفہ اپنے زمانے کے سابقین میں سے ہونگے۔

’سابق‘ ایک لقب ہے جس سے مراد ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو دور نبوی میں پیدا تو نہیں ہوئے مگر روز قیامت انکو انبیاء کرام یا صحابہ عظام کی جماعت میں اٹھایا جائے گا؛ عام صوفیاء کے ہاں اس مقام کا نام صدیقیت ہے اور یہ ہستی اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے جبل اللہ، معیار حق، اور بقول امام شاہ ولی اللہ: آلہ جارحہ ہوتے ہیں؛ اور فقہائے کرام کی زبان میں ان کو مجدد کہتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ہمیں امام اعظم، سمیت اپنے زمانے کی عظیم ہستی کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان کی صحبت اور ساتھ بھی نصیب فرمائے؛

نوٹ: اگرچہ علماء کے عام اور خاص طبقہ میں ان احادیث پر جرح بھی کی جاتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ جرح موجودہ دور کا فیشن بن چکی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ علم فقہ کے معروف امام علامہ شامی نے اپنی معروف تصنیف ردالمحتار میں ان احادیث کی درایتاً توثیق فرمائی ہے؛ اور سند کے لحاظ سے چھٹی صدی کے معروف امام، اور امام اعظم کی پندرہ مسانید کے مدون اول، امام خوارزمی نے اپنی کتاب جامع المسانید میں تمام اسناد کے ساتھ ان کی توثیق بھی بیان فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی آیت کی رو سے،

( وَاَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِنْكُمْ )

اور تم اپنے میں سے دو عدل والوں کی گواہی لے لیا کرو

آیت کہ یہ ضابطہ مذکورہ احادیث کی توثیق کے لئے کافی ہے۔

جب صورت احوال یہ ہو تو علمائے احناف پر لازم ہے کہ مذکورہ بالا دونوں ہستیوں علامہ شامی اور علامہ خوارزمی کی بات پر کان دھریں؛ یا پھر اسی مرتبہ کے علماء سے اس کے خلاف پر دلیل قائم کریں؛ باقی رہا مسئلہ ملا علی القاری کا تو انہوں نے ان احادیث کی اسناد میں زیادہ سے زیادہ ضعف ثابت کیا ہے اور بس، ورنہ ان احادیث کی اسناد کے طرق جمع کئے جائیں تو وہ ضعف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب 'الانعام فی سیرۃ الامام' ملاحظہ فرمائیے۔

### ۳- امام صاحب کے اخلاق و اطوار:

امام اعظم کے بارے میں لکھنے والے تمام ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ چہرے کی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے؛ جس پر امام صاحب کے گندمی رنگ نے اور بھی چار چاند لگا دئے تھے، امام صاحب کے قد اور سراپہ مبارکہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے؛ بعض کا کہنا ہے کہ آپ میانہ قد والے تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ کا قد مبارک قدرے لمبا تھا؛ لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ عموماً چھوٹے قد والے آپکو دراز قد، اور لمبے قد والے آپکو میانہ قد بیان کرتے تھے اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپکو اتنا حسین قد مبارک دیا تھا کہ چھوٹے قد والے دیکھے تو دراز قد نظر آتے اور لمبا قد والے دیکھے تو قد مبارک میانہ نظر آتا تھا اور ہم نے جب حضرت امام صاحب کی خواب میں زیارت کی، اور زیارت میں حضرت امام اعظم سے علم کلام کے موضوع پر تصنیف و تالیف اور تدریس کے حوالے سے کام کرنے کی بالمشافہ اجازت حاصل کی تو اس وقت امام اعظم واقعی ایسے میانہ قد والے تھے، کہ نہ تو کسی شخص کو آپ سے لمبا کہا جاسکتا ہے؛ اور نہ ہی کسی کو آپ کے برابر قد والا کہا جاسکتا ہے۔

### ۴- امام صاحب کی صفات جمیلہ:

امام صاحب فطرتاً خاموش طبع، اور کم گو تھے، بہت ہی زیادہ کریم اخلاق والے، اور

اپنے دوستوں اور دینی بھائی بندوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنے والے تھے؛ لوگوں کے ساتھ ایسے بہترین انداز میں گفتگو فرماتے کہ جس سے ایک بار بات کرتے اس کا دل موہ لیتے تھے؛ انداز تکلم میں مٹھاس تھی جو شخص بھی ایک بار آپ کی بات سنتا بس سنتا ہی چلا جاتا، اور پوری صحبت میں اکتاہٹ اور تنگی محسوس نہ کرتا تھا۔

امام اعظم سے جب کوئی سائل سوال کرتا یا کوئی طالب علم آپ سے علم کی کوئی بات معلوم کرتا تو آپ کے جواب عنایت فرماتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے کسی وادی میں پانی کا بند ٹوٹ جانے سے پانی بہنے لگا ہو۔

آپ کی یہ عادت مبارکہ نہ تھی کہ جس بات کی ضرورت نہ ہو بلا وجہ اس میں دخل دیں بلکہ لایعنی کی طرف آپ بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے؛ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر عقل عطاء فرما کر خاص انعام فرمایا تھا۔

آپ مضبوط فکر اور صائب الرائے اور صحیح سوچ کے مالک تھے۔

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ عبادت کثرت سے کیا کرتے؛ اور عامۃ الناس کے ساتھ بہت کم بحث و مباحثہ اور قیل و قال فرماتے تھے، اکثر رات کو کثرت عبادت کی وجہ سے آپ آرام نہ فرماتے تھے اور آپ کی ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور عاجزی و زاری کرتے ہوئے گزرتی تھی۔

امام فضیل بن عیاض:

حضرت امام اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: امام صاحب ایک ایسے فقیہ تھے جو فقہ اور فقاہت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے؛ اور تقویٰ و پرہیزگاری میں یکتائے روزگار ہستی تھے؛ مال میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب وسعت دی تھی؛ اور سخاوت کے اس مرتبہ پر فائز تھے کہ جو شخص بار بار آپ کے پاس مانگنے کے لئے آتا آپ اس پر بھی فضل اور سخاوت فرمانے سے نہ اکتاتے تھے؛ اور حصول علم اور مطالعہ میں اتنے مستقل مزاج کہ رات دن جب دیکھو آپ کا یہی مشغلہ اور مصروفیت ہوتی تھی، اور بہت زیادہ خاموش طبع اور کم گو شخصیت کے مالک تھے۔

## ۵- امام صاحب کا تابعی ہونا:

اس بات پر ائمہ امت کا اجماع ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا تھا؛ جن میں سے خاص طور سے قابل ذکر مندرجہ ذیل صحابہ کرام ہیں:

۱- حضرت انس بن مالک کو بصرہ شہر متعدد بار دیکھا جنکی وفات کا سال ۹۳ ہجری ہے۔ اور اس وقت امام صاحب کی عمر مبارک ۱۳ برس کی تھی؛ اور امام صاحب نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے جو ان کی حدیث کی کتاب جامع المسانید میں تمام صحیح اسناد کے ساتھ منقول اور ہماری تصنیف عشرین لابی حنیفہ میں مذکور ہے فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

۲- حضرت عبداللہ بن ابی اونی کو کوفہ شہر میں دیکھا جنکی وفات ۸۷ھ ہے اس وقت آپ کی عمر مبارک سات برس کی تھی۔

۳- حضرت واثلہ بن الاسقع کو دیکھا جن کی وفات ۸۵ھ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پانچ برس تھی۔

۴- اور سب سے معمر صحابی رسول حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ الدوسی کو مکہ مکرمہ میں کئی بار دیکھا جن کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی، اور اس وقت آپ کی عمر مبارک ۴۰ برس تھی؛ امام صاحب نے اپنی زندگی میں ۵۰ حج ادا فرمائے تھے؛ جن میں غالب قیاس اس بات کا ہے ۲۰ برس امام صاحب نے صحابی رسول ابو طفیل سے ملاقات فرمائی ہوگی۔

اب اگر کوئی مؤرخ اپنی تصنیف میں اس بات کو تذکرہ نہ کرے تو یہ ملاقات کے وقوع میں شک نہیں پیدا کر سکتا، البتہ یوں کہا جائے گا کہ مؤرخ کی رسائی اس بات تک نہ ہو سکی کہ وہ اس بات کو منظر عام پر لانے کے لئے نقل کرتا۔

۵- حضرت جابر بن عبداللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور یہ معروف حضرت

جابر کے علاوہ صحابی تھے اور ان کی وفات امام صاحب کے پیدا ہونے کے بعد ہوئی تھی۔

۶- حضرت عبداللہ بن الحارث بن الجزاء الزبیدی کو ۹۳ ہجری دیکھا اس وقت آپ کی عمر مبارک تیرہ برس تھی اور آپ نے حضرت عبداللہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

قال رسول الله ﷺ من تفقه في دين الله كفاه الله عز وجل

ورزقه من حيث لا يحتسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں دانائی حاصل کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اس کے رزق کا بندوبست ایسے طریقہ اور جگہ سے فرماتے ہیں جہاں سے کوئی گمان بھی نہ کر سکے۔

۷- اور حضرت عمر بن الحریث کی زیارت کی جو ۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

۸- اور حضرت سہل بن سعد الساعدی کی مدینہ طیبہ میں زیارت کی جنکی وفات ۹۸ھ

بمقام مدینہ ہے۔

۹- اور حضرت سائب بن خالد بن سوید کی زیارت کی جو ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰- اور حضرت سائب بن یزید بن سائب کی زیارت کا شرف حاصل کیا جنکی وفات

۹۲ھ میں ہوئی تھی۔

۱۱- اور حضرت محمود بن ربیع کی زیارت فرمائی جو ۹۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔

۱۲- اور حضرت محمود بن لبید کی زیارت کی جنکی وفات ۹۶ ہجری میں ہوئی تھی۔

۱۳- اور حضرت معقل بن یسار کی زیارت کی ہے۔

۱۴- اور حضرت عائشہ بنت عجر کی زیارت اور ان سے حدیث روایت کرنے کا

شرف بھی حاصل کیا۔

اسی بناء پر بعض ائمہ کرام کا کہنا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور ان سے روایات بھی لیں ہیں۔

امام صاحب نے جو روایات صحابہ کرام سے نقل فرمائی ہیں وہ جامع المسانید میں اپنی

تمام اسناد کے ساتھ موجود ہیں جن کی اسناد کی توثیق بھی امام خوارزمی نے وہاں نقل فرمائی ہے؛ اور ملا علی القاری نے امام صاحب کی صحابہ کرام سے نقل کی گئی احادیث پر مشتمل ایک رسالہ الاربعین بھی مرتب فرمائی ہے، اور ہم نے صرف متن کا اعتبار کرتے ہوئے انہی کو عشرین کے نام سے نقل کیا ہے اور انہی کو اگر اسنادی طرق کے ساتھ جمع کیا جائے تو ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے امام صاحب کو علماء تابعین میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ وصف امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے لئے ثابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن ندیم رحمہ اللہ نے اپنی معروف زمانہ تصنیف فہرست میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب تابعین میں سے تھے، اور آپ کی ملاقات کئی صحابہ کرام سے ہوئی تھی، اور امام صاحب بڑے درجہ کے متقی اور پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔

اور ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں ایسی سند کے ساتھ جو درجہ لایا اس بہ میں ہے نقل فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک کو ایسے وقت میں دیکھا تھا کہ ابھی صحابہ کرام کی ایک جماعت بقید حیات تھی۔

اور عظیم محدث امام خوارزمی کا فرمان ہے کہ علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے احادیث روایت کی ہیں، البتہ ان صحابہ کی تعداد میں اختلاف ہے جن کی آپ نے زیارت فرمائی تھی۔

اور اسی لئے قاضی القضاة محمد بن احمد سراج حنفی فرماتے ہیں

أبو حنيفة زين التابعين روي عن جابر؛ وابن جزء؛ والرضي أنس  
ومعقل؛ وحرثي؛ ووائلة و بنت عجرد؛ علم الطيبين قبس  
اور کسی اور امام نے اس کو اردو میں یوں نقل فرمایا ہے:

ابوحنیفہ کی بلند ہے تابعین سے شان  
کیا ہے نقل علم ابن مالک جابر و ابن جزء سے



معقل حریثیؓ وائلہؓ  
اور بنت عجرڈؓ ان میں ہے جن سے لیا علم نبیؐ  
اصحاب کی جماعت سے

۶- امام صاحب کے اساتذہ کرام:

امام اعظم کے اساتذہ کی تعداد کے بارے میں زیادہ اختلاف نہیں بلکہ اکثر ائمہ نے یہ تعداد تین سے چار ہزار مشائخ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بتائی ہے جن سے آپ نے کسب فیض کیا لیکن ایک بات واضح ہے کہ امام اعظم نے جن سے کسب علم و فیض کیا تھا ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علم حدیث کے امام تھے؛ اور آپ نے چار ہزار سے زیادہ ائمہ و تابعین کی جماعت سے علم حدیث کا کسب فیض کیا تھا۔

۷- امام صاحب کے بارے میں ائمہ امت کی آراء:  
امام ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں:

ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس امام سفیان ثوری اور مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور جعفر صادق جیسے عظیم القدر فقہاء کی جماعت آئی، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بحث و مباحثہ شروع کر دیا۔

وہ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ دین کے معاملات میں اپنی رائے کو بڑی ترجیح دیتے ہیں؟ اور اس کے متعلق ہمیں آپ کے بارے میں بڑی پریشانی ہے؟ اور ہم اللہ تعالیٰ سے آپ کے بارے میں بڑا ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی آزمائش میں نہ مبتلا کر دے؟ کیونکہ یہ اپنی رائے کو ترجیح دینے کا طریقہ تو شیطان کا ایجاد کردہ ہے اور آپ کے اس عمل میں شیطان کی اتباع نظر آتی ہے؟

ان کی اس بات پر امام صاحب نے ان سے مناظرہ کیا اور تفصیلی بات چیت کی، جس کا دورانہ جمعہ کے دن صبح سے زوال تک جاری رہا، اور امام اعظم نے ان سب کے سامنے اپنے مذہب کی ساری حقیقت واضح فرمائی کہ ان کے سامنے اپنا طریقہ تحقیق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) میں کسی بات کا حکم معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کو مقدم کرتا ہوں  
(۲) اگر وہاں سے کوئی بات معلوم نہ ہو سکے تو سنت نبویہ کو پیش نظر رکھتا ہوں اور اگر وہاں سے بھی  
بات واضح نہ ہو سکے تو (۲) اس کے بعد صحابہ کرام کے عمل کو دیکھتا ہوں، اور صحابہ کے عمل میں میرا  
طریقہ یہ ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو اس کو مقدم کرتا ہوں اس بات سے جس میں  
ان کا آپس میں کسی معاملے میں اختلاف ہو، اور فرمایا کہ یہ میرا طریقہ قیاس ہے۔

یہ تفصیلی بات سننے کے بعد سب کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور گھٹنے چومے، اور  
سب نے ملکر آپ سے یہ التماس کی کہ آپ علماء کے سردار ہیں، ہمیں وہ ساری باتیں معاف  
فرمانا جو آپ کے بارے میں ہم سے سبقت لسانی ہوئی ہے، کیونکہ وہ سب کچھ بغیر علم کے اور  
سنی سنائی باتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا:

غفر اللہ لنا، و لکم اجمعین

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم سب کو بھی معاف فرمائے آمین!

اور امام قیس بن ربیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسی باتوں کے سب سے  
زیادہ جاننے والے تھے جو تاحال وقوع پذیر نہیں ہوئی ہیں۔

اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ  
علیہ وسلم کی باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والی شخصیت کا نام امام ابوحنیفہ ہے۔

۸- امام صاحب کے تلامذہ:

امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جتنے تلامذہ اور اصحاب کی کثرت امام اعظم کو عنایت فرمائی اتنی اسلام کے  
مشہور ائمہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئے، اور نہ ہی امت کے اکثر لوگ علمی لحاظ سے کسی  
شخصیت سے اتنے مستفید ہوئے ہیں جتنے امام اعظم اور آپ کے اصحاب اور تلامذہ سے علمی  
لحاظ سے مستفید ہوئے ہیں۔

اور اسی لئے امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں:

الناس في الفقه عيال لابي حنيفة رحمة الله عليه  
لوگ علم فقہ میں امام صاحب کے عیال و اولاد کی مانند ہیں

۹- امام صاحب کا زہد اور تقویٰ:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ

امام ابوحنیفہ علم اور ورع، زہد اور آخرت کے معاملات کو دنیا کے معاملات پر ترجیح دینے کے لحاظ سے ایسے مقام پر فائز تھے کہ کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔

امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ:

ليس احد احق من ان يقتدى به من ابي حنيفة لانه كان

اماماً تقياً نقياً ورعاً عالماً فقيهاً:

دنیا میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے؛ کیونکہ وہ

امام تھے، پاک باز تھے، متقی تھے؛ پرہیزگار تھے، عالم تھے، اور فقیہ تھے:

اور امام سفیان ثوری کے پاس جب بھی کوئی آکر یہ کہتا میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے

آیا ہوں تو آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

لقد جئت من اعبد اهل الارض

تو بلاشبہ ایک ایسی ہستی کے پاس سے آیا ہے جو صفحہ ہستی پر سب سے زیادہ عبادت

گزار ہے:

اور امام ولی الدین تبریزی نے فرمایا:

فانه ( ابوحنيفة ) كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً اماماً في

العلوم الشرعية؛

بلاشبہ امام ابوحنیفہ عالم باعمل تھے متقی زہد اور عابد تھے اور تمام علوم شرعیہ میں امامت

کے درجے پر فائز تھے۔

۱۰۔ امام اعظم اور علوم شرعیہ:

امام اعظم ان تمام علوم شرعیہ عقلیہ اور نقلیہ کے عالم تھے جس کی اس زمانے میں ضرورت ہو سکتی تھی، اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے متعدد ائمہ کرام نے جو ارشادات عالیہ فرمائے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

اور امام ولی الدین تبریزی نے فرمایا:

فانه ( ابوحنيفة ) كان عالماً ، عاملاً ، ورعاً ، زاهداً ، عابداً ،

اماماً في العلوم الشرعية

بلاشبہ امام ابوحنیفہ عالم باعمل تھے متقی زاہد اور عابد تھے اور تمام علوم شرعیہ میں امامت

کے درجے پر فائز تھے

امام اعظم کی وسعت علمی کے گن گاتے ہوئے امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

احذر من ان تتوهم من ذلك ان اباحنيفة لم يكن له خبر تامة

بغير الفقه، حاشا لله كان في العلوم الشرعية من التفسير و

الحديث والالالة من العلوم الادبية والمقاييس الحكمية بحراً

لايجارى و اماما لايمارى .

اس بات سے پرہیز کرو کہ تم یوں کہنے لگو کہ امام اعظم کو علوم فقہ کے علاوہ کوئی معلومات

نہ تھیں، ایسا جملہ بھی منہ سے نہ نکالنا، بلکہ آپ علوم شرعیہ میں علوم تفسیر میں علوم حدیث میں تو

امام تھے ہی، لیکن علوم ادبیہ میں علوم قیاسیہ میں اور علوم حکمتیہ میں آپ ایک ایسے بحر بے کراں

تھے کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا اور امامت کے ایسے منصب پر فائز تھے کہ کسی کو اس میں کوئی

شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

اور ابن ندیم نے فرمایا:

العلم براً وبحراً ، شرقاً وغرباً ، قرباً وبعداً من علمه رضى الله

عنه

خشکی اور تری کے، مشرق و مغرب کے، اور دور و نزدیک کے تمام علوم آپ کے جاری کئے ہوئے فیض کا نتیجہ ہیں۔

۱۱- امام اعظم دینی علوم کے پہلے مدون ہیں:

تدوین علوم کے لحاظ سے امام اعظم وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علوم شرعیہ میں نہ صرف علم حدیث علم فقہ اور علم تفسیر اور علم قرأت بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سارے علوم کی بنیاد رکھی تھی، لہذا اس کے بارے میں متعدد ائمہ کرام کے اقوال ہیں جن میں چند ایک بطور نمونہ مندرجہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

صدرالائمہ نے ارشاد فرمایا:

ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ اول من دوّن علم هذه الشریعة لم

یسبقہ احد ممن قبلہ

امام ابو حنیفہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس شریعت اسلامیہ کے مختلف علوم کو سب سے پہلے مدون کیا ہے، اور آپ سے پہلے کسی کو اس بارے میں سبقت نصیب نہیں ہوئی۔

امام ابو الیسر محمد بزدوی فرماتے ہیں:

ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تعلم هذا العلم (الكلام) و كان

یناظر مع المعتزلة، و مع جمیع اهل البدع، و كان یعلم

اصحابہ فی الابتداء، و قد صنّف فیہا کتبا وقع بعضها الینا و

عامتها محابا و غسلها اهل البدع و الزيغ (فی وقاع التاتار حین

غلبوا علی البغداد) و مما وقع الینا کتاب العالم و المتعلم و

کتاب الفقہ الاکبر

امام ابو حنیفہ علم کلام لوگوں کو سکھایا کرتے تھے اور معتزلہ اور تمام اہل بدعت کے ساتھ آپ مناظرے بھی کیا کرتے تھے، اور ابتداء میں اپنے تلامذہ کو اس بات کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے، اور آپ نے بہت ساری کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں جن میں سے بعض تو

ہمیں پہنچ گئیں اور ان میں سے اکثر اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو دیں یا مٹا دیں تھی (شائد یہ واقعہ تاتاریوں کے عراق پر قبضے کے وقت پیش آیا ہو یا اس سے پہلے ایسا ہوا ہو) اور ان کی تصانیف میں سے جو کتابیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں ان میں سے العالم والکامل اور فقہ اکبر ہیں:

امام موفق مکی فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفہ اول من دون علم الشریعة ورتبہ ابو ابا؛  
بلاشبہ امام ابو حنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم شرعیہ کو ابواب کی صورت میں مرتب کیا تھا۔

امام زین بن نجیم فرماتے ہیں:

و لذا انصف الشافعی حیث قال من اراد ان یتبحر فی الفقہ  
فلینظر الی کتب ابی حنیفہ ان لم یکن للامام کتبا فلائی شیء  
یشیر الی الامام الشافعی.

اسی لئے امام شافعی نے انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص علوم فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ امام اعظم کی کتب کا مطالعہ کیا کرے، اور اگر امام اعظم کی کوئی کتاب ہی نہیں تھی تو امام شافعی کس کتاب کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

۱۲- امام اعظم کا امت میں مقام و مرتبہ:

امام زین بن نجیم اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ابن وہبان سے اور وہ امام حرمہ سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وهو (ابو حنیفہ) كالصديق رضى الله تعالى عنه له اجر واجر من  
دون الفقہ، والفہ وفرع احكامه على اصوله الى يوم القيامة؛  
وقال محمد على الرافعی [على حاشيته] وجه شبه بينهما ان كلا  
منهما ابتداءً أمرا لم يسبق اليه، وذلك ان ابا حنیفہ ابتداءً تدوين

الفقه و كان قبله محفوظا في الصدور؛ و ابو بكر رضى الله عنه  
ابتداً بجمع القرآن بعد وفاته صلى الله عليه وسلم بمشورة  
عمر رضى الله عنه؛ وقيل وجه الشبهة بينها ان الصديق اول  
من آمن من الرجال، و ابا حنيفة اول من دون الفقه؛

امام ابو حنیفہ کی مثال حضرت ابو بکر صدیق کی مانند ہے علوم فقہ کا اجر اور اس کی تدوین کا  
اجر آپ کے لئے ہے اور جو شخص اس کی تالیف کرے گا اور قیامت تک جو ان کی فروعاًت پر  
احکامات کو مرتب کرے گا اس کا اجر بھی آپ ہی کو ملے گا،  
اس عبارت پر علامہ رافعی نے حاشیہ میں لکھا ہے:

حضرت ابو بکر صدیق اور امام ابو حنیفہ دونوں میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ آپ دونوں کے  
ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے ایسے کاموں کی ابتدا فرمائی ہے جو کوئی اور نہیں کر سکا، ان میں سے  
ایک تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے علوم فقہ کو مدون کیا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ  
انسانوں کے سینوں میں محفوظ تھی، اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے قرآن کریم کو جمع کرنے  
کی ابتداء فرمائی، اور اس کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات کے  
درمیان مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر آدمیوں میں سب سے پہلے ایمان لائے  
اور امام ابو حنیفہ علم فقہ کو مدون کرنے والے پہلے شخص تھے۔

۱۳- امام اعظم بہت ساری کتب کے مؤلف ہیں:

وقال عبد الله بن المبارك فرماتے ہیں:

كتبْتُ كُتُبَ ابْنِ حَنِيفَةَ غَيْرَ مَرَّةٍ كَلَّمَا كَانَ يَقَعُ فِيهَا زِيَادَاتٌ

فاكتبها

میں نے امام ابو حنیفہ کی کتب کئی مرتبہ تحریر فرمائی تھیں جب بھی اس میں کوئی اضافہ ہوتا  
تھا میں ان کو لکھ لیا کرتا تھا:

وقال محمد بن سماعۃ فرماتے ہیں:

ان للامام ذکر فی تصانیفہ نیفا و سبعین الف حدیث ؛ و انتخب  
الآثار من اربعین الف حدیث

بلاشبہ امام صاحب کی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ احادیث مندرج تھیں اور ان کی  
احادیث میں سے الآثار نامی کتاب چالیس ہزار احادیث پر مشتمل تھی۔  
وقال صدر الائمة المکی فرماتے ہیں:

و انتخب ( ابو حنیفۃ ) الآثار من اربعین الف حدیث ؛ وهو غیر

کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی

امام ابو حنیفہ نے اپنی کتاب الآثار میں چالیس ہزار احادیث نقل فرمائی تھیں اور یہ  
کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی کے علاوہ تھی۔

امام صمیری ابو نعیم سے سند متصل کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

اول من کتب کتب ابی حنیفۃ اسد بن عمیر

پہلا وہ شخص جس نے امام ابو حنیفہ کی کتب لکھی تھیں وہ اسد بن عمیر تھے

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان قلت لیس لابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ کتاب مصنف ؟

قلت: هذا کلام المعتزلة ، ودعواهم انه لیس له فی علم الکلام

تصنیف ، وغرضهم بذالک نفی ان یکون الفقه الاکبر و کتاب

العالم والمتعلم له ، لانه صرح فیہ بأکثر قواعد اهل السنة

والجماعة ، ودعواهم انه کان من المعتزلة ، وذلك الكتاب

لابی حنیفۃ البخاری لاله ، وهذا غلط صریح ؛ فانی رأیت بخط

العلامة مولانا شمس الملة والدين الكردي العمادی هذین

کتابین و کتب فیہا انہما لابی حنیفۃ وقال تواطأ علی ذلك من



المشائخ ، ومن تصانیفه كتاب الوصية لاصحابه في مرض الموت وقد شرح الفقه الاكبر وفي ضمنه وصاياہ.

اگر تو یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف کردہ کوئی کتاب نہیں؟

تو میں جواب میں کہوں گا یہ کلام تو معتزلہ کا ہے، اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے اور ان کی اس بات سے غرض یہ ہوتی ہے وہ امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر اور العالم والمتعلم کی امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کتب میں اہل السنۃ والجماعت کے اکثر اصول وقواعد کو مرتب کیا گیا ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ معتزلہ تھے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ابوحنیفہ بخاری کی تصنیف ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے

کیونکہ میں نے شمس الملتہ والدین علامہ برائقی عمادی (صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ھ ہے۔ ایک معتبر فقیہ اور محدث تھے) کے ہاتھ سے ان دونوں کتابوں پر لکھا ہوا دیکھا تھا کہ یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ کی ہیں اور مشائخ کا اسی بات پر زمانوں سے اتفاق چلا آتا ہے۔ اور امام صاحب کی تصانیف میں سے کتاب الوصیۃ بھی ہے جو آپ نے مرض الوفا میں تحریر فرمائی تھی اور میں نے جو فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے اس کے ضمن میں امام صاحب کی وصایا کی شرح بھی لکھ دی ہے۔

امام ابو الیسر محمد بزدوی اپنی کتاب اصول الدین میں فرماتے ہیں:

وقد صنف ( الامام ) فیہا ( علم الکلام ) کتبا وقع بعضها الینا ، وعامتها محھا وغسلها اهل البدع والزیغ ومما وقع الینا کتاب العالم والمتعلم ؛ و کتاب الفقه الاکبر

آپ نے علم کلام میں بہت ساری کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں جن میں سے بعض تو ہمارے ہاتھ لگ گئی ہیں، اور ان میں سے اکثر اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو دیں یا مٹا دیں تھی اور ان کی تصانیف میں سے جو کتابیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں ان میں سے

العالم والمُتعلّم اور فقہ اکبر ہیں۔

مفتی عبید اللہ فرماتے ہیں:

حکى بعض الثقات اهل العلم صاحب التصانيف عن الامام

الرزنجانى الحنفى انه قال فى شرح البزدوى:

ان الامام ابا حنيفة رحمه الله عليه صنف ۱: كتاب العالم

والمُتعلّم ۲: كتاب الرسالة وهو كتاب بعثه الى عثمان من

اصحابه ۳: وكتاب الفقه الاكبر ۴: وكتاب المقصود فى

(علم) الصرف؛ ويزيد على ذلك، ۵: كتاب الوصايا..... فى

العقائد ۶: والوصية له لامام ابى يوسف التى نقلها صاحب

الاشباه والنظائر تماماً؛

بعض ثقہ اہل علم صاحب تصانیف لوگوں نے امام زرنجانی حنفی سے نقل کیا ہے کہ وہ

شرح بزدوی میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے جو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں ان میں کتاب

العالم والمُتعلّم، کتاب الرسالہ جو آپ نے عثمان بنی کے نام ارسال کیا تھا، اور کتاب فقہ اکبر اور

علم الصرف میں کتاب المقصود، اور بعض اہل علم نے اس کے علاوہ کتاب الوصایا..... علم

عقائد میں، اور وصیت بنام امام ابو یوسف جس کو صاحب الاشباہ والنظائر نے پورا نقل کر لیا

ہے۔

۱۴- امام اعظم کی تالیفات:

امام صاحب کی مختلف علوم میں متعدد تصانیف ہیں جن میں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ

ہیں؛ جیسا کہ معجم المصنفین میں ہے: کہ جان لو کہ امام صاحب کی تصانیف علم کلام میں ہیں

، اور فقہ، حدیث، صرف، وغیرہ میں بے شمار ہیں؛ جسکا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل میں پیش کیا

جاتا ہے

۱- کتاب الآثار: یہ کتاب امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الآثار کے علاوہ ہے۔

۲- الفقہ الاکبر: یہ کتاب امام حماد بن امام اعظم ابو حنیفہ کی روایت سے منقول ہے آج کل ایک طبقہ علماء ایسا ہے جو اس کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ان کا رویہ ہے:

یہ کتاب مطبوع و معروف ہے اس کے متعدد نسخے ہیں جن میں عبارات کے لحاظ سے بہت معمولی سا فرق ہے اور ان میں سے زیادہ بڑا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ ہے جس کو ہم نے حاشیہ میں واضح کر دیا ہے۔

اور اس کی بے شمار شروحات ہیں جن میں بعض بڑے بڑے ائمہ کرام نے لکھی ہیں؛ اس وقت نہ تو اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت اور نہ ہی اس کے امام صاحب کی تصنیف کے اثبات کے بارے میں اس موقع پر بحث کی ضرورت ہے۔

اس مسئلے میں ائمہ کرام کی اراء کا حکم اجماع کا درجہ رکھتا ہے۔

۳- الفقہ الاکبر یا الفقہ الاوسط: یہ رسالہ امام ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے (اور اصل میں یہ کتاب 'فقہ الاوسط' ہے اور اس رسالہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مکالمہ ہے جو امام صاحب اور آپ کے تلمیذ ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی کے درمیان ہوا تھا؛ اور اس زمانے کے طریق تعلیم میں سے ایک طریقہ تعلیم تھا؛ جس کو بعد میں مدون شکل میں پیش کر دیا گیا تھا۔

۴- کتاب الرد علی القدریہ: یہ رسالہ تاحال غیر مطبوعہ شکل میں ہے؛ اور بعض ائمہ کا اس کے بارے میں کہنا یہ ہے کہ یہ الفقہ الاوسط کا ہی دوسرا نام ہے۔

۵- العالم والمتعلم: اس کتاب کے راوی اور بطور متعلم پیش ہونے والی شخصیت کا نام ابو مقاتل حفص بن سلیمان سمرقندی ہیں۔

۶- کتاب الوصیة: یہ عام مسلمانوں کے لئے آپ نے اپنے آخر وقت میں تحریر فرمایا تھا۔

۷- الوصیة: یہ آپ نے امام ابو یوسف المتوفی: ۱۸۲ کے نام تحریر فرمایا تھا مشہور اور مطبوع اور متداول ہے۔

۸- الوصیة: یہ رسالہ امام صاحب نے اپنے شاگرد امام یوسف بن خالد سمتی متوفی: ۱۸۹؛ کے نام تحریر فرمایا تھا مطبوع

۹- الوصیة : جو آپ نے اپنے تمام بڑے احباب کے نام تحریر فرمائی تھی  
۱۰- الوصیة

۱۱- الرسالة: الی نوح بن مریم الجامع

۱۲- الرسالة : یہ رسالہ امام صاحب نے اپنے شاگرد عثمان بنی کے نام تحریر فرمایا اور اس میں مسئلہ الارحاء کی تحقیق فرمائی، اور جو امام صاحب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ مرجیہ تھے اور آپ نے بذات خود اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۳- کتاب فی اختلاف الصحابة

۱۴- کتاب الجامع

۱۵- کتاب المخارج فی المیراث

۱۶- کتاب الفرائض : امام خوارزمی کے بقول علم الفرائض میں یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو آپ نے تصنیف فرمائی تھی۔

۱۷- کتاب الشروط : اس سے پہلے کوئی کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی

۱۸- کتاب الصلاة : اس کتاب کا نام کتاب العروس بھی ہے۔

۱۹- کتاب الرأي : یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اصول فقہ میں لکھی گئی تھی، اس کا نام کتاب الرأے تھا اسی وجہ سے احناف 'اہل الرأے' بھی کہتے ہیں

۲۰- کتاب الرهن

۲۱- کتاب الرد علی الاوزاعی

۲۲- کتاب الحج : (او کتاب المناسک) یہ کتاب آپ نے امام سفیان ثوری کے التماس پر ان کے لئے لکھی تھی۔

۲۳- کتاب : فی ان الله فی السماء دون الارض

۲۴- احکام من المکاتب

۲۵- المقصود : یہ کتاب علم الصرف میں سب سے پہلی تصنیف ہے اور اس کی متعدد

شروحات ہیں، یہ کتاب ترکی اور پاکستان اور مصر و ایران سے طبع ہو چکی ہے۔

۲۶ - کتاب الاوسط

امام صاحب احادیث مبارکہ کے متعدد نسخوں کے مصنف تھے جن کی تفصیل مندرجہ

ذیل میں ہے:

اور اسی بناء پر شیخ ابوزہرہ مصری کا کہنا ہے کہ:

اس بات پر کوئی ان کار کی گنجائش نہیں کہ امام صاحب سے احادیث کے کئی نسخے منقول

ہیں جو آپ کی مسانید ہیں:

(۱) مسند کلاعی : مؤلفہ احمد بن محمد بن خالد بن خلی و ہبی ، ابو

بکر کلاعی

(۲) مسند اصفہانی : مؤلفہ امام حافظ احمد بن عبد اللہ بن احمد ابو نعیم

اصفہانی متوفی ۳۰۲ھ

(۳) مسند لؤلوی : مؤلفہ امام حافظ حسن بن زیاد ابو علی لؤلوی کوفی

متوفی ۲۰۴ھ

(۴) مسند نعمانی : مؤلفہ امام ، حافظ ، ثقہ ، زاہد ، حماد بن ابی حنیفہ نعمان

بن ثابت متوفی ۱۷۰ھ

(۵) مسند بخاری : مؤلفہ امام ، حافظ ، عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن

حارثی ابو محمد بخاری ، معروف عبد اللہ الاستاذ ، متوفی : ۳۴۰ھ

(۶) مسند جرجانی : مؤلفہ امام ، حافظ ، صاحب جرح و تعدیل ، عبد اللہ بن

عدی ابو احمد جرجانی

(۷) جامع سفدی : مؤلفہ امام ، حافظ ، عبد اللہ بن محمد بن ابی عوام ،

ابو قاسم سفدی متوفی ۳۴۰ھ

(۸) مسند اشنانی : مؤلفہ امام ، حافظ ، عمر بن حسن اشنانی

(۹) مسند مظفر: مؤلفہ امام، حافظ، محمد بن مظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد ابو الخیر متوفی ۵۳۷ھ

(۱۰) مسند باقی: مؤلفہ امام، ثقہ، عدل، محمد بن عبد الباقي بن محمد ابن کعب بن مالک الانصاری؛ مؤلفہ ابوبکر المعروف قاضی مارستان؛ متوفی ۵۳۵ھ

(۱۱) مسند بلخی: مؤلفہ امام، حافظ، محمد بن حسین بن محمد الخسر؛ و ابو عبد اللہ سمسار حنفی بلخی متوفی ۵۷۶ھ

(۱۲) الجامع؛ مؤلفہ امام الحافظ محمد بن الحسن ابو عبد اللہ

(۱۳) مسند شیبانی: مؤلفہ محمد بن الحسن شیبانی؛ متوفی ۱۸۹ھ

(۱۴) کتاب الآثار: مؤلفہ امام، حافظ، فقیہ، محمد بن الحسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ

اور امام محمد کی معروف علم فقہ کی تصانیف میں سے: مبسوط؛ زیادات؛ زیادات الزیادات؛ جامع صغیر؛ جامع کبیر؛ سیر صغیر؛ سیر کبیر؛

اور یہ چھ کتب ہیں جو فقہ حنفی کے اصول اور امہات میں شمار ہوتی ہیں؛ اور چار کتابیں رقیات؛ جرجانیات؛ ہارونیات؛ کیسانیات؛ فقہ حنفی کی فروع میں سے ہیں

(۱۵) مسند یعقوبی: مؤلفہ امام، حافظ، قاضی، یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف انصاری متوفی ۱۸۳ھ

(۱۶) مسند مقری: مؤلفہ حافظ ابو بکر بن مقری

(۱۷) مسند بکری: مؤلفہ حافظ ابو علی البکری (اور یہ آپ کی سب سے آخری مسند ہے۔

۱۶- امام اعظم کی وفات:

امام صاحب کی وفات کے بارے میں ائمہ تاریخ نے چار مختلف روایات نقل کی ہیں

ان میں سے پہلی روایت یہ ہے کہ امام صاحب قید میں بند تھے اور اسی قید کی تنگی کی وجہ سے جان جان آفریں کے سپرد کی اور دنیا کے باسیوں کو بے بس چھوڑ گئے۔

دوم روایت یہ ہے کہ منصور نے امام صاحب کو قید سے آزاد کر کے اپنے پاس محل میں قیام پر مجبور کر دیا اور کسی بھی شخص سے ملاقات پر پابندی عائد کر دی تھی اور اس طرح امام صاحب قید نما آزادی میں انتقال کر گئے۔

سوم روایت یہ ہے کہ منصور نے چاہا کہ آپ سے جلدی جان چھڑائے تو آپ کو دوران قید زہر پلا دیا اسی سے آپ کی وفات ہوئی؛ یہ رائے مؤرخین کے ہاں زیادہ مشہور اور اکثر لوگوں کا خیال بھی اسی رائے کی طرف ہے۔

چہارم روایت یہ ہے کہ امام صاحب کا منصور سے اختلاف ہوا تھا جس پر بعد میں مصالحت ہو گئی تھی اور امام صاحب اپنی باعزت طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اس پر سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد آپ شرف و احترام کے ساتھ منصور کی بیٹی کے نام پر موسوم خلیفہ کا ذاتی قبرستان خیزران میں دفن کئے گئے؛ اور میراگمان غالب یہ ہے کہ یہ رائے درست ہے کیونکہ امام صاحب نے علم عقائد پر مشتمل ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا جو امام صاحب نے اپنی مرض وفات میں تحریر فرمایا تھا اور اس وصیت نامے کی ابتدا میں اس بات کی وضاحت موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب امام صاحب پندرہ شعبان کی شب ۱۵۰ھ میں اس دار فانی راہی ملک عدم ہوئے اور بغداد کے معروف 'خیزران' نامی قبرستان میں دفن کئے گئے؛ اور وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۶۰ یا بعض روایات کے مطابق نوے برس تھی؛ اور آپ کی قبر مبارک آج بھی بغداد کے محلہ اعظمیہ میں مرجع خاص و عام ہے۔

## باب دوم:

شیخ الفقہاء، ابواسماعیل بن الامام ابوحنیفہ،

امام حماد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

کے مختصر حالات زندگی

امام حماد کا نام و نسب:

آپ کا اسم گرامی 'حماد' والد کا نام 'ابوحنیفہ نعمان' دادا کا نام 'ثابت' تھا، اور آپ کی کنیت ابواسماعیل تھی۔ اور آپ کی ولادت کے بارے میں وثوق سے کچھ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، آپ کے خاندان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بن تیم اللہ بن ثعلبہ کے موالی میں سے تھے، لیکن آپ کے بیٹے امام اسماعیل کا کہنا ہے کہ ہمارے خاندان میں کبھی غلامی داخل نہیں ہوئی ہے۔

آپ کا حصول علم:

آپ نے زیادہ تر علم اپنے والد مکرم حضرت امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا اور انہی سے تفقہ فی الدین کی منازل طے فرمائیں اور ان کی حیات میں ہی مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے۔

آپ کی تعلیم و تربیت:

آپ فقہاء کی صفوں میں امام اعظم کے بڑے تلامذہ امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفر اور حسن بن زیاد کے طبقے میں شمار کئے جاتے تھے۔

اور آپ بڑے اعلیٰ درجے کے زاہد و عابد تھے، اور آپ کا شمار اپنے وقت کے معروف



اہل زہد میں ہوتا تھا، اسی لئے آپ کی جلالت شان پر تبصرہ کرتے ہوئے امام کروری فرماتے ہیں:

ان الغالب علی حماد ، الدین والورع والفقہ و کتابۃ الحدیث

المناقب: ۲۱۲ ج ۲

کہ امام حماد پر علم دین، وتقویٰ، علم فقہ کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کے شوق کا اچھا خاصا غلبہ تھا۔

اور اسی بات کو مؤرخ کبیر علامہ صمیری رحمہ اللہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

و کان الغالب علیہ الدین والورع والزهد مع علم بالفقہ و کتابۃ

الحدیث (اخبار ابی حنیفہ: ۱۵۱)

کہ امام حماد کے مزاج میں علم دین، وتقویٰ و پرہیزگاری اور علم فقہ کے حصول کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کے شوق کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔

واضح ہو کہ اس زمانے میں علم دین سے مراد علم توحید یا اصول الدین یا علم عقائد مراد لئے جاتے تھے یہ تینوں ایک ہی علم کے نام ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف استعمال ہوتے رہے ہیں۔

آپ کی اولاد و امجاد:

امام حماد کے اولاد میں کل چار بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے امام اسماعیل تھے اور آپ کی وجہ سے ہی امام حماد اپنی کنیت ابو اسماعیل کرتے تھے، اور باقی بیٹوں کے اسمائے گرامی امام ابو حیان، امام عمر اور امام عثمان تھے اور یہ سبھی بیٹے اپنے وقت کے علمائے اعلام میں شمار کئے جاتے تھے اور سبھی سے اللہ تعالیٰ نے علم دین کی اشاعت اور اپنے والد کے فیوضات کو عام کرنے والے باخلف جانشین ثابت ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب سے دین کی اشاعت کا خوب کام لیا تھا۔

آپ کی تعلیم و اشاعت دین کی کوششیں:

امام حماد کے معروف تلامذہ میں آپ کا حقیقی بیٹا اسماعیل بھی شامل ہے علاوہ ازیں کثیر جماعت علماء نے آپ سے حصول علم کے ساتھ کسب فیض فرمایا تھا۔

امام حماد کی عملی زندگی بھر پور انداز کی تھی اس لئے کوئی بد مذہب آپ کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور اگر ایک بار کوئی شخص اس قسم کی جرأت کا مظاہرہ کر لیتا تو آپ اس کی خوب اور بروقت خبر لیا کرتے تھے، آپ کی عملی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے بشر بن ولید فرماتے ہیں:

کان حماد شدیداً علی اهل الهواء ، یکسر علیہم اقاویلہم ،  
ویحتج علیہم بحجج ، لم یکن تیسر ذلک لحذاق المتکلمین

(مناقب کردری: ۲۱۲ ج ۲)

امام حماد اہل ہوا کی مخالفت اور ان کی خبر لینے میں بڑے مستعد تھے اور ان کی طرف سے کئے جانے والے مشکل سے مشکل اعتراضات کا چٹکیوں میں جواب دے دیا کرتے تھے ، اور ان کی مخالفت میں ایسے دلائل قائم کیا کرتے تھے جو علم کلام کے بڑے سے بڑے ماہرین کے لئے بھی ان سوالات کا جواب دینا آسان نہ ہوتا تھا۔

آپ کی عملی زندگی:

امام حماد اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد عملی زندگی میں اپنے علوم فقہ کی مہارت کی بناء پر مسند قضاء پر فائز کر دئے گئے تھے لہذا دوران قضاء آپ اپنی فقاہت کے خوب جوہر جگاتے رہے تھے اور یوں اس میدان میں آپ کی دن دو گنی اور رات چو گنی ترقی ہوتی چلی گئی۔

اسی لئے محمد بن مروان خفاف فرماتے ہیں:

استقضى حماد علی الکوفة بعد قاسم بن معن ، ثم علی بغداد  
کلها ، ثم علی البصرة ، فلم یزل علی ذلک حتی أصابه الفالج ،  
فاستأذن فی الانصراف فأذن له .

امام حماد کو امام قاسم بن معن کی وفات کے بعد پہلے تو کوفہ کا قاضی مقرر کیا گیا اور اس کے بعد آپ کو سارے بغداد کا قاضی مقرر کر دیا گیا، اس کے بعد بصرہ کا قاضی بھی انکو مقرر کر دیا گیا، اور آپ اسی منصب پر فائز ہو کر عدل و انصاف کے فیصلے فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ پر فالج کا حملہ ہوا، جس کی بناء پر آپ نے مسند قضائت سے معذرت چاہی جو قبول کر لی گئی، اور یوں آپ نے ریٹائرڈ ہونے کا فیصلہ فرمایا۔

امام حماد اور ائمہ جرح و تعدیل:

ائمہ حدیث کے ہاں علمائے احناف کے خلاف شروع سے ایک خاص قسم کا عناد پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے تمام ائمہ رجال کی کتب میں امام اعظم سمیت بڑے بڑے ائمہ اعلام پر لایعنی اور مبہم قسم کی جرح و قدح کو بھی روارکھا گیا ہے، اسی طرح علم حدیث کی معروف کتب میں احناف کے ائمہ حدیث سے روایت نقل کرنے میں جس کنجوسی کا مظاہرہ کیا گیا ہے شائد ہی تاریخ کے صفحات میں اس طرح کا ماحول کسی اور اہل علم کے طبقہ کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔

میری ان باتوں سے ہو سکتا ہے بعض اہل علم کو ناگواری محسوس ہو کہ میں بڑے اعلیٰ درجے کے لوگوں پر تنقید کر رہا ہوں، لیکن واللہ العظیم ان باتوں سے کسی شخص پر تنقید یا تنقیص مقصود نہیں بلکہ حقیقت حال سے نقاب کشائی مطلوب ہے، اس سلسلے میں سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ طبقہ احناف کے سرخیل امام اعظم بذات خود اس قسم کی جرح و قدح سے محفوظ نہ رہ سکے کجا یہ کہ امام اعظم کے صاحبزادے امام حماد اس سے بچ جاتے؟

ذیل میں پیش کئے جانے والے پیرا گراف میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام ابن ابی حاتم نے کہنے کو تو انصاف کا خون کرنے کی غرض سے امام حماد کو اپنی کتاب 'جرح تعدیل' میں نقل کرنا اپنی مہارت علمی کا ایک حصہ سمجھا، لیکن بعد میں ان پر جرح کرنے کے لئے کوئی ایک لفظ بھی میسر نہیں آسکا؟ بھلا کوئی پوچھے کہ حضرت آپ کو اتنی دور کی کوڑی لانے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی؟

عجیب بالائے عجب یہ کہ امام اعظم جیسے نابغہ روزگار ہستی کے صاحبزادے اور امام وقت امام حماد کی توثیق کے لئے بھی ابن ابی حاتم وغیرہم کی سند چاہئے؟ کس قدر تعجب ہے؟ اور اسی جرح و قدح کے باب میں شیخ عبدالرحمن النخعیس اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں امام حماد پر جرح و قدح نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هو حماد بن ابی حنیفة النعمان بن ثابت الکوفی ، قال عنه ابن خلکان : ( انه کان علی مذهب ابیہ ، وانه کان صالحاً خيراً ) و ذکرہ ابن ابی حاتم ، فی الجرح والتعدیل ، ولم یذکر فیہ جرحاً ، و ذکر ابن عدی فی الکامل ، فقال عنه : ( لا اعلم له رواية مستوية ) وقال عنه الذہبی فی المیزان : ( ضعفه ابن عدی وغیره من قبل حفظہ ) ( اصول الدین : ۱۱۸ )

امام حماد بن ابوحنیفہ کوئی وہ شخصیت جن کے بارے میں ابن خلکان نے کہا ہے: وہ اپنے والد ابوحنیفہ کے مذہب پر کاربند تھے، اور آپ بہت صالح مزاج اور لوگوں کے بہت خیر خواہ تھے، ابن ابی حاتم نے جرح و تعدیل میں آپ کا تذکرہ کیا ہے لیکن آپ کے بارے میں کوئی جرح نقل نہیں کی۔ اور ابن عدی نے الکامل میں آپ کے بارے میں کہا ہے کہ میں نے آپ کے لئے کوئی ایسی روایت نہیں دیکھی جس سے آپ کی بلندی شان ثابت ہو سکتی ہو، اور علامہ ذہبی نے میزان میں آپ کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو از روئے نقل روایت کے ابن عدی نے حافظے کے لحاظ سے ضعیف کہا ہے۔

مولانا احمد رضا بجنوری نے انوار الباری میں ائمہ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے امام حماد کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے کہ امام حماد جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ آپ: ”محدث فقیہ اور بڑے زاہد و عابد تھے، حدیث و فقہ میں آپ کے بڑے استاذ خود امام اعظم تھے، اور امام صاحب کی زندگی ہی میں بوجہ کمال مہارت، فتویٰ دینا شرع کر دیا تھا، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ کے طبقے میں تھے، اور تدوین فقہ میں

شریک رہے، امام صاحب کی وفات پر ان کی ساری امانتیں (جن میں ان لوگوں کی بھی تھیں جو مفقود تھے) قاضی شہر کے سپرد کر دیں، قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ بڑے امین ہیں، خود اپنے پاس رہنے دیں، مگر آپ نے اس بار کو پسند نہ کیا، آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل نے بھی حدیث و فقہ حاصل کی، اور وہ بھی بڑے عالم ہوئے، حضرت قاسم بن معن کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے (حدائق) پھر سارے بغداد کے، پھر بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے، مرض فالج سے معذور ہو کر استعفیٰ دیدیا تھا،

علامہ صمیری نے ذکر کیا ہے کہ امام حماد پر دین، فقہ اور ورع غالب تھا، اور اکثر مشغلہ کتابت حدیث تھا، حسن بن قحطبہ نے امام اعظم کے پاس ایک ہزار روپیہ امانت رکھے، کسی نے امام صاحب سے کہا کہ آپ امانتیں کیوں رکھتے ہیں؟ ان کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں، فرمایا: جس کا بیٹا حماد جیسا ہو اس کو امانت رکھنے میں کوئی حرج نہیں، امام صاحب کی وفات کے بعد حسن آئے، اور امانت طلب کی، حماد نے خزانہ کی کوٹھری کھول کر علامت سے متعین کر کے کہا، اپنی امانت اٹھا لو، حسن نے کہا: آپ اب اپنے پاس رہنے دیں، حماد نے ان کا ر کیا، وہ کہنے لگے کہ آپ کے والد تو امانتیں قبول کر لیتے تھے آپ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: کہ ابا جان کو اپنے بیٹے پر اعتماد تھا، مجھے اپنے بیٹے پر نہیں ہے۔

شریک بن الولید کا بیان ہے: کہ حماد اہل ہواء و بدعت کے مقابلہ میں بہت تشدد تھے، ان کے دلائل توڑتے اور حق کی حمایت میں ایسے پختہ دلائل قائم کرتے تھے جو بڑے بڑے حاذق اہل کلام کو بھی نہ سوجھتے تھے۔ (تذکرہ محدثین: ۱۷۱ جلد اول)

امام حماد پر الزام بازی:

علم فقہ و علم عقائد میں آپ اپنے والد مکرم حضرت امام اعظم کے طریقے پر چلتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جو الزامات حضرت امام اعظم کے سر تھوپے گئے تھے وہ سارے کے سارے من وعن امام حماد کے سر بھی تھوپ دئے گئے اور اہل تحقیق میں سے کسی نے اتنی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ کچھ جستجوئے حق کی خاطر معلوم کر لیں کہ جس شخصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد اہل اسلام میں سب سے زیادہ اتباع کی جا رہی ہے، اس کے بارے میں جو باتیں عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں ان کو نقل کر کے صداقت کا خون کرنے کی بجائے ان کی اصل حقیقت ہی معلوم کر لی جائے لیکن بعض غیر ذمہ دار علماء نے ان باتوں کو ثواب سمجھ کر اس طرح نقل کرنا ضروری سمجھا جیسے اس قسم کی باتیں لوگوں میں پھیلانے اور آگے سے آگے بیان کرنے میں ان کے لئے کوئی خاص جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، امام حماد پر عموماً دو الزام لگائے گئے ہیں:

پہلا یہ کہ آپ کا تعلق فرقہ مرجیہ سے تھا؟

دوسرا یہ کہ آپ مسئلہ خلق قرآن کے قائل تھے؟

پہلے الزام کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح امام اعظم پر الزام لگایا گیا ابو منطیج بلخی پر الزام لگایا گیا اسی طرح ان پر بھی لگایا گیا ورنہ مسئلہ ارجاء کے بارے میں ان کی رائے امام اعظم سے مختلف نہیں تھی، اور اس کی اصل حقیقت جاننے کے لئے امام اعظم کا وہ خط جو انہوں نے عثمان بنی کے نام تحریر فرمایا ہے اور اس میں مسئلہ ارجاء کی حقیقت اور آپ پر الزام لگائے جانے اور اس کے جواب میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

اور رہا مسئلہ خلق قرآن کا اس مسئلے کے بارے میں بھی آپ کا موقف بڑا واضح تھا۔ آپ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے لحاظ سے مخلوق نہیں مانتے تھے البتہ وہ مواد جن کے ساتھ قرآن کی مادی شکل بنتی تھی مثلاً کاغذ، سیاہی، جلد، چھپائی وغیرہ اس کو مخلوق مانتے تھے اور یہ بات مبنی بر حقیقت ہے، اس لئے کہ جو چیز قدیم ذات سے وابستہ ہے وہ قدیم ہے کسی صورت میں مخلوق نہیں ہو سکتی اور جو چیز حادث اشیاء پر مبنی ہو وہ حادث اور مخلوق ہے بس کاغذ سیاہی وغیرہ قسم اشیاء کی ایک وقت تھا کہ کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ معدوم تھیں اور بعد میں انکو پیدا کیا گیا اور عنقریب ایک وقت آئے گا جب وہ دوبارہ عدم کے پردے میں معدوم اور ختم ہو جائیں گی۔

امام حماد کی تصانیف:

امام حماد نے امام اعظم سے متعدد کتب روایت کی ہیں اور متعدد کتب کے مصنف آپ بذات خود تھے:

- (۱) پہلی کتاب جو امام اعظم سے آپ نے روایت کی ہے وہ مسند امام ابوحنیفہ ہے جو ابھی تک مطبوع نہیں بلکہ مخطوط شکل میں ہے اور دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہے اور ترکی میں محفوظ ایک قلمی نسخے کا فوٹو کاپی شدہ نسخہ بندہ کے پاس بھی محفوظ ہے
- (۲) امام اعظم کی اہم ترین کتاب فقہ اکبر ہے جس کی روایت امام حماد نے اپنے والد امام اعظم سے روایت فرمائی ہے۔

یہ وہی فقہ اکبر ہے جس کو امام اعظم سے امام حماد نے روایت کیا ہے اور ملا علی قاری کی شرح والے نسخے کے نام سے معروف ہے: اور

- (۱) سب سے معروف شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے جو معروف و متداول ہے، اس میں علامہ کا مزاج یہ ہے کہ عقائد کے مسائل میں دلائل منقولیہ کے ساتھ ساتھ بعض جگہ مسائل عقلیہ کو بھی مسائل بیان کرنے میں استعمال کیا گیا ہے۔

- (۲) ایک شرح علامہ ابوالمنتمی نے لکھی ہے جس کی عبارت مختصر اور مسائل متفق علیہ اور ماتریدی منہج کے ترجمان ہے، اور یہ ایک انتہائی مفید شرح ہے جو علماء کے کے طبقہ میں اور خاص طور سے علمائے احناف کے ہاں دوسرے درجے کی مقبولیت کی حامل ہے اور اس کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

- (۳) ایک شرح بنام ”القول الفصل شرح فقہ اکبر“ محی الدین محمد بن بہاء الدین ہے اس کی زبان فلسفیانہ اور مسائل دقیق اور مشکل ہیں بحمد اللہ ترکی سے ۱۹۸۵ء سے پہلے کی طبع ہو رہی ہے۔

- (۴) ایک شرح نور العظم کے نام سے افغانستان کے علاقے میں مطبوع اور معروف ہے انتہائی مختصر اور جامع شرح ہے جو بچوں کو زبانی یاد کروانے کا عام رواج ہے۔

(۵) ایک شرح دکتور محمد عبدالرحمن النخیس نے لکھی ہے جس میں بعض الفاظ کی بنا پر اس کے متن میں الحاقات کا دعویٰ کیا گیا ہے اور ہم نے اپنی شرح میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے اجمالی طور پر ایک مفید شرح ہے وزارت اوقاف سعودیہ نے اس کو طبع کروا کر تقسیم کیا، انتہائی مفید رسالہ ہے مختلف فصلوں میں تقسیم کر کے ہر فصل کے آخر میں سوالات بطور مناقشہ لکھے گئے ہیں۔

(۶) ایک فارسی زبان میں شرح ہے جس کے مصنف کا نام مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی ہے اور اس کو الرحیم اکیڈمی کراچی نے شائع کر دیا ہے، یہ مختصر اور انتہائی مفید شرح ہے۔  
(۷) ایک شرح سید امیر علی نے عین الہدایہ کے شروع میں کی ہے وہ انتہائی مفید ہے اس کو اگر اردو میں نئے انداز میں دوبارہ طبع کر دیا جائے تو اس کا فائدہ کئی گنا زیادہ ہو جائے گا۔

(۸) ایک ترجمہ صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ نے کیا ہے جو انتہائی مفید زبان سادہ ہے مطبوعہ ہے اور عام دریافت ہو جاتی ہے۔

(۹) ایک ترجمہ فارسی زبان میں خواجہ فرید الدین گنج شکر نے پاک پٹن میں زیارت کی غرض سے آنے کے دوران وہاں کے سالکین کے التماس پر کیا تھا اور اس کا اردو ترجمہ مکتبہ اخلاص نے شائع کیا ہوا ہے بہت مفید ہے

(۱۰) اس کا ایک انگریزی ترجمہ مولانا محمد بن یحییٰ نینوی کا ہے جو متن کے ساتھ کیا گیا ہے اور بہت مفید ہے

(۱۱) ایک انگریزی ترجمہ جو اس موضوع پر پہلا ترجمہ تھا پروفیسر الگور کا ترجمہ ہے

(۱۲) دو وصیتیں بھی آپ نے امام اعظم سے روایت کی ہیں

(۱) ایک وصیت تو وہ ہے جو امام صاحب سے امام حماد نے روایت کی ہے اور امام صاحب نے امت کے تمام افراد کے نام فرمائی تھی اور اس میں کل بارہ باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اس رسالے کے ابتداء میں اسی کے بارے میں امام صاحب کا فرمان ہے کہ جو کوئی شخص



ان بارہ باتوں کو اپنے پیش نظر رکھے گا وہ کبھی اہل بدعت میں سے نہیں ہو سکتا اور وہ شخص قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ضرور مستحق ہوگا، یہ کتاب علامات اہل السنّت کے نام سے جمعیتہ پہلی کیشنز، لاہور نے شائع کر دے ہے۔

(۲) دوسری جو خاص طور سے امام اعظم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی جس میں پانچ احادیث پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی جو انہوں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چن کر آپ کے لئے انتخاب فرمائی تھیں، یہ دونوں وصیتیں ہماری کتاب امام اعظم کی وصیتیں میں منقول ہیں۔

آپ کی وفات ۱۷۶ ہجری میں ہوئی..... خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را!

## امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے حالات و افکار

نام و نسب اور ولادت:

آپ کا اسم گرامی: حکم، والد کا نام عبداللہ، کنیت ابو مطیع، ولادت ۱۱۵ھ، وفات ۱۹۸ھ بمقام بلخ ہوئی، آپ کا مشہور علمی نام ابو مطیع بلخی تھا۔

امام ابو مطیع نے امام صاحب سے الفقہ الاہل سنت روایت کی ہے جو اس کتاب کا اصل نام ہے مگر موضوع کے عام ہونے کی وجہ سے اس کو بھی علماء کے طبقے میں الفقہ الاکبر کہا جانے لگا؛ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب سے جب ان کی لکھی ہوئی کتاب الفقہ الاکبر کا ان کی موجودگی میں ابو مطیع بلخی نے مطالعہ کیا تو اس دوران اس کتاب کے مضامین پر پیدا ہونے والے سوالات اور امام اعظم کی طرف سے دئے گئے ان کے جوابات کو یک جا کر لیا گیا تھا، اور اس کو بھی الفقہ الاکبر کہا جانے لگا۔

دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ اگر فقہ اکبر کے مضامین کو بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں اجمال ہے؛ اور ابو مطیع اسی اجمال کی تفصیل امام صاحب سے طلب کرتے اور تحریر میں لے آتے ہیں؛ گویا دونوں میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اسی لئے ہم نے اپنی تصنیف مجموعہ فقہ اکبر اردو میں امام صاحب کی علم کلام پر تمام تصانیف کو جمع کر دیا ہے اور نیز آپ کے ہاتھ میں موجود نسخے میں بھی دونوں فقہ اکبر موجود ہیں؛ اور اسی طرح یہ دونوں کتابیں ہماری تالیفات:

(۱) : المتون المعبرة ، اور (۲) : مجموعة الفقہ الاکبر عربی

میں بھی یک جا کسی بھی بڑے مکتبہ سے مل سکتی ہیں؛ ان میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے اساتذہ کرام:

امام صاحب سے فقہت اور علم حاصل کیا اور ان سے روایت حدیث بھی کی، امام صاحب کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مالک بن انس، ابی عون، ہشام بن حسان، سفیان ثوری، ابراہیم بن طہمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کے معروف تلامذہ:

امام ابو مطیع بلخی کے تلامذہ کی تعداد ویسے تو شمار سے باہر ہے لیکن ان میں سے: احمد بن منیع، ابو جعفر رازی، محمد بن مقاتل، موسیٰ بن نصیر، نصیر بن یحییٰ وغیرہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور زمانے نے آپ سے علم فقہ حاصل کیا اور امام عبداللہ بن مبارک آپ کے دین میں کمال اور علم میں رسوخ کی وجہ سے بڑی تعظیم کیا کرتے تھے، اور یہ وہ زمانہ ہے جب دین یا علم دین لفظ بول کر اس سے علم عقائد مراد لی جاتی تھی۔  
اور ایک لمبے زمانے تک آپ صوبہ بلخ کے قاضی رہے تھے۔

ابو مطیع بلخی پر تنقید کی نوعیت:

امام ابو مطیع بلخی امام صاحب سے حدیث روایت کرنے والے معروف راویوں میں سے ایک ہیں اور ائمہ جرح و تعدیل نے آپ کے القابات اور آپ کا مقام: حافظ، فقیہ، ثقہ، صالح للحدیث، کے القاب سے بیان کیا ہے؛ اگرچہ بعض لوگوں نے آپ پر مرجیہ ہونے کا الزام بھی لگایا ہے؛ مگر ان کا ایسا الزام بلا وجہ کے تعصب اور حقیقت سے بہت دور ہے؛ اور اس الزام کی حقیقت صرف اور صرف یہ تھی کہ آپ کا امام اعظم کے ساتھ گہرا اور علمی تعلق ہونا تھا، اور ایسا ہی الزام امام اعظم پر بھی ان کی زندگی میں لگایا جا چکا تھا جیسا کہ ہم مجموعہ عقائد امام اعظم نامی کتاب میں اس بات کی مکمل وضاحت کریں گے اور اسی الزام کی بناء پر چونکہ ابو مطیع ہی نہیں بلکہ جس عالم دین کے امام اعظم کے ساتھ علمی تعلقات تھے ان سب پر صرف

اور صرف ان تعلقات کی وجہ سے الزام لگایا گیا ہے۔

لیکن جن احباب نے امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر کے راوی امام ابو مطیع بلخی پر کی ہے ان کی اس جرح کا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس جرح کی بناء پر کوئی اعتبار نہیں کہ فقہ اکبر کے امام ابو مطیع کی تصنیف ہونے سے ان کا رد یا جائے بلکہ مؤرخین نے جو ابو مطیع کے لئے اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہے صاحب الفقہ الاکبر اور اس کا متبادر و معروف معنی یہ ہے کہ وہ امام ابو مطیع ہی ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب ابو مطیع بلخی کی ہی تالیف ہو، اور جن لوگوں نے اس کتاب کے ابو مطیع کی تصنیف ہونے میں شک کا اظہار کیا ہے ان کے دلائل میں کوئی خاص اور قابل اعتماد وزن نہیں ہے،

امام ابو مطیع بلخی پر الزامات کی چارج شیٹ:

قارئین کی سہولت کے لئے تاکہ ان کے ذہنوں میں یہ اشتباہ نہ رہ جائے کہ ابو مطیع پر کس قسم کے الزامات لگائے گئے تھے، اس بات کی وضاحت اس لئے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور جرائم کا دور ہے جس میں ذہنی اور جسمانی جرائم کی بھرمار ہے اور ہر سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید ابو مطیع کوئی ہماری طرح کے جرائم پیشہ افراد میں سے تھے ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ آپ پر لگائے گئے تمام الزامات کی حقیقت صرف سنی سنائی اور بدنام کرنے کے لئے حاسدین اور معاندین کی طرف سے پھیلائی گئی باتوں کا مجموعہ ہیں۔ مثلاً

(۱) ابن حبان نے ان کے بارے میں یوں کہا:

کان من رؤساء المرجئة ممن یبغض السنن ومنتحلیها

یہ مرجیہ کے ایسے سرداروں میں سے تھے جو سنت کو ناپسند کرتے تھے، اور دوسروں کی

کہی ہوئی باتوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے

(۲) محدث ابو حاتم نے ان کے بارے میں کہا:

کان مرجئا کذابا

کہ آپ فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھنے والے، اور کذاب لوگوں میں سے تھے

(۳) امام بخاری، اور نسائی، اور ابن الجوزی نے ان کے بارے میں کہا:

ضعیف، صاحب الرأی (لسان المیزان: ۳۳۳ ج ۲)

یہ ضعیف تھے اور صاحب رائے تھے

(۴) ابن عدی نے ان کے بارے میں کہا:

هو بين الضعف عامة ما يرويه، لا يتابع عليه

اس کا ضعف تو بڑا واضح اور عام تھا، اور وہ جو روایت بیان کیا کرتے تھے اس میں ان کا

کوئی تابع بھی نہیں لہوا کرتا تھا۔

(۵) امام ابن معین نے ان کے بارے میں کہا ہے:

”ليس بشيء“

وہ کچھ بھی نہیں ہیں

(۶) امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا:

”لا ينبغي ان يروى عنه شيء“

اس سے کوئی شے روایت کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۷) ابو داؤد نے ان کے بارے میں کہا:

تركو احدثه، و كان جهميا،

ان سے حدیث کی روایت متروک ہے کیونکہ وہ جہمیہ میں سے تھے۔

(اصول الدین: ۱۲۲، تاریخ بغداد: ۲۲۵، لسان المیزان ۳۳۲ ج ۲)

(۸) دارقطنی نے اس کو ضعفاء اور متروکین میں شمار کیا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین ص ۷۷)

امام ابو مطیع بلخی پر الزامات کا خلاصہ:

امام ابو مطیع بلخی پر جتنے الزامات بھی دھرے گئے تھے ان کا خلاصہ کلام پیش کر کے پھر

ایک ایک الزام کی حقیقت حال قارئین کرام کے سامنے کھولتے ہیں

اس بارے میں ایک بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں کوئی ائمہ رجال میں سے

نہیں ہوں اور نہ ہی بہت بڑا نقاد ہوں میری صرف ایک سوچ ہے کہ جس طبقہ آئمہ کی پوری دنیا میں اسی فیصد سے زیادہ اتباع کی جاتی ہے ان آئمہ پر مجہول قسم کی جرح و قدح نقل و نقل در نقل کر کے اپنے آئندہ زمانے کے طلباء کو ہم کیا سبق دینا چاہتے ہیں اور اس سے جو بھیانک نتائج صادر ہو رہے ہیں پانچوں نتائج سامنے آنے والے ہیں ان سے ہم اپنی آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں اور اسی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک عام سادہ سا مسلمان بھی کسی سوال کے جواب میں قرآن کریم کی آیت کا حوالہ مانگتا ہے اور کسی امام کی بڑی سے بڑی تحقیقات کو وہ کسی کھاتے میں نہیں لاتا، اور اسی وجہ سے آج ہمارے عام تو عام لوگ ہیں اہل علم کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے افکار سے بے زاری اور عدم تقلید کا بازار کے راہی بن کر دینی معاملات میں دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

جو الزامات ابو مطیع پر دھرے گئے ہیں وہ یوں ہیں:

پہلا الزام: یہ مرجیہ ہیں۔

دوسرا الزام: یہ ضعیف ہیں۔

تیسرا الزام: نقل روایت میں ان کا کوئی تابع نہیں ہوتا۔

چوتھا الزام: یہ جہمیہ میں سے ہیں

پانچواں الزام: یہ سنت سے بغض رکھتے تھے

چھٹا الزام: یہ دوسروں کی باتیں اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے۔

یہ وہ سارے الزامات ہیں جو ابو مطیع پر لگائے ہیں اگر تفصیلاً دیکھا جائے تو ان میں سے ایک الزام بھی ایسا نہیں جس کو آئمہ فن کے ہاں کوئی خاص مقام حاصل ہو لیکن ہم ذیل میں ان الزامات کی تحقیق مختصر الفاظ میں پیش کرتے ہیں

مرجیہ ہونے کے الزام کی حقیقت:

امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی پر بہت سارے محدثین نے کڑی تنقید کی ہے جبکہ وہ امام اعظم کی ایک کتاب فقہ اکبر کے راوی ہیں لہذا یہ دعویٰ اپنے اندر کوئی خاص وزن نہیں رکھتا کہ

’اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے اور پھر محدثین کا بھی مرکزی نقطہ صرف یہ ہے کہ وہ جہمیہ اور مرجیہ کے عقیدہ پر تھے۔

بلاشک و شبہ اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے اور ان کے اس قسم کے الزامات کی اسمائے رجال کی کتابوں میں اس الزام کی تصریح موجود ہے جس میں ان کی جرح و قدح کا مرکزی نقطہ صرف یہی ہے کہ ابو مطیع کا تعلق جہمیہ اور مرجیہ کے عقیدہ سے تھا۔

مگر سوال یہ ہے:

کہ اس قسم کے الزامات کی نسبت ابو مطیع کی طرف کرنا صحیح بھی ہے یا نہیں؟  
اور اگر یہ نسبت صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ کس معنی میں مرجیہ تھے؟  
اور کیا ابو مطیع کے اس معنی میں مرجیہ ہونے سے ان کی ثقاہت پر بھی کوئی زد آتی ہے یا نہیں؟

اور کیا خود امام اعظم کو مرجیہ فرقہ میں سے ہونے کا بلا وجہ الزام نہیں دیا گیا؟  
اور اس قسم کے الزامات سے اگر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو مطیع بلخی یا دوسرے ائمہ احناف سے نقل روایت مردود ہوتی ہے، تو کیا صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں ایسی بہت سی روایات کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جن کے راوی صرف مرجیہ ہی نہیں، بلکہ جہمیہ اور شیعہ وغیرہ فرقوں میں سے تھے لہذا ان کا ثقہ ہونا، اور ان سے نقل روایت کو جائز سمجھنا کس اصول کے تحت اور کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

اور جن ائمہ حدیث نے ان سے روایات نقل کی ہیں ان کے بارے میں کیا احکامات صادر فرمائے جائیں گے؟ آخر یہ حنفیت کے ساتھ عناد نہیں تو اور کیا ہے؟

اور یہ کہ ابو مطیع بلخی عقیدہ مرجیہ کے علمبردار تھے، لہذا امام صاحب سے ایسی اہم کتاب کیوں کر نقل کر سکتے ہیں؟

اور علمائے احناف کا اس قسم کے الزامات کو من وعن نقل در نقل در نقل کرتے چلے جانا سادگی نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے؟

کیا دنیا میں تحقیق کا کوئی اصول اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم کسی شخص پر الزام لگائیں اور اس کی وضاحت ملزم سے طلب ہی نہ کریں؟

جبکہ دوسری طرف حافظ ابن حجر امام ابو مطیع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

کان بصیرا ببالرأی ، علامة کبیر الشان ، و کان ابن المبارک  
یعظمہ ویبجلہ لدینہ و علمہ (لسان المیزان ص ۳۳۴ ج ۲)

وہ صاحب بصیرت فقیہ، علامہ اور بڑی شان کے مالک تھے، اور ابن مبارک ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے؛ اور علامہ ذہبی ان کو الفقیہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں: (عبرنی اخبار من غیر)

وہ ”کچھ نہیں ہیں“ کے الزام کی تحقیق:

اس قدر جلالت شان کے حامل فرد جس کا تذکرہ ابھی اوپر ہوا اور بعد میں جس کے بارے میں ائمہ اعلام کی توثیقات مندرج ہو رہی ہیں اس کے بارے میں، یہ کہنا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے، آخر اس کلام سے ہم امت میں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟  
حدیث تو محدثین کا شعبہ تھا، لیکن کیا علم فقہ، اور علم کلام، اور علم قضاة، وغیرہ میں بھی امام ابو مطیع بلخی کچھ نہیں تھے، ان کا سوائے اس کے کیا قصور ہو سکتا تھا کہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد، علم کلام کے ماہر، امام اعظم سے نقل روایت کرنے والے، اور افکار ابو حنیفہ کے امین و ماہر تھے۔

اتنی بڑی شان کی حامل شخصیت جن کے بارے میں امام ابن مبارک جیسا عظیم امام ان کے علم اور دین کی بزرگی کی وجہ سے ان کی تعظیم اور ان کی علو شان کے گن گاتا ہو اس کو یہ کہنا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے سوائے سورج کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے، اور ہر طرف اندھیرے کی رٹ لگانے کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

سنت کو ناپسند کرنے اور ضعیف ہونے کے الزامات کی تحقیق:

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سنت کو ناپسند کیا کرتے تھے کیا تاریخ میں اس کی کوئی



با اعتماد مثال پیش کی جاسکتی ہے، اور آپ کو ضعیف قرار دینے سے آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان سے اخذ روایت نہ کریں لیکن کیا باقی علوم میں بھی ان کا ضعف لاحق ہو جاتا ہے جبکہ اس وقت ہمارا مدعی یہ ہے کہ وہ امام اعظم سے فقہ اکبر کی روایت کرتے ہیں۔

علامہ عبدالقادر القرشی لکھتے ہیں کہ

راوی کتاب الفقہ الاکبر عن ابی حنیفہ اہ (الجواہر المصیہ

ص ۲۶۵ ج ۲)

امام ابو مطیع نے کتاب فقہ اکبر حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے۔  
غرضیکہ یہ کتاب ابو مطیع کی نہیں بلکہ امام صاحب ہی کی تالیف ہے، امام ابو مطیع تو صرف اس کتاب کے راوی ہیں۔

اس لئے جب ان کی روایت کردہ کتاب پر ائمہ اجلہ اعتماد کرتے ہیں اور اس کی لاتعداد شروحات لکھتے ہیں، تو اس کی کوئی تو اہمیت ہے یا نہیں؟

کیا یہ بات تعصب نہیں ہے! کہ ایک شخص کو ایک فن میں کمزور جان کر اس کو مکمل طور پر بے اہمیت کر دیا جائے، اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جو شخص ایک علم نہ جانتا ہو وہ جاہل سمجھ لیا جائے یا اس کو کہا جائے کہ وہ کچھ بھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہے ہر عالم کو تمام علوم کی کامل دسترس لازم قرار دی جائے۔ اور اس اصول کو اگر الٹ دیا جائے تو کیا محدثین بھی اہل علم کے زمرے میں شمار کئے جانے کے قابل رہیں گے جبکہ ان ہی محدثین کے ہاں فقہاء کو یوں کہا جاتا ہے:

انتم الاطباء ونحن الصیادلہ

اور اسی مناسبت سے امام شیعہ کا قول بڑا معروف ہے جس کو محمد علی کاندھلوی نقل کرتے

ہیں:

امام شیعہ (جنکے بارے میں ان کے تلامذہ ہی نہیں اس وقت کے عام لوگوں میں بھی یہ

بات مشہور تھی کہ

”ماکان بالعراق أعلم بالسنة“

عراق میں ان سے زیادہ علم حدیث کو جاننے والا کوئی نہ تھا)  
بذات خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام علوم کے ماہر نہیں ہیں بلکہ ہمارا میدان تو  
نقل روایت ہے اور اس میں اخذ مسائل ہمارا کام نہیں ہے۔  
لہذا آپ فرماتے ہیں:

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فروينا الفقهاء

ہم فقہاء میں سے نہیں ہیں، ہم تو احادیث سن کر فقہاء کرام کے سامنے پیش کرنے والے  
ہیں۔ (امام اعظم اور علم حدیث: ۱۶۹)

یہ وہ زمانہ ہے جب اہل علم مختلف علوم میں مہارت رکھنے والے احباب کو احترام کی نگاہ  
سے دیکھا کرتے تھے، لیکن بعد میں جب علم اسمائے رجال وغیرہ سامنے آئے اور اس علم کے  
ماہرین کو علماء میں پذیرائی ملی تو ایک نئی طرح پڑ گئی، اور وہ یہ کہ یہ حضرات خود یا ان کی طرف  
منسوب کر کے بعض احباب کے بارے میں سنی سنائی باتوں کو اس قوت کے ساتھ بیان کیا جاتا  
کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے سند کا درجہ حاصل کر لیتے تھے۔

امام ابو مطیع بلخی بھی اسی زد میں آئے ہوئے لوگوں میں سے ہیں اس پر مزید تفصیل بڑی  
کتب میں معلوم کی جاسکتی ہے

جہمیہ ہونے کے الزام کی حقیقت:

امام ابو مطیع پر جو الزامات لگائے گئے ان میں ایک تو یہ کہ آپ جہمیہ میں سے تھے عبد اللہ  
بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے حکم بن عبد اللہ ابو مطیع کے بارے میں  
سوال کیا تو آپ نے جواب دیا:

لا ینبغی ان یروی عنہ؛ حکوا عنہ انہ کان یقول: ”الجنة والنار

خُلقتا وسیفنیان“ (تاریخ بغداد: ۲۲۵ ج ۸)

ان سے روایت نقل کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ وہ

کہتے تھے ”جنت اور دوزخ دونوں پیدا کئے گئے ہیں اور عنقریب دونوں فنا ہو جائیں گے“ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم

اس الزام کی حقیقت سوائے سنی سنائی باتوں یا الزامات کے اور کچھ بھی نہیں ہے، کاش امام احمد بن حنبل کے پاس ان کی روایت کردہ کتاب فقہ اوسط (فقہ اکبر) پہنچی ہوتی یا انہوں نے امام شافعی کی طرح تھوڑا تردد فرمایا ہوتا اور یوں انہوں نے امام اعظم کی کتب سے استفادہ کر لیا ہوتا، تو آج ان سے اتنا بڑا مسئلہ نہ بنتا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کالمین کی منہ سے نکلی ہوئی بات کو دوام نصیب فرمادیا کرتے ہیں چاہے وہ غلط ہو یا درست؟

اس لئے اہل اللہ کو زبان کھولنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ ہماری اس بات کا انجام کیا ہوگا؟

اسی الزام کو دیکھا جائے تو صدیاں بیت جانے کے بعد بھی امام ابو مطیع بلخی مورد الزام، و موجب طعن ٹھہرے ہوئے ہیں۔

یہ رائے تو امام احمد بن حنبل کی تھی جو ان کے بیٹے نے ان سے نقل کی ہے اور اگر امام ابو مطیع سے بھی اس مسئلے کے بارے میں جان کاری کر لی جائے تو مفید بھی ہوگا اور اس مسئلے کے تجزیہ کرنے میں بہت آسانی بھی ہو جائے گی۔

امام ابو مطیع سے فقہ اوسط المعروف فقہ اکبر میں منقول ہے آپ فرماتے ہیں:

”قلبت من قال ان الجنة والنار لیستا بمخلوقتین!

قال الامام: فقل هما شیء، او لیستا بشیء؟

فان قال شیء. فقل: قال اللہ تعالیٰ (اللہ خالق کل شیء)

وقال اللہ تعالیٰ: (انا کل شیء خالقناہ بقدر). وقال اللہ تعالیٰ:

(النار یعرضون علیہا غدواً وعشیاً)

فان قال: انهما تفتیان؟ فقل له: وصف اللہ تعالیٰ لنعیمہما (لا

مَقْطُوعَةٌ وَلَا مَمْنُوعَةٌ)

ومن قال انهما تفنيان بعد دخول اهلها فيها ، كفر بالله تعالى

لانه انكر الخلود فيها “ (الفقه الاوسط: ۸۰)

میں نے کہا: اگر کوئی شخص کہے کہ جنت اور جہنم مخلوق نہیں ہیں تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم نے کہا: اس سے پوچھو کہ کیا وہ شےء کے حکم میں ہیں یا نہیں ہیں؟

اگر جواب ملے کہ وہ شےء کے حکم میں ہیں تو اس سے کہو کہ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (

اللہ تعالیٰ ہر شےء کے خالق ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (بے شک ہم نے ہر شےء کو ایک

اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (جہنم کی آگ ان کے اوپر ہر

صبح اور ہر شام کو پیش کی جاتی ہے) جہنم اور جنت کی موجودگی پر اس آیت سے استدلال کیا

جارہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جہنم موجود نہیں ہے تو ہر صبح اور ہر شام اہل قبور پر کیا پیش کیا

جاتا ہے؟

اور اگر وہ یہ کہے کہ وہ فنا ہو جانے والی ہے۔ تو آپ اس کو جواب دیں: اللہ تعالیٰ نے

اپنی نعمتوں کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کروایا ہے (وہ نہ تو ختم ہونگی اور نہ ہی رکیں گی)۔

اور جو شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم میں جنہوں نے داخل ہونا ہے ان کے داخلے کے بعد

وہ فنا ہو جائیں گی تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے جنتی یا جہنمی لوگوں کے اس میں ہمیشہ کے

لئے داخل ہونے کا ان کا رکردیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ’خالدین‘ کا لفظ استعمال کیا

ہے۔

اور اس کے بعد حضرت امام اعظم نے ایک نصیحت فرمائی اور کہا:

”قال لی ابو حنیفة ان اتکلم مع الخصم حتی یهدی ولیس لی ان

اتکلم حتی یخرس لان الاخراس معجزة والمعجزة للانبیاء لا

لغیرهم ، فاذا الجنة والنار موجودتان عندنا “

مجھے امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مخالف کے ساتھ ایسے انداز سے بات کرنی چاہئے جس سے سائل کو ہدایت ملے اس انداز میں بات نہ کرنی چاہئے کہ اس کو لاجواب کر دیا جائے کیونکہ مخاطب کو لاجواب کرنا معجزہ ہے اور معجزہ صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور کسی کو نہیں دیا گیا؛ لہذا جنت اور جہنم کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ موجود ہیں۔

اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو الزام حضرت امام احمد بن حنبل نے نقل در نقل کی صورت میں آپ کی طرف منسوب کیا ہے کیا وہ درست بھی ہے یا نہیں؟

ابو مطیع کے بارے میں ائمہ عظام کی رائے:

امام ابو مطیع بلخی کے بارے میں بعض ائمہ کی طرف سے کہے گئے تعریفی کلمات یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ابو مطیع پر صرف تنقید ہی نہیں کی گئی بلکہ ان کی توثیق کرنے والے ائمہ کرام بھی بدرجہا بلند و برتر مقام کے حامل ہیں مثلاً:

(۱) امام عبداللہ بن مبارک امام ابو مطیع بلخی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ابو مطیع له المنة على جميع اهل الدنيا (تاریخ بغداد: ۲۲۳)

ابو مطیع کا ساری دنیا کے لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

(۲) خطیب بغدادی ابو مطیع کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكان فقيهاً بصيراً بالرأى (تاریخ بغداد: ۲۲۳)

آپ فقیہ تھے اور اہل رائے میں بڑے صاحب بصیرت تھے۔

(۳) علامہ ذہبی اور ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا:

كان ابن مبارك يعظمه ويجله لدينه وعلمه

(لسان المیزان: ۲ ج ۳۳۳)

علامہ ابن مبارک ان کی دین اور علم کی وجہ سے ان کی تعظیم اور بڑائی کے قائل تھے۔

(۴) ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وكان بصيراً بالرأى علامة كبير الشأن (لسان المیزان: ۲ ج ۳۳۳)

اور اہل رائے میں آپ بڑے صاحب بصیرت تھے اور بڑی شان والے علامہ تھے  
(۵) اور امام مالک بن انس نے کسی آدمی سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے جواب  
دیباغ سے آیا ہوں جس کے جواب میں امام مالک نے فرمایا:

قاضيكم ابو مطيع قام مقام الانبياء (تاریخ بغداد: ۲۲۳ ج ۸)

تمہارے قاضی ابو مطیع، انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

(۶) موسیٰ بن نصیر اور محمد بن مقاتل جو آپ سے نقل روایت کرتے تھے ان کے بارے  
میں ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ وہ دونوں ان کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے

(لسان المیزان: ۳۳۶ ج ۲)

(۸) علامہ ذہبی کتاب العبر میں فرماتے ہیں کہ ابو ذؤاد کہا کرتے تھے:

بلغنا انه من كبار الاقارین بالمعروف والناہین عن المنکر

(الفوائد الہدیہ، حاشیہ لسان المیزان: ۳۳۵ ج ۲)

ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ابو مطیع امر معروف اور نہی منکر کرنے کے بہت اعلیٰ  
درجے پر فائز تھے۔

عادتا امام صاحب بڑے درجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے لوگوں میں  
سے تھے:

امام کا شمار صاحب بصیرت ائمہ میں سے ہوتا ہے اور اپنے زمانے اور علاقہ میں علم کی  
پختگی کی علامت سمجھے جاتے تھے:

علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ ابو مطیع صاحب الرائے فقیہ اور بڑے عالم تھے:

(۷) اور علامہ خلیلی امام ابو مطیع بلخی کے ساتھ علماء کی ناراضگی سے پردہ اٹھاتے ہوئے  
فرماتے ہیں:

كان على القضاء بلخ، وكان الحفاظ من اهل العراق وبلخ لا

يرضونه (لسان المیزان: ۳۳۶ ج ۲)

ابو مطیع بلخ کے منصب قضاء پر فائز تھے، اور عراق و بلخ کے حفاظ حدیث آپ سے راضی نہ تھے۔

جو شخص امر معروف اور نہی منکر کا عادی ہو، اور اس میں وہ حاکم وقت کی بھی پرواہ نہ کرتا ہو، اور ہو بھی حنفی اس کو برداشت کرنا آسان کام نہیں تھا اس لئے لوگوں نے ان کے بارے میں رنگارنگ کی باتیں پھیلا کر شروع کر دیں، یہ عادت اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔

(۹) شوذب اپنے ساتھی جمویہ سے کہتے ہیں:

ایک رات میں نے خواب میں ابو مطیع کو دیکھا گویا کہ میں ان سے پوچھ رہا ہوں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا معاملہ ہوا؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں اصرار کیا، تو آپ نے جواب دیا

انّ اللّٰه قد غفر لی ، و فوق المغفرة (تاریخ بغداد: ۲۲۴ ج ۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے اور بہت اونچی بخشش فرمائی ہے۔

## شرح الفقہ الالبسط

۱- شرح الفقہ الاکبر ابواللیث سمرقندی لمتوفی ۳۳۳ھ شائع شدہ دائرۃ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن۔

اس کا جدید انداز میں عربی متن پوری تحقیق کے ساتھ کاتب الحروف نے تیار کیا ہوا ہے ان شاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کے اسباب مہیا فرمائیں گے۔

۲- نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر؛ مؤلفہ قاضی عبید اللہ العلوی متوفی ۱۳۴۷ھ شائع شدہ مجلس علمی کراچی، ۱۹۸۵ء

اس نسخہ میں تخریج احادیث کو خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے نسخے میں تخریج احادیث عموماً اسی سے منقول ہیں؛ اور امام صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل ایک مقدمہ حضرت قاضی صاحب اور بعض مفید معلومات پر مشتمل ایک مقدمہ استاذ مکرم مفتی عیسیٰ گورمانی دامت برکاتہم کا لکھا ہوا ہے اور مجلس علمی کراچی نے اس کو طبع کیا ہے۔

۳- فارسی شرح شیخ محمد الحسینی المعروف گیسو دراز شائع شدہ برقی پریس حیدرآباد دکن، ۱۳۶۷ھ۔

یہ نامکمل شرح ہے اس میں بعض مباحث کو خاص کر کے اس پر فارسی زبان میں آسان اور آزاد ترجمہ ہے اور بعض مقامات پر امام نے عربی میں کلام کیا ہے عربی نسخے میں اس کو نام کی وضاحت کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے اور باقی فارسی حصہ الگ سے تیار کیا گیا ہے البتہ اس کا اردو ترجمہ عربی اور اردو دونوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے؛ اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت العلامة سید نفیس الحسینی خانوادہ حضرت خواجہ گیسو دراز کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ بھی حضرت سے ملا؛ اور اس کام کی تکمیل کا سہرا بلا کسی رورعایت حضرت کے سر ہے؛ اور انہوں نے ہی اپنے قلم زریں رقم سے ایک قلمی نسخہ مرقومہ ۱۰۹۵ھ سے مقابلہ اور تصحیح فرمائی تھی جو ۱۹۶۰ء کو پایہ تکمیل کو پہنچی تھی؛ یہ دونوں نسخے میرے پیش نظر رہے؛ اور اللہ جل و علی حضرت



کی قبر کو منور فرمائے آمین

اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۴- شرح شیخ زاہد الکوثری باسم الفقہ الابطط یہ نسخہ سفر امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی کی لائبریری میں ملاحظہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا اور اب الرحیمیہ اکیڈمی کراچی سے دوبارہ چھپ چکا ہے۔

۵- ایک شرح بندہ بھی مکمل کر رہا ہے، جو ان شاء اللہ جلد کی طبع ہو جائے گی۔

۶- ایک شرح جس میں امام ابو اللیث سمرقندی اور خواجہ محمد الحسینی المعروف گیسو دراز کی شروحات کو جمع کر دیا گیا ہے اور ان سب کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے

۷- ترجمہ آثار الامام کے نام سے دیوبند سے مولانا سید حسین احمد مدنی کی نگرانی میں مولانا عبد الحفیظ رحمانی نے مکمل فرمایا تھا جو مطبوع لیکن اب اس کا ملنا مشکل ہے۔

اس میں علامہ رحمانی نے طالب علمی کے زمانہ میں امام صاحب کی چند تصانیف کا اردو ترجمہ کیا ان میں الفقہ الابطط، العالم و المتعلم اور رسالہ الی عثمان البتی خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور مکتبہ شہاب دیوبند سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

## باب چہارم:

# علم عقائد کے متعلق دس بنیادی امور کا بیان

اس باب میں وہ اہم باتیں بیان کی جائیں گی جن کا جاننا کسی بھی طالب علم کے لئے کوئی علم شروع کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے تاکہ اس کے تعلیمی عمل میں آسانی ہو اور فہم مسائل میں اس کے لئے سہولت ہو اور حصول علم کا مقصود اصلی اس کے لئے آسان ہو جائے۔ امام قاسم نانوتوی کا فرمان ہے:

”کسی علم کا حاصل کرنا بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ وہ تو کسی اور مقصد کے لئے ایک سیڑھی کا کام دیتا ہے اور طبیعتوں میں استعداد پیدا کرنے اور دوسرے علوم کے حصول کا بنیادی ذریعہ ہوتا ہے“

ہر طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ کوئی بھی علم شروع کرنے سے پہلے دس باتوں کو جان لے اس سے اس علم کی افادیت زیادہ ہو جائے گی اور علمی استفادہ بھی آسان ہو جائے گا۔ انہی دس باتوں کا تذکرہ امام ابن ذکری رحمہ اللہ مقاصد تحصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَاوَّلُ الْاَبْوَابِ فِي الْمَبَادِي  
وَتِلْكَ عَشْرَةٌ عَلَي الْمَرَادِ  
الْحَدُّ، وَالْمَوْضُوعُ، ثُمَّ الْوَاضِعُ  
وَالِاسْمُ، وَاسْتِمْدَادُ، حُكْمُ الشَّارِعِ  
تَصَوُّرِ الْمَسَائِلِ، الْفَضِيلَةُ  
وَنِسْبَةُ، وَفَائِدَةُ جَلِيلَةٌ

اور انہی دس باتوں کو تذکرہ علامتہ صبانِ نحویٰ ایک شعر کی صورت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ مَبَادِيَّ كُلِّ فَنٍ عَشْرَةٌ  
الْحَدُّ، وَالْمَوْضُوعُ، ثُمَّ الثَّمَرَةُ  
وَقَضْلُهُ، وَنِسْبَةُ، وَالْوَاضِعُ  
وَالِاسْمُ، اسْتِمْدَادُ، حُكْمُ الشَّارِعِ  
مَسَائِلٌ وَالْبَعْضُ بِالْبَعْضِ اِكْتَفَى  
وَمَنْ دَرَى الْجَمِيعَ حَازَ الشَّرَفَاءَ

کسی بھی علم کے شروع کرنے سے پہلے جن دس باتوں کو جاننا از حد ضروری ہے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

- (۱) اس علم کی تعریف
- (۲) اس علم کا موضوع
- (۳) اس علم کے حصول کے نتائج
- (۴) اس علم کی فضیلت
- (۵) اس علم کی نسبت یعنی وہ کس کی طرف منسوب ہے
- (۶) اس علم کا واضع یا بانی کون ہے
- (۷) اس علم کا نام کیا ہے
- (۸) اس علم کے حصول کے لئے کیا شرائط و لوازمات ہیں
- (۹) اس علم میں بیان کئے جانے والے مسائل
- (۱۰) اور اس علم کے فضائل کیا ہیں

۱۔ علم عقائد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

علم عقائد دو لفظوں کا مجموعہ ہے ایک علم اور دوسرا عقائد۔

شیخ انور شاہ کشمیری فیض الباری میں فرماتے ہیں، علم کی تعریف آئمہ ماتریدیہ کے نزدیک یوں بیان کی جاتی ہے:

هو صفة مودعة في القلب كالقوة الباصرة في العين من شأنها

الانجلاء بالشروط اللائقة بها، فالعلم واحد مع تعدد  
المعلومات:

علم ایک ایسی صفت ہے جو دل میں ودیعت کی گئی ہے جیسے بصارت آنکھوں میں  
ودیعت کی گئی ہے اور علم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام ضروری شرائط کے پورا ہونے کے بعد  
معاملے کو روشن کر دیتا ہے، اس لحاظ سے معلومات کی کثرت کے باوجود علم ایک ہی ہوتا ہے۔  
اور عقیدہ کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے:

و العقيدة من العقدة لغة؛ وهو الاعتقاد الجازم بالقلب؛ والمراد  
به نفس العقائد دون العمل

لغوی طور پر عقیدہ کا لفظ عقدہ سے نکلا ہے اور اس سے مراد دل کے ساتھ یقین مستحکم  
ہو جائے، اور اس سے مراد صرف عقائد ہیں نہ کہ عمل اور متکلمین کی اصطلاح میں:

والکلام هو علم يقتدر به على اثبات العقائد الدينية  
بإيراد الحجج القاطعة ودفع الشبهات الواردة عليها.

اور علم کلام سے مراد ایسا علم ہے جس میں یقینی دلائل کے ذریعے دینی عقائد کو ثابت کیا  
جاتا ہے اور ان عقائد پر وارد ہونے والے اعتراضات کو زائل کیا جاتا ہے۔

۲۔ موضوع علم کلام اور علم عقائد:

موضوع کو بیان کیا جانا اور متعین کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے مختلف علوم  
میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

اور اس سے مراد ایسی معلومات کو یک جا جمع کرنا ہے جس سے دینی عقائد کو ثابت کیا  
جاتا ہے چاہے اس کا علم عقائد سے قریبی تعلق ہو یا دور کا تعلق ہو۔

علم عقائد میں ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا اصول الدین سے تعلق ہوتا ہے  
اور وہ مسائل ایمان کی بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں، اور ان مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے  
جیسے: اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام صفات کمالیہ کے جامع ہونے کے لحاظ سے تعارف کیا جانا۔ اور اس

کا ہر نقص و زوال سے پاک ہونا، اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ؛ اس کی طرف سے نازل شدہ کتب، اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں، اور قیامت کے دن کا تعارف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و شر کے ہونے کا تذکرہ، اور میتوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا اور ان کے نیک اعمال پر انکو ثواب اور برے اعمال پر انکو سزا دیئے جانے کا تذکرہ، اور اس طرح کے دوسرے مسائل کا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے اور اس کے موضوع کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

هو ذات الله تعالى اذ يبحث فيه عن صفاته و افعاله في الدنيا ،  
كحدوث العالم ، و ما في الآخرة كالحشر للاجساد ،  
و احكامها فيهما كبعث الرسل و نصب الامام .

اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے لحاظ سے بحث کرنا، اور دنیا کا اس کے حادث یا قدیم ہونے کے لحاظ سے اور وہ معاملات جو مرنے کے بعد پیش آنے والے ہیں ان کا بیان کرنا اور انبیاء کی بعثت اور امام کی تعیین کے حوالے سے بحث کرنا اس علم کا موضوع ہے۔

۳۔ علم کلام اور علم عقائد کے بانی اور مدوّن:

سب سے پہلے علم کلام کی بنیاد رکھنے کا شرف جس عظیم شخصیت کو حاصل ہوا تھا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سب سے پہلے اس علم کو احاطہ تحریر میں لانے اور اس کو مدوّن کرنے کا شرف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کو حاصل ہوا تھا۔

(۱) علم عقائد میں سب سے پہلے عام مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے ایک کتاب بنام ”الفقہ الاکبر“ تحریر فرمائی ہے جو آج بھی مسلمانوں میں بہت زیادہ معروف ہے۔

(۲) علم کلام میں امام اعظم نے چار کتابیں تحریر فرمائی ہیں:

۱۔ اہل السنّت و الجماعت کی حقانیت پر سب سے پہلے علم کلام میں ایک کتاب ”الرد علی القدریۃ“ لکھی۔

۲- دوسری کتاب فقہ اوسط ہے جس میں امام ابو مطیع بلخی کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں۔

۳- تیسری کتاب جس میں امام ابو مقاتل کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں اس کا نام عالم و متعلم ہے۔

(۳) علم مجادلہ میں سب سے پہلی کتاب امام اعظم نے اپنے شاگرد عثمان بنی کے سوال کے جواب میں خط و کتابت کو بطور تعلیم و تربیت کے عمل کو شروع کرنے والے اور آپ پر کئے گئے اعتراضات کا بذریعہ خط و کتابت جواب لکھنے والے بھی سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہ ہیں انہوں نے مسئلہ ارجاء کے بارے میں آپ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب ایک رسالے کی شکل میں تحریر فرمایا تھا جو رسالہ الی عثمان البتی کے نام سے معروف اور چھپا ہوا ہے۔

(۴) علم نصح میں بطور وصیت کے تمام امت کے افراد کے نام سب سے پہلے آپ نے ایک وصیت علم عقائد میں تحریر فرمائی۔

اسی لئے امام ابو الیسر بزدوی کا فرمان ہے کہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ، اپنے شاگردوں کو پہلے پہل سب سے پہلے علم عقائد اور علم کلام کی تعلیم؛ اور باقاعدہ مناظرہ کرنے کا طریقہ اور اس کی تربیت دیا کرتے تھے؛ اور آپ بذات خود اس زمانے کے سب سے مضبوط علمی فرقہ معتزلہ اور دیگر اہل بدعت کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے۔

۴- علم عقائد کی وجہ تسمیہ:

۱: الفقہ الاکبر: اس کا ایک نام ہے؛ کیونکہ فقہ کہتے ہیں

(هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالِهَا وَمَا عَلَيْهَا)

فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ نفس اور لوازمات نفس کی معرفت اور پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے بیان کرنے میں تمام علوم میں سے سب

سے افضل علم یہی علم عقائد ہے؛ کیونکہ اس علم کے ذریعے سب سے افضل معلوم (اللہ تعالیٰ کی ذات) کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے؛ اسی لئے اس سے افضل اور اعلیٰ درجے کا کوئی اور علم نہیں ہے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف اسکے علاوہ کسی اور علم کے حصول پر اس سے زیادہ اجر و ثواب ہو سکتا ہے؛ اسی لئے اس علم کا نام: علم عقائد اور فقہ اکبر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ علم الہی: اس علم کا نام علم الہی اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے؛ اور اس کے بعض اسرار و رموز اور ایسے چھپے ہوئے بھیدوں سے پردہ اٹھایا جاتا ہے جس میں اپنی طرف سے نہ دخل اندازی ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مادی اور غیر مادی کائنات ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔

۳۔ علم مابعد الطبعیات: اس کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ جو امور اس دنیا کے حسنی نظام سے تعلق رکھتے ہیں انکو علوم طبعیہ کہا جاتا ہے لیکن اس علم میں جو باتیں زیر بحث لائی جاتی ہیں وہ عقائد سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ عموماً حس سے وراء ہوتی ہیں اسی لئے اس کو علم مابعد الطبعیہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ علم الکلام: اس علم کو علم کلام کہنے کی وجہ یہ ہے، کہ اس علم میں اپنے مخاطب سے ایسے طریقے سے بات کی جاتی ہے جو اس کی سمجھ میں آسکے، اسی بناء پر امام صاحب نے اسی کتاب میں ایک مقام پر ابو مطیع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ان اتکلم مع الخصم حتی یهدی ولیس لی ان اتکلم حتی

ینخرس

مد مقابل کے ساتھ ایسے طریقے سے کلام کرو کہ اس کو ہدایت نصیب ہو ایسے طریقے سے بات نہ کرو کہ وہ لاجواب ہو کر خاموشی اختیار کر لے؛

کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے

کَلِّمِ النَّاسَ عَلَىٰ قَدْرِ عَقُولِهِمْ

لوگوں سے ان کے عقلی معیار کے مطابق کلام کرو؛ اور لوگوں کا معیار عقل مختلف ہوتا ہے لہذا رہبر کو چاہئے عقل معاش کو ذریعہ بناتے ہوئے مخاطب کو عقل معاد کی مشکل وادی کی سیر کروائی جائے۔

اور اسلام پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ ایسے طریقے سے کیا جائے جو بالعموم اصول اسلام کا طریقہ جواب نہ ہو؛ کیونکہ انسان کے بس میں یہ بات نہیں کہ اپنی عقل نارسا کے ذریعے تمام معقولات کو سمجھ سکے؛ اس لئے کہ آنکھ سے تمام (visebal) اشیاء کو محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۵- علم عقائد: اس کو اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ملائکہ و رسل کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے اور دنیا میں اعمال اور آخرت میں اس کی جزاء یا سزاء کے بارے میں بحث کی جاتی ہے تو گویا ایک لحاظ سے یہ گرہ لگانا ہوتا ہے اور وہ بھی ایمان سے بھرے ہوئے دل کو گرہ لگا دینا۔ اور اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور امت محمدیہ کے ائمہ کے اجماع جو باتیں مستحکم ہو چکی ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۶- علم امور عامہ: اس کو علم امور عامہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایسے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں جن کا تعلق عموماً موجود اس معنوں میں کہ وہ واجب جو ہر یا عرض کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے۔

۵- علم عقائد کی مختلف شاخیں:

علم عقائد تو ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق خالص عقائد اور اللہ تعالیٰ کی شناخت پر مبنی ہے اور اس کی مختلف شاخیں ہیں جن کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱- علم توحید: اس علم میں وہ تمام مسائل جو کسی فرد کے مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں ان کو بیان کرنے اور اسکے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا اور اپنی سوچ اور فکر کو اس کے مطابق بنانا علم توحید کہلاتا ہے۔



۲- علم کلام: جب کسی نا سمجھ کے ساتھ دین کے تعارف کی بات کی جاتی ہے اور اس کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاتا ہے اس کو علم کلام کہا جاتا ہے کیونکہ اس پورے شعبے میں ساری بات کی بات چیت پر مبنی ہوتی ہے اور اس بات چیت کو کلام اور اس کلام کو منظم کر کے بیان کرنے کا نام علم کلام ہے۔

۳- علم مناظرہ: اگر عقائد کے کسی مسئلے کے بارے میں اس انداز میں بات چیت کی جائے کہ دونوں طرفین راہ حق پر ہوں لیکن کسی جزوی مسئلہ کے توضیح و تشریح میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے طرفین آپس میں بات چیت کریں اور ان دونوں کا مقصد تلاش حق ہو اور سچائی تک رسائی مقصود ہو اس کو علم مناظرہ کہا جاتا ہے۔

۴- علم مجادلہ: جب کسی باطل فرقے کے ساتھ بات چیت کی جائے اور ان کے سامنے حقیقت حق کو عیاں کرنا اور ان کے بطلان کو بیاں کرنا مقصود ہو تو اس کو علم مجادلہ کہا جاتا ہے اس میں مخاطب کی بات کو نہ ماننے کا اصول پیش نظر ہوتا ہے۔

۵- علم مکالمہ: اگر مختلف مذاہب ملکر آپس میں اپنے مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے معلومات کا تبادلہ اور اپنے مذہب کا تعارف لوگوں کے سامنے بیاں کریں اور اس میں نہ قبول حق یا تسلیم مقابل مقصود ہوتی ہے اس کو علم مکالمہ کہا جاتا ہے۔

۶- علم مباحثہ: جب مکالمہ کے دوران بعض مسائل کی توضیح و تشریح مقصود ہو تو اس کی وضاحت بیان کرنے اور اس پر پیش آنے والے سوالات کی وضاحت بیان کرنے اور دوسرے مذاہب کے عقائد میں مطابقت پیش کرنے کے عمل کا نام مباحثہ ہے۔

۶- حصول علم کے اصول:

جو شخص اس علم کو حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ ہر ایک شخص کے سامنے زانوئے تلمذ نہ طے کرے بلکہ دیکھ لے کہ جس شخص سے یہ علم حاصل کرنے لگا ہے وہ اس علم میں معروف ہو اور درجہ کمال رکھتا ہو، اور اہل السنّت والجماعت کے اصول و فروع سے مکمل آگاہی رکھتا ہو اور اس علم میں شہرت کے بلند مقام پر فائز ہو، بعض علماء کی کسی ایک مسئلہ میں تو

مہارت ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے مسائل میں وہ بالکل کورے ہوتے ہیں اسی وجہ سے آج اہل السنّت والجماعت انتشار اور افتراق میں مبتلاء ہیں اور ایک ایک مسئلے کی بنا پر ایک نئی نئی جماعتیں معرض وجود میں آرہی ہیں جو دوسرے سب لوگوں کو فاسق و فاجر اور بدعتی تو کجا کافر تک کہنے سے گریز نہیں کرتے اس لئے ضروری ہے کہ اس شخص سے یہ علم حاصل کیا جائے جو اس علم میں بلند ترین درجے پر فائز ہو۔

۷۔ شرع میں اس علم کے حصول کا حکم:

حضرت امام اعظم نے اپنی کتاب 'العالم والمعتلم' میں فرمایا ہے کہ اس علم کے حصول میں کوئی حرج نہیں ہے اس علم کے بارے میں چونکہ اس زمانے کے بعض محدثین میں طرح طرح کی برائیاں مشہور تھیں اس لئے ابو مقاتل نے حضرت امام صاحب سے اس کے بارے میں تفصیل چاہتے ہوئے سوال کیا:

ابو مقاتل: میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جو اس علم کو نہ تو خود سیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے سیکھنے کو جائز سمجھتے ہیں، اور اپنے اس عمل پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام اس علم کے سیکھنے میں جب نہیں لگے تو ہمیں بھی اس کے سیکھنے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے لہذا اس مشقت میں ان کے لئے کیسے وسعت پیدا کی جائے گی اور اس کا ان کو کیا جواب دیا جائے گا؟  
امام اعظم: نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: آپ ان کو جواب دیتے ہوئے یوں کہو کہ اگر ہم ان کے زمانے میں ہوتے تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا لازم تھا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا۔

لیکن جو معاملہ ہمیں درپیش ہے وہ ان حضرات کو درپیش نہیں تھا کیونکہ ہمیں تو ایسے لوگوں کا سامنا ہے جو ہمیں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ہمارے خون بہانے کو بھی جائز سمجھتے ہیں تو کیا ہم پر یہ بات لازم نہیں کہ ہم آپس میں یہ واضح کریں کہ کون غلطی پر ہے اور کون راہ حق پر ہے؟  
اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم امام ابو حنیفہ کی اتباع کرتے ہیں اور جس طرح وہ ہمارے فروعی مسائل میں امام ہیں اسی طرح وہ ہمارے اصولی مسائل میں بھی ہمارے امام ہیں اور

جب انہوں نے اس علم کے سیکھنے اور سکھانے کو جائز قرار دیا ہے اور اس میں تصانیف کا نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ خود بھی تحریر فرمائی ہیں۔

لیکن انہوں نے اپنی آخر عمر میں خود بھی مناظرہ کرنا چھوڑ دیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے منع فرما دیا تھا کہ وہ دوسرے لوگوں سے مناظرہ نہ کیا کریں“

اور اس علم عقائد کا حکم بقدر ضرورت تو فرض عین کے حکم میں ہے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ فرض کفایہ کے حکم میں ہے اور اس علم میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے جتنی اور جس انداز میں بھی کوشش کی جائے وہ مباح ہے۔

### ۸- علم کلام کی تصویر مسائل:

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو ایک خاص مقصد کے پیش نظر تخلیق کیا ہے؛ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا؛ لہذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے مقصود اصلی کے حاصل کرنے کے لئے انسانی طاقت میں ممکن حد تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کی کوشش کرے؛ اور دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے خوف میں اور اس کی محبت میں گزارے؛ اور اسکے احکامات صحت پر دل و جان سے یقین رکھے؛ اور اس کے اوامر کی اتباع کا عزم مصمم کئے رہے؛ اور ان تمام باتوں کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور ملائکہ اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتب ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اس بات کی ذمہ دار ہے اپنی ذمہ داری پوری کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو مالک یوم الدین ہے اور اس نے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھنا ہے اور جو درست جواب دینے میں کامیاب نہ ہوگا اس کو عذاب اور کامیاب ہونے والے کو دائمی اور ابدی کامیابی کی نوید کے ساتھ جنتی قرار دے دیا جائے گا؛ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس نعمت سے نوازے

### ۹- اس علم کی فضیلت اور غرض و غایت:

۱- یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ جب اصولی مسائل کا علم حاصل کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس کے باقی لوازمات کا علم بھی حاصل کیا جائے؛ اور خاص طور پر

موجودہ زمانے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں اصولی مسائل میں سب سے مشکل مسائل اصول توحید کے متعلقہ مسائل ہیں۔ اور اب اس علم کے مسائل کے بارے میں کسی امام کا قول بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں ہوتا تو یہ لازم اور ضروری ہے کہ اصولی مسائل کے جاننے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ضروری دلائل بھی جانے جائیں تاکہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ ہم میں سے کوئی شخص کس نوعیت اور کس درجے کا مسلمان ہے۔

۲- اسی طرح جب ہم کسی ایسے مقام پر ہوں جہاں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار بھی رہتے ہوں اور وہاں کوئی کافر یا ہمارے اپنے ملک میں رہنے والا کوئی کافر دین کے اصولی مسائل کی تفصیلات جاننے کے لئے کسی شخص سے سوال کر دے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ وہ اپنے دین کے اصولی مسائل سے آگاہی مہیا کر سکے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب دے سکے؛ اور علامہ عضد الدین: رحمہ اللہ کے بقول:

اس علم کی اہمیت اس لئے بھی بہت زیادہ ہے تاکہ اس کی صحیح قدر و قیمت جانی جاسکے اور اس کے لئے جو حقوق لازمہ ہیں ان کو بھر پور طریقے سے ادا کیا جاسکے؛ جیسا کہ آپ اس علم کے موضوع کو جان چکے ہیں اور یہ اہم ترین اور اعلیٰ ترین کام ہے؛ اور اس کی غرض و غایت نفع مندی کے لحاظ سے بلند ترین غرض ہے؛ اور اس کے دلائل یقینیہ عقل کے ساتھ مستحکم ہوتے ہیں اور کبھی کبھی نقل کی قوت بھی ان کے ساتھ اس میں اور زیادہ وثوق پیدا کر دیتی ہے، اور یہ مضبوط ترین اغراض میں سے ایک غرض ہے؛ اور اسی وجہ سے اس علم کی سب سے بلند و برتر مقام حاصل ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے علم کلام کو ہم سب سے افضل علم قرار دیتے ہیں اور تمام علوم کی تمام برانچوں میں سب سے بہتر اسی علم کو قرار دیتے ہیں۔

۱۰- علم کلام کے حصول کا فائدہ:

اس موجودہ زمانے میں علم کلام کے حصول میں بہت زیادہ فائدے ہیں؛ کیونکہ اس

موجودہ زمانے میں لوگوں کے افکار منتشر اور عقائد بھول بھلا چکے ہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس علم کو حاصل کرے اور سیکھے؛ جیسا کہ اس کی تفصیلات ارشاد فرماتے ہوئے امام عضد الدین عبدالرحمن بن احمد لائجی نے کہا ہے علم کلام کی وضاحت شرح عضدیہ میں فرمائی ہے۔

۱- اس علم کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ: تقلید کی لذت سے ترقی کرتے ہوئے یقین کے اعلیٰ ترین درجات تک رسائی حاصل کرنا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کے قول:

وَيَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان والے لوگوں کا درجہ بلند کیا ہے؛ اور جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا علم ہے ان کے درجات اور بھی زیادہ بلند ہیں؛ اس آیت کا حقیقی معنوں میں مصداق بن سکے؛ جس میں ایک عام شخص کی نظری قوت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے اور اہل یقین علماء کو باوجود اس کے کہ وہ مؤمنین کے لفظ میں مذکور ہو چکے تھے خاص طور سے ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اس میدان کے صحیح معنوں میں شہسوار ہوتے ہیں۔

۲- اس علم کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ واضح دلائل کے ذریعے ہدایت کے طالبین کی راہنمائی کرنا اور دلائل ظاہرہ باہرہ کے ذریعے معاندین و مخالفین کے الزامات کا رد کرنا؛ تاکہ مخالف کے شکوک شبہات دور ہو کر ان کے ایمان کی تکمیل ہو سکے؛

۳- اس علم کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ: دین اسلام کے اصول و فروع کی ایسے شکوک و شبہات سے حفاظت کرنا جو متبعین کو راہ ہدایت سے متزلزل کر کے راہ حق سے گمراہ کر دیں؛

۴- اس علم کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ: اس کو سمجھنے کے بعد علوم شرعیہ کی بنیاد اس پر رکھی جاسکتی ہے؛ کیونکہ اصول اسلام کے تاویل و تشریح اس علم کے فروعیات کے ذریعے سمجھنا مفید اور آسان ہے۔

۵- اس علم کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کی درستی کے ساتھ نیت کو درست کر سکتا ہے؛ اور نیت ایسی چیز ہے جو عمل کی قبولیت کے لئے معیار ہے اور اس کی درستی کے بعد کسی شخص کے قوت عملیہ کے پیش نظر ابدی کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ تمام اس علم کی غایات اور اس کے مقاصد اور بنیادی فائدے ہیں: اور ان میں اہم ترین یہ ہے جو سب کا مرکزی نقطہ ہے کہ: آدمی کو دارین کی سعادت اور خوش بختی اور فوز و فلاح میسر آجاتی ہے؛

۱۱- فضائل العلم:

۱- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين اتوا العلم

درجات (المجادلة: ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا درجہ بلند کر دیا ہے اور ان میں سے جن کو علم دیا گیا ہے ان کے بلندی تو کئی مراتب کے لحاظ سے ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

انما يخشى الله من عباده العلماء (الفاطر)

اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن ان میں سے علماء کا اللہ تعالیٰ کے ڈرنے کے لحاظ سے وہ بندے بہت بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر

أولوا الألباب (الزمر: ۹)

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ کیا جاننے والے اور انجان برابر ہوتے ہیں بے شک نصیحت صرف عقل والوں کے لئے ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

والراسخون فی العلم یقولون آمنابہ کل من عند ربنا وما یدکر

الأولوالألباب (ال عمران: ۷)

اور جو لوگ میدان علم میں مضبوط ہیں وہ کہہ دیتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے  
سب کچھ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہوتا ہے اور ان باتوں سے صرف اور صرف عقل  
والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۵- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

لکن الراسخون منہم..... أولئک سنؤتیہم اجرا عظیمما

(النساء: ۱۶۲)

لیکن وہ لوگ جو علم میں رسوخ رکھتے ہونگے..... یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ  
تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔





## تیسرا حصہ

فقہ اکبر پر کیے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على من كان نبيا و  
رسولا و آدم منجدل بين الماء والطين و على آله اجمعين  
برحمتك يا ارحم الراحمين  
اما بعد:

بلا حدود و قیاس تعریفیں اس خالق ہر دوسرے کو سزا دار ہیں جو کل کائنات کے پیدا کرنے والے ہیں، اور تمام موجودات کے موجد مخلوقات کے خالق، اور تمام معدومات کے عدیم ہیں، اور ان سب کے گزران حیات کیلئے شریعت کا کامل و مکمل اور پاکیزہ راستہ متعین کرنے کے بعد انسانوں کو اس راستے کا راہی بنایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتعداد و بے حساب رحمتوں، برکتوں کا نزول و جوہ اور ہستی کے مطہر ہستی محمد مصطفیٰ پر ہوں جو ہدایت کے راستوں کے راہی اور گمراہی اور فساد کے ماحی ہیں۔

ابتدائے ابتدا سے آخراً و آخر تک ان پر ایسے درود و سلام ہوں جو انسانوں کی مشکلات، اور آپ کی پاکیزہ آل، اہل بیت پر بھی نازل ہوں جو قیامت کے روز گناہ گاروں کے شفاعت کرنے والے ہوں گے۔

امت کے ائمہ اعلام میں اس مسئلے پر اختلاف چلا آ رہا ہے کہ فقہ اکبر کون سی فقہ اکبر ہے اور اسکے مصنف کون سے ابو حنیفہ ہیں، اور کون سی فقہ اکبر درست ہے جس کے راوی ابو اسماعیل حماد بن ابو حنیفہ (۱۷۶ھ) ہیں؟ یا جس کے مصنف ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بن مسلم بلخی خراسانی (۱۹۹ھ) ہیں؟

بعض احباب نے امام حماد بن ابو حنیفہ (۱۷۶ھ) والی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف

ماننے سے ان کا رد کیا ہے، اور وہ اس کو ابوحنیفہ بخاری کی تصنیف قرار دیتے ہیں، اور وہ حضرات اپنے اس دعویٰ کے حق میں کئی دلائل، اور اس سے اختلاف کرنے والوں پر کئی اعتراضات کرتے ہیں۔

ان کے اس اختلاف کی نوعیت اور ان پر دلائل پیش کرنا تو ایک مفید عمل ہے جس کی مخالفت کرنا بے معنی اور لایعنی ہے جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اعتراضات کا ایک جا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد ان کا اجمالی انداز میں علمی تجزیہ کیا جائے اور اس کے بعد حق کو واضح اور باطل کو عیاں ہو جانے کے بعد راہ حق کی روانی کی دعا اور باطل سے روگردانی اور رب کی پناہ مانگی جائے۔ و ما توفیقی الا باللہ

و یا اللّٰہم افتح لنا الخیر ، و انشر لنا الرّحمة ، یا دلیل المتحیرین ،  
و یا رب العالمین .

تعارفِ امام ابوحنیفہ اور ان کی کتاب فقہ اکبر:

فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے اور اور امام اعظم وہ ہستی ہیں جو اماموں کے امام اور استاد ہیں۔ اور امت کیلئے گمراہی کے اندھیروں میں چراغ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی منہاج ہیں۔

اسم گرامی نعمان بن ثابت الکوئی ہے آپ تابعین کی جماعت میں سے ہیں، اپنی جوانی میں اللہ کی عبادت میں مصروف اور تزکیہ باطن کیلئے زہد و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن خواب دیکھتے ہیں کہ ”ریاض الجنۃ“ میں تشریف فرما ہیں اور وہاں سید الاولین والآخرین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارکہ اوپر سے کھلا ہوا ہے۔

اور اس قبر مبارکہ میں کچھ چھوٹی اور کچھ بڑی ہڈیاں ہیں، اور ان میں سے امام اعظم چھوٹی ہڈیوں کو الگ کرتے ہیں اور بڑی ہڈیاں چن کر اپنے پاس جمع کرتے جاتے ہیں، یہ خواب بڑا پریشانی والا تھا اس لئے اس کی تعبیر معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے لہذا اس وقت خوابوں کی تعبیر کے سب سے بڑے امام محمد بن سیرین کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ایک عظیم اشارے اور ایک مخفی عبارت میں یہ خوشخبری فرما رہے ہیں کہ

آپ نئے نئے مسائل کے اجتہاد اور ان کے حل دریافت کرنے میں مشغول ہوں گے، اور صحیح احادیث پر عمل کرنے اور ضعیف احادیث، یا ان باتوں پر جن میں محدثین نے قیل و قال اور شک و شبہ ظاہر کیا ہے ان روایات پر عمل چھوڑ دیں گے۔

(یہی وجہ ہے کہ جب امام نے اپنے اصول حدیث ترتیب دیے تو اس میں بہت زیادہ

سختی کی)

اسی لئے معروف ہے:

”کان ابو حنیفۃ شدید الفحص عن الناسخ و المنسوخ من

الحدیث، فیعمل بالحدیث اذا ثبت عندہ عن النبی صلی اللہ

علیہ وسلم و عن اصحابہ، و کان عارفاً بحدیث اهل الکوفۃ“

(موفق ص ۲۲ ج ۱)

امام ابو حنیفہ ناسخ و منسوخ احادیث کے بارے میں بہت زیادہ تحقیق اور تفتیش کرتے، جب نبیؐ اور اصحاب النبیؐ کے پاس سے کوئی حدیث ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے تھے، اور اہل کوفہ کے ائمہ اور صحابہ کرام کی احادیث کو کثرت سے جاننے والے تھے۔ اسی لئے امام صاحب کے اصول حدیث کو ایک جگہ جمع کر کے ہم نے امام اعظم کے اصول حدیث کے عنوان سے الگ ایک رسالہ مرتب کیا ہوا ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے اور عام و خاص کے لئے علمی راہنمائی و استفادہ کا باعث بنائے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا اس سے یہ بات تو معلوم ہو گئی ہے کہ صحیح احادیث عمل کے لئے اختیار کر لی جائیں لیکن اس بات کا علم عقائد سے کیا تعلق ہے جو یہاں علم عقائد کے شروع میں یہ صحیح حدیث والی بات بیان کی جا رہی ہے؟؟؟

توضیح: اس سوال کی توضیح کو ہم تین درجات میں بیان کریں گے:

پہلی بات: حضرت امام اعظم کے نزدیک صحیح حدیث وہ ہے جو عام محدثین کی نظر میں درجہ تواتر تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ عام محدثین صحیح حدیث کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں:

فالصحيح ما ثبت بنقل عدل تام الضبط ، غير معلل ولا شاذ

(مقدمۃ المشکوٰۃ)

صحیح وہ حدیث ہوتی ہے جس کو نقل کرنے والے عادل و ضبط تام والے افراد ہوں، اور ان میں کوئی راوی کسی قسم کی تعلیل یا انفرادیت سے محفوظ ہو۔

لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں جس کی امام صاحب کے پاس سو سے زیادہ اسناد موجود ہوں، اور عام محدثین کے نزدیک متواتر وہ حدیث ہوتی ہے۔

وان بلغت رواه في الكثرة الى ان يستحيل العادة تو اطمئنا على

الكذب (مقدمۃ المشکوٰۃ: ۶)

”جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے

جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے“ (خیر الاصول: ۳)

دوسری بات: علم عقائد کے اصول میں سے دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ عقیدہ حدیث متواترہ سے ثابت ہوتا ہو، پس جب کوئی بات کسی حدیث متواترہ سے معلوم ہو جائے وہ عمل کے لئے کافی ہے۔

تیسری بات: عمل دو قسم کا ہوتا ہے یا وہ عمل از قسم عمل جسمانی ہوگا اور یا وہ عمل از قسم اعتقادی و ازعانی باطنی ہوگا پس حدیث صحیح ہمارے نزدیک عمل کے لئے بنیاد یا سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے مزید وضاحت کے لئے ہماری کتاب اصول الدین از امام ابوحنیفہ ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک اہم ترین مسئلہ درپیش ہے جس کو حل کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ امام اعظم کی فقہ اکبر کون سی کتاب ہے؟ کیونکہ فقہ اکبر نام کی دو کتابیں ہیں اور دونوں کا انتساب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف ہے ان میں سے ایک کے راوی امام اعظم کے صاحبزادے حضرت حماد بن ابی حنیفہ ہیں اور اس کی شرح کرنے والوں میں سب سے معروف نام ملا علی قاری ہروی کا ہے جبکہ دوسری فقہ اکبر کے راوی حضرت امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی ہیں اور اس کی سب سے معروف شرح ابواللیث سمرقندی کی ہے جس کو غلطی سے بعض علماء نے امام ابو منصور ماتریدی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ایک طبقے کا یہ دعویٰ ہے ”وہ فقہ اکبر جس کے راوی حماد بن ابوحنیفہ ہیں اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے وہ امام اعظم کی کتاب نہیں ہے“ اور اس مسئلے کی شدت اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب ہم اس میں اپنے ہی اکابر کو مختلف الحیال دیکھتے ہیں اور موافق و مخالف دونوں اطراف میں ہم خود ہی کھڑے نظر آتے ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھتے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بستہ دعا ہے کہ میرے اس عمل کو خالص اپنی ذات کے لئے قبول فرمائے اور امت محمدیہ میں اتفاق اور یگانگت پیدا کئے جانے کا سامان بنائے آمین

## کیا فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے

- ۱- کیا فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے یا نہیں؟
  - ۱۲- اگر امام اعظم کی تصنیف ہے تو وہ کون سی فقہ اکبر ہے آیا امام حماد والی جس کی شرح ملا علی قاری کی ہے یا ابو مطیع بلخی والی جس کی شرح ابواللیث سمرقندی نے کی ہے؟
- اس کے بارے میں ہمارے سامنے چار رائے آتی ہیں جن کو ہم قارئین کی سہولت کے لئے مختصر انداز میں پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد اصل مدعا کی طرف متوجہ ہوں گے۔
- پہلی رائے: یہ ہے کہ کوئی بھی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔
- دوسری رائے: یہ ہے کہ امام حماد والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن اس سے زیادہ کی وضاحت نہیں ہے۔
- تیسری رائے: یہ ہے کہ امام ابو مطیع والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن امام حماد والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔
- چوتھی رائے: یہ ہے کہ فقہ اکبر چاہے امام حماد والی ہو یا امام ابو مطیع بلخی والی دونوں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔
- مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل یوں ہے:
- نوٹ: اس موقع پر یہ بات واضح ہونا از حد ضروری ہے کہ امام حماد والی فقہ اکبر کا نام کبھی تو فقہ اکبر حمادی اور کبھی فقہ اکبر ملا علی قاری کا نام لے کر بیان کی جائے گی اسی طرح فقہ اکبر امام ابو مطیع بلخی والی کبھی تو فقہ اکبر مرویہ اور کبھی فقہ اکبر ابو مطیع بلخی اور کبھی فقہ اکبر سمرقندی والی اور کبھی فقہ اوسط کے نام سے ذکر کی جائے گی اس لئے پہلے سے یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہئے تاکہ بعد میں الجھن پیدا نہ ہو)
- پہلی رائے: فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔



اس رائے کے حاملین افراد میں سب سے معروف ایک تو فرقہ معتزلہ کے لوگ تھے، دوسرے علامہ شبلی نعمانی، اور تیسرے اکثر مستشرقین یورپ ہیں: فرقہ معتزلہ کا ان کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ان کا رکنے پر جو پس منظر ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

جس کی تفصیلات علامہ کردری یوں بیان فرماتے ہیں:

فان قلت : لیس لابی حنیفۃ کتاب مصنف؟

قلت : هذا كلام المعتزلة ، ودعواهم انه لیس له فی علم الکلام

تصنیف ، و غرضهم بذلك نفی ان یکون الفقه الاکبر و کتاب

العالم و المتعلم له . (الکردری المناقب صفحہ: ۱۰۸ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

گر تو یہ سوال کرے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے؟

تو میں جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ یہ رائے معتزلہ کی ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ

امام صاحب کی کوئی تصنیف شدہ کتاب نہیں ہے، اور اس دعویٰ کے پیچھے ان کی غرض یہ ہوتی

ہے کہ الفقه الاکبر اور العالم و المتعلم کی امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کی جائے کہ یہ

کتب امام صاحب کی نہیں ہیں،

ان کے اس دعوے کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اہل السنۃ والجماعت کے اکثر

اصول و ضوابط کی تفصیل ان کتب میں ذکر فرمادی ہے اور معتزلہ کے دعویٰ کی اصل یہ ہے کہ

چونکہ امام صاحب خود معتزلہ تھے لہذا اس قسم کی کوئی کتاب امام صاحب نے تحریر نہیں فرمائی

بلکہ بقول ان کے یہ ابوحنیفہ البخاری کی تصنیف ہے جبکہ یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ

بقول علامہ کردری ”میں نے علامہ برائقینی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دونوں کتب اپنی آنکھوں

سے دیکھی ہیں اور ان پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا ہے یہ دونوں امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ ہیں، اور

اس بات پر امت کے علماء کی ایک کثیر جماعت کا اجماع چلا آ رہا ہے جس کا خلاف کرنا ممکن

نہیں ہے۔

اور علامہ شبلی فقہ اکبر کے تعارف میں فرماتے ہیں:

”فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر رسالہ ہے مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے، یہ رسالہ چھپ گیا اور ہر جگہ مل سکتا ہے لوگوں نے اس پر شرح بھی لکھی ہیں، مثلاً محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی ۹۳۵ھ، مولی الیاس بن ابراہیم السنوی، مولی احمد بن محمد المغنیساوی، حکیم اسحاق، شیخ اکمل الدین، ملا علی قاری، ملا علی قاری کی شرح متداول ہے یعنی اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں، حکیم اسحاق کی شرح کو ابوالبقاء احمد نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں“

اس دعویٰ کے بعد علامہ شبلی نعمانی ہی چند صفحات پر مشتمل بحث میں یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے، اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں جو دلائل آپ نے پیش فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یوں ہے:

آپ فرماتے ہیں فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی، عبدالعلی بحر العلوم، و شارحین فقہ اکبر نے امام صاب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مشکل سے ہم یقین کر سکتے ہیں:

(۱) فقہ اکبر جو امام حماد بن ابوحنیفہ کی روایت سے ہے اس کے رد میں علامہ شبلی کی تحقیقات کا خلاصہ یوں ہے:

۱- یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔

۲- یہ کتاب بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے۔

۳- ایک جگہ اس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

- (۲) وہ اکبر جو امام ابو مطیع حکم بلخی کی روایت سے ہے اس کے رد میں فرماتے ہیں:
- ۱- اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا..... ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں معتبر نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک (تنقید) کی ہے۔ اگرچہ میں ان کو کلیتاً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی، میرا خیال ہے کہ ابو مطیع نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلم بند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔
  - ۲- میرا یہ بھی خیال ہے فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔

- ۳- بلاشبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔
- (سیرۃ النعمان: ۵۲، ۸۶: اسلامی کتب خانہ لاہور (و) ۱۳۱، ۱۳۹: مطبوعہ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور)

دکٹر محمد بن عبدالرحمن النخیس اصول الدین عند ابی حنیفہ کے حاشیے میں رقم طراز ہیں:

”ممن تکلم فی نسبة هذه الكتب الى الامام ابی حنیفہ من الكتاب المعاصرین ’کارل برو کلمان‘، فقد نفی نسبة هذه الكتب کلها الى ابی حنیفہ، وتبعه علی ذلك ’فؤاد سیزکین‘، حیث یری ان هذه الكتب من عمل تلامذة الامام ابی حنیفہ رحمة الله تعالیٰ سوی رسالته الى عثمان البتی، فانها من عمل یده، اما ’ارندجان ونسنگ‘ فقد نفی صحة كتاب الفقه الاکبر و صحح نسبة الفقه الاوسط الیه، وتابعه ’محمد ابوزهره‘ فی تشکیک فی نسبة الفقه الاکبر الى الامام ابی حنیفہ، اما ’احمد امین‘ فیری ان الفقه الاکبر الذی بین ایدینا اساسه

صحيح النسبة الى ابي حنيفة و انه زيد عليه؛

انظر تاريخ الادب العربي لبروكلمان ۲۳ ج ۳، وتاريخ  
التراث لفؤاد سيزكين ۳۱، ۳۲ ج ۲ وعقيدة الاسلام ۱۱۶،  
۱۲۳ وكتاب ابو حنيفة وآراؤه الفقهية لابي زهرة  
۱۸۶، ۱۸۷ وضحى الاسلام لاحمد امين ۱۹۸ ج ۱“

(اصول الدين: ۱۱۵)

مستشرقین میں سے جن لوگوں نے امام اعظم کی طرف ان کتب کی نسبت سے بحث کی ہے ان میں کارل بروکلمان وہ شخص ہے جس نے تاریخ الادب العربی ۲۳ ج ۳ میں ان کتب کی امام صاحب کی طرف نسبت سے ان کا کیا ہے، اور اس کی پیروی کرتے ہوئے ’فؤاد سیزگین‘ نے تاریخ التراث ۳۱، ۳۲ ج ۲ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتب امام صاحب کے تلامذہ کی مرتب کردہ ہیں سوائے عثمان البتی کے نام لکھے ہوئے خط کے، کیونکہ وہ امام صاحب کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ اور ارٹڈ جان ونسک کے بارے میں صاحب عقیدۃ الاسلام ۱۱۶، ۱۲۳ نے لکھا ہے کہ اس نے فقہ اکبر کی امام صاحب کی طرف نسبت کرنے سے ان کا کیا ہے لیکن فقہ اہل بیت کو امام صاحب کی تصنیف مانا ہے اور استاد ابو زہرہ نے اپنی کتاب ابو حنیفہ وآراؤہ الفقہیہ ۱۸۶، ۱۸۷ میں فقہ اکبر کے امام صاحب کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں شک ظاہر کر کے انہی کی تقلید کی ہے، البتہ احمد امین، مصری نے صحیح الاسلام ۱۹۸ ج ۱ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ فقہ اکبر جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے۔

دوسری رائے، دونوں فقہ اکبر امام اعظم کی تصانیف ہیں:

دوسری رائے اس رائے کے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ یہ ہے کہ فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن اس دعوے میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون سی فقہ اکبر ہے؟

دوسرا حصہ یہ ہے کہ دونوں فقہ اکبر چاہے امام حماد کی روایت کردہ ہو یا امام ابو مطیح بلخی

کی روایت کردہ ہوں دونوں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔

دوسری رائے کا پہلا حصہ:

شیخ ابن ندیم نے اپنی معروف زمانہ کتاب بنام فہرست میں فرمایا:

وللامام رحمہ اللہ تعالیٰ الفقه الاکبر ، و کتاب رسالۃ البتی ،

و کتاب العالم والمتعلم رواہ عنہ ابو مقاتل ، و کتاب الرد علی

القدریہ ، و العلم براً وبحراً ، شرقاً وغرباً وقرباً وبعداً ، تدوینہ

رضی اللہ عنہ

اور امام اعظم کی تصانیف میں سے ’فقہ اکبر‘ ’رسالہ بنام عثمان البتی‘ ’عالم و متعلم‘ ’رسالہ

رد علی قدریہ‘ ہیں، اور بروجر، مشرق و مغرب، دور و نزدیک، ہر طرف پھیلا ہوا علم آپ ہی کی تدوین کا ثمرہ ہے۔

ان دونوں فقہ اکبر نامی کتب میں حضرت امام اعظم نے اہل السنّت والجماعت کے

عقائد و نظریات کی توضیح و تشریح کی ہے، اور اس زمانے میں موجود بعض فرق باطلہ کے عقائد

و مزعومات کی تردید و تنقید کی ہے۔ اور ان کے بارے میں یہ رائے دینا کہ

”امام اعظم کی کوئی کتاب نہیں ہے یہ دراصل معتزلہ کی اڑائی ہوئی بات ہے، اس امر

میں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ حضرت امام اعظم کی تمام تصانیف سے اعتماد ختم کرنا چاہتے

تھے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ امام اعظم نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی“

علامہ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں:

هذا کلام المعتزلة ودعواهم انه ليس له في علم الکلام له

تصنيف (الجواهر المضیة: ۲۶۱ ج ۲)

یہ معتزلہ کی طرف سے اڑائی ہوئی بات ہے اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام

میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔

اور ان کے اس دعوے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام اعظم کے نام کو اپنے مزموم مقاصد کی

اشاعت کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

اسی طرح کی بات علامہ بیاضی نے بھی ارشاد فرمائی:

آپ فرماتے ہیں:

”وانما انکرھا المعتزلة ونسبوھا الی محمد بن یوسف البخاری

المعروف بابی حنیفة لما فیھا من ابطال اصولھم الزائغة“

(اشارات المرام: ۲۳)

اور اس بات کا معتزلہ نے ان کا کیا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے اور انہوں نے اس کو محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف قرار دیا ہے جن کی کنیت ابوحنیفہ تھی۔ اور معتزلہ کی طرف سے اس طرح کی حرکت کے وجہ یہ تھی ان کتابوں سے ان کے مزعومات کا رد ہوتا تھا اس لئے انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ امام صاحب نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔

اور اسی طرح کی بات علامہ کروری نے بھی کہی ہے ان کے الفاظ یوں ہیں:

فان قلت لیس لابی حنیفة کتاب مصنف؟ قلت هذا کلام

المعتزلة، ودعویہم انه لیس له فی علم الکلام تصنیف،

وغرضہم بذلك نفی ان یکون الفقہ الاکبر و کتاب العالم

والمتعلم له (المناقب لکروری: ۱۰۸)

اگر یہ کہے کہ امام صاحب کی تصنیف کہ کوئی کتاب نہیں ہے؟ تو میں یوں کہوں گا کہ یہ

معتزلہ کا کلام ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔

معتزلہ کے اس قول کی وجہ یہ ہے وہ فقہ اکبر اور العالم و المتعلم کی امام صاحب کی تصنیف شدہ

کتاب ہونے سے نفی کرنا چاہتے تھے



دوسری رائے کا دوسرا حصہ اور یہی ہماری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فقہ اکبر امام

ابو مطیع بلخی والی اور امام حماد بن امام ابو حنیفہ والی ہو امام اعظم کی تصانیف میں سے ہیں۔ ہمارے اس دعوے کے پس منظر میں علامہ عبدالرشید نعمانی، مولانا محمد حسن خان ٹونکی، علامہ زاہد الکوثری، علامہ عبدالعزیز حنفی، علامہ بیاضی اور دکتور محمد بن عبدالرحمن الخمیس، علامہ محمد علی کاندھلوی، وہبی سلیمان غاوجی، اور علامہ ظفر احمد عثمانی کے خیالات قابل ذکر ہیں:

ہم نے اس موضوع پر دیکھا ہے کہ جتنے حضرات نے بھی ایک فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مان کر دوسری کا ان کا کیا تھا ان کی بنیادی طور پر درج ذیل وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ تھی:

- (۱) بعض حضرات نے ایک کتاب سے آگہی اور دوسری تک نارسائی کی وجہ سے ایک کتاب کا امام اعظم کی تصنیف ہونے سے ان کا کیا اور دوسری کا اقرار کیا ہے۔
- (۲) بعض حضرات نے ان کتب میں مذکور ایک مسئلے سے اتفاق یا عدم اتفاق کی وجہ سے ایک کا امام اعظم کی تصنیف ہونے سے اقرار اور دوسری کا ان کا کیا ہے۔
- (۳) بعض حضرات نے ان نسخوں کی اسناد کو دیکھ کر ایک کی نسبت امام اعظم کی طرف جائز خیال کی اور دوسری کی نا جائز سمجھی۔
- (۴) بعض حضرات نے تقلید محض کی وجہ سے ایک کتاب کے امام اعظم کی تصنیف ہونے کا اقرار اور دوسری کا ان کا کیا ہے۔

ہمارا موقف جن حضرات کے خیالات سے ثابت ہوتا ہے انہوں نے ہر دو کتب کو سامنے رکھا اور ان کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل میں پیش خدمت ہے:

- (۱) علامہ زاہد الکوثری نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ تمام کتب حضرت امام اعظم کی ہی ہیں لہذا 'العالم والمکتعلم' کی تحقیق کے ساتھ مقدمہ میں آپ نے ان کی اسناد سے بحث کی ہے جس کو یہاں ذکر کرنا موضوع کو طویل کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا خلاصہ یوں ہے کہ فقہ اکبر حمادی ہو یا فقہ اکبر مطیعی،

یا العالم و المتعلم ہو یا رسالہ بنام عثمان البتی، یا وصیت عامہ تمام حضرت امام کی تصانیف ہیں اس میں ان کے مضامین کے پیش نظر کوئی ایسی بات نہیں جس سے ایک کا ان کار اور دوسری کا اقرار کیا جائے۔

علامہ زاہد الکوثری ایک جگہ فرماتے ہیں:

ومما يذكر من مؤلفات الاقدمين من كتب ابي حنيفة رحمه الله تعالى 'كتاب الرأي' ذكره ابن ابي العوام وكتاب 'اختلاف الصحابة' ذكره ابو العاصم العامري ومسعود بن ابي شيبة و'كتاب الجامع' ذكره العباس بن مصعب في تاريخ مرو و'كتاب السير' و'كتاب الاوسط' و'الفقه الاكبر' و'الفقه الاوسط' و'كتاب العالم والمتعلم' و'كتاب الرد على القدرية' و'وله رسالة الى عثمان البتي في الارحاء، وعدة وصايا كتبها لعدة من اصحابه' وهذه الكتب المشهورة (سيرة امام الشيباني: ۱۸)

قدیم احباب میں سے امام اعظم کی کتب کی فہرست جن لوگوں نے مرتب کی ہے اس میں ابو العوام کے بقول 'كتاب الرأي' ابن ابو العاصم کے بقول 'اختلاف الصحابة' اور عباس بن مصعب کے بقول 'كتاب الجامع' اور علاوہ ازیں 'كتاب سير' 'فقہ اکبر' 'فقہ اوسط' 'كتاب عالم و متعلم' 'كتاب رد قدرية' مسئلہ ارچاء میں امام صاحب کا عثمان البتی کے نام ایک رسالہ، اور متعدد احباب کے نام متعدد وصیتیں، امام اعظم نے تحریر فرمائی ہیں، یہ امام صاحب کی مشہور کتب ہیں۔

علامہ زاہد الکوثری اشارات المرام کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

"ومن الكتب المتوارثة عن ابي حنيفة في العقيدة كتاب الفقه الاكبر رواية ..... وكتاب الفقه الاوسط رواية ..... والعالم والمتعلم رواية ..... ورساله ابي حنيفة الى البتي



روایۃ ..... ولابی حنیفۃ و صایا آخری لعدۃ من اصحابہ“

(اشارات المرام: ۶)

امام ابوحنیفہ سے علم عقاید میں ہمیں بطور علمی وراثت جو کتب ملی ہیں، ان میں سے ایک توفیق اکبر ہے..... دوسری کتاب فقہ اوسط ہے..... اور العالم والمتعلم ہے..... اور ایک رسالہ ہے جو عثمان بتی کے نام آپ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کے علاوہ بھی کچھ وصایا ہیں جو آپ نے اپنے مختلف تلامذہ کو تحریر فرمائی تھیں۔

اس عبارت میں جو خالی جگہیں ہیں اس مقام پر علامہ کوثری نے ان کتب کی اسناد اور ان کے مخطوط دنیا میں جہاں محفوظ ہیں ان کے بارے میں تفصیلات ذکر کی ہیں۔

اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے علامہ کوثری فرماتے ہیں:

شرحہ بعض الحشویۃ ، و دست کلمۃ من الشرح فی روایۃ عبد اللہ الہروی المجسم فی ( الفاروق ) باسم الفقہ الاکبر ، فتناقلها الحشویۃ مدى الدهور ، وهی مدرجة فی الروایۃ ، کما

یظہر من شروح اہل السنۃ للکتاب

اس کی بعض اہل حشو نے شرح لکھی ہے، اور عبد اللہ ہروی جو اہل مجسمہ میں سے ہے اس نے الفاروق نامی کتاب میں الفقہ الاکبر کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے اور ایک زمانے سے اسی عبارت کی نقل و نقل ہوتی چلی آرہی ہے اور یہ بات اہل السنۃ کی شروح سے صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے

(۲) دکتور محمد بن عبدالرحمن الخمیس: ان احباب میں سے ہیں جنہوں نے اسناد کی بنا پر ان رسائل کو قبول یا رد کرنے کا معیار مقرر فرمایا ہے آپ نے جامعہ ملک سعود سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے اصول الدین عند الامام ابی حنیفۃ کے عنوان پر مقالہ لکھا ہے، اور انہوں نے اس مقالے میں بادل نحو استہ ان کتب کو امام اعظم کی تصانیف ہونا ہی تسلیم کیا ہے اور جن لوگوں نے ان کو امام اعظم کا تسلیم نہیں کیا ان میں زیادہ تر مستشرقین ہیں جن کی

تفصیل انہوں نے حاشیے میں تحریر فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

”ينتسب الى الامام ابى حنيفة الكتب التالية : ۱. الفقه الاكبر برواية حماد بن ابى حنيفة . ۲. الفقه الاكبر برواية ابى مطيع البلخي ويسمى بالفقه الايسط . ۳. العالم والمتعلم برواية ابى مقاتل السمرقندی . ۴. رسالة الامام ابى حنيفة الى عثمان البتي برواية ابى يوسف ۵. الوصية برواية ابى يوسف . واليك التعريف بكل كتاب مع بيان نسبة الى مؤلفه نستخرج منه النتيجة وهل هي صحيحة النسبة الى ابى حنيفة ام هي باطلة غير صحيحة“ (اصول الدين: ۱۱۵)

امام اعظم کی طرف جو کتب منسوب کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: ۱: فقہ اکبر حماد ابی ابوحنیفہ کی روایت کے ساتھ، ۲: فقہ اکبر ابو مطیع بلخی کی روایت کے ساتھ اور اس کو فقہ اہل بیت کا نام بھی دیا جاتا ہے، ۳: العالم والمتعلم ابو مقاتل سمرقندی کی روایت کے ساتھ، ۴: امام ابوحنیفہ کا عثمان بنی کے نام خط امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ، ۵: اور وصیت امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ اور آپ کے سامنے ہر ایک کتاب کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس کا انتساب امام اعظم کی طرف درست ہے اور کس کا درست نہیں ہے

دکتور صاحب فقہ اکبر کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وهي رساله تشتمل على اصول الدين ، كمسائل الصفات والايمان والقدر والنبوة والمعاد بعبارة سهلة وجيزة من غير ادلة تفصيلية ..... ونالت هذه الرسالة شهرة واسعة وتصدي لشرحها غير واحد من اهل العلم حتى بلغ عدد شروحيها حوالي خمسة عشر شرحا لازال كثيرا منها مخطوطا ما عدا شرحي القاري والمغناوي فهما مطبوعان (اصول الدين: ۱۱۶)

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو اصول دین کے مسائل پر مشتمل ہے جس میں مسائل صفات باری، ایمان، تقدیر، نبوت، معاد یوم المیعاد، کو مختصر لیکن آسان عبارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس میں تفصیلی دلائل نہیں بیان کئے گئے..... اور اس رسالے کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہو گئی ہے اور بہت سارے اہل علم نے اس کی شروحات بھی لکھی ہیں جن کی تعداد پندرہ کے قریب ہے اور ان میں سے اکثر مخطوط ہیں البتہ ان میں ملا علی قاری اور علامہ مغنساوی کی شرح طبع ہو گئی ہے

یہ تو دکتور صاحب کی تحقیق ہے لیکن اب تو اور بھی شروح چھپ چکی ہیں جن میں القول الفصل ترکی سے اور نور الظلم پشاور علامہ عبدالعلی فرنگی محلی المعروف بحر العلوم کی شرح کراچی سے چھپ گئی ہیں

اور مصنفین میں سے جس نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے ان کے نام بھی دکتور نے پیش کئے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے

ابن ندیم اپنی کتاب الفہرست: ۲۵۶ میں

عبدالقادر بغدادی الشافعی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق: ۲۲۰، اور اصول الدین:

۳۰۸ میں

ابوالمظفر اسفرائینی نے اپنی کتاب، التبصرة فی الدین: ۱۱۳ میں

بزدوی نے اپنی کتاب، اصول الدین میں اور کشف الاسرار: ج ۱ میں

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعہ فتاویٰ: ۴۶ ج ۵ میں

ابن القیم نے اپنی کتاب اجتماع جیوش الاسلامیہ: ۱۳۸ میں

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب المشتبه: ۱۳۷ ج ۱ میں

ابن ابی العز نے اپنی کتاب شرح عقیدة طحاویہ: ۴، ۵۰، ۱۰۸، ۱۵۳ میں

اسماعیل بغدادی نے اپنی کتاب ہدیة العارفين: ۴۹۵ ج ۲ میں

حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب کشف ظنون: ۱۲۸ ج ۲ میں

محمود شکر آلوسی نے اپنی کتاب غایۃ الامانی: ۲۲۸ ج ۱ میں  
 ان تمام حضرات نے امام اعظم کی اس فقہ اکبر کا تعارف پیش کیا ہے جو امام حماد بن ابی  
 حنیفہ کی روایت سے منقول ہے اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے، اور دکتور نے خود بھی  
 الفقہ المیسر کے نام سے اس کتاب کی شرح کی ہے جو مطبوع ہے اور سعودی عرب کی وزارت  
 شؤون الاسلامیہ اس کو حجاج کرام میں کئی بار تقسیم بھی کر چکی ہے۔  
 اور فقہ اکبر جو ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے اس کا تعارف کرواتے ہوئے دکتور  
 محمد انجیس فرماتے ہیں:

وهو رسالة يجيب فيها الامام ابو حنيفة، عن اسئلة تلميذه ابى  
 مطيع البلخي، وهي مغايرة تماما لرواية حماد بن ابى حنيفة،  
 حيث ان هذه الرسالة عبارة عن اجوبة مفصلة لاسئلة ابى مطيع،  
 بخلاف رواية حماد بن ابى حنيفة فهي عبارة عن عرض مجمل  
 وسهل لمسائل اصول الدين، والآراء التي تحتويها هذه الرسالة  
 لا تختلف غالبا عن الآراء الموجودة في رسائله الاخرى  
 المنسوبة اليه، غير انه اسهب في مسائل القضاء والقدر وبعض  
 مسائل الايمان، ويظهر. والله اعلم. انها ليست من تاليف  
 الامام مباشرة، بل من تاليف تلميذه ابى مطيع البلخي، جمع  
 فيها امالي الامام واقواله. لذا يقول الذهبي عن ابى مطيع البلخي  
 : (صاحب كتاب الفقه الاكبر)، فهي اشارة منه الى ان الكتاب  
 ليس من تاليف الامام رحمه الله تعالى، وانما هو تاليف ابى  
 مطيع البلخي. وكذا قال اللكنوي: (ابو مطيع صاحب ابى  
 حنيفة وصاحب كتاب الفقه الاكبر) (اصول الدين: ۱۲۰)

یہ ایک ایسا رسالہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ اپنے شاگرد ابو مطیع کے سوالات کے

جوابات دیتے ہیں، اور یہ فقہ اکبر حماد بن ابوحنیفہ والی فقہ اکبر سے بالکل مختلف ہے، اس لئے کہ اس رسالے میں سوال و جواب ہیں جبکہ حماد والے رسالے میں عقائد سے متعلق ایک سادہ اور مختصر تحریر ہے، ہاں اتنی بات ہے کہ ان رسائل میں عقائد کے لحاظ سے کوئی آپسی اختلاف نہیں ہے، البتہ اس رسالے میں قضا و قدر اور ایمان کے بارے میں بعض مسائل گہرائی سے بیان کئے گئے ہیں، اس سے یوں معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ حقیقت کو جانتا ہے۔ کہ یہ امام ابوحنیفہ کی براہ راست تصنیف نہیں ہے بلکہ ابو مطیع کی تصنیف ہے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کی امالی تیار کی ہے جس میں امام صاحب کے اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ذہبی جب ابو مطیع کا تعارف کرواتے ہیں ابو مطیع کو صاحب کتاب فقہ اکبر کہتے ہیں اس سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کی تالیف نہیں ہے بلکہ ابو مطیع کی تالیف ہے۔

اور اسی طرح لکھنوی نے بھی ابو مطیع کے تعارف میں لکھا ہے کہ ابو مطیع جو امام ابوحنیفہ کا ساتھی اور صاحب فقہ اکبر ہے، قبل ازیں کہ ہم دکتور صاحب کی اس کتاب کو امام اعظم کی کتاب نہ ماننے کی وجوہات کا جواب دیں انہوں نے اسی عبارت کے حاشیے میں ایک پیرا گراف لکھا ہے، جو قارئین کی نظر کرنا بہت مفید ہے دکتور فرماتے ہیں۔

وهو المطبوع باسم الفقه الاوسط تمیزاً له عن الفقه الاکبر بروایة حماد بن ابی حنیفة، ولم يعرف باسم الفقه الاوسط الا عند بعض الحنفیة المتأخرین، کالبیاضی فی اشارات المرام: ۲۸؛ والزبیدی فی اتحاف سادات المتقین ۱۲ ج ۱؛ وقد نقل منه ابن تیمیة فی الحمویة ضمن مجموعہ الفتاوی ۲۶ ج ۵؛ وابن قدامة فی العلو: ۱۰۱؛ وابن القیم فی اجتماع الجیوش: ۷۳.

والذہبی فی العلو: ۱۰۱؛ وسموہ الفقہ الاکبر؛ ہذا وقد نشرہ  
 محمد زاہد الکوثری فی القاہرہ سنۃ: ۱۳۳۸ھ؛ وطبع فی  
 الہند مع شرح محمد بن محمود الحنفی السمرقندی سنۃ  
 ۱۳۲۱ھ؛ ولہ كذلك شرح آخر بعنوان نظم الدرر فی شرح  
 الفقہ الاکبر تألیف عبید اللہ المفتی طبع: ۱۴۰۵ھ

(اصول الدین: ۱۱۹)

یہ رسالہ فقہ ابط کے نام سے بھی چھپا ہوا ہے اور اس کے اس نام سے حماد بن ابی حنیفہ  
 والی فقہ اکبر سے فرق کیا گیا ہے، اور فقہ ابط کا نام بعض متاخرین ائمہ احناف نے استعمال کیا  
 ہے، ان میں علامہ بیاضی، اشارات المرام: ۲۸ میں؛ اور علامہ زبیدی، اتحاف سادات  
 المتقین ۱۴ ج ۱ میں؛ اور انہی سے امام ابن تیمیہ نے الحمویہ میں مجموعہ الفتاویٰ ۴۶ ج ۵ کے  
 ضمن میں نقل کیا ہے؛ اور امام ابن قدامہ اپنی کتاب العلو: ۱۰۱ میں؛ اور امام ابن القیم نے اپنی  
 کتاب اجتماع الجیوش: ۳۷ میں نقل کیا ہے، اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب العلو: ۱۰۱ میں  
 ؛ اسی کو فقہ اکبر کے نام سے نقل کیا ہے؛

یہ تو ائمہ قدیم کی بات ہے لیکن جدید ائمہ واکابر میں سے اسی کتاب کو علامہ محمد زاہد  
 الکوثری نے قاہرہ سے سنۃ: ۱۳۳۸ھ میں فقہ ابط کے نام سے شائع کیا ہے؛ اور ہندوستان  
 کے حیدرآباد کن میں محمد بن محمود حنفی سمرقندی کی شرح کے ساتھ سنۃ: ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوئی ہے؛  
 اور اس کی ایک اور شرح ہے جو نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر کے عنوان سے عبید اللہ المفتی  
 کی تالیف ہے۔

دکتور محمد انجمیس اس کتاب سے دو وجہ سے اپنا اعتماد کھودیتے ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہے؟ ہم اس کا جواب  
 تو بعد میں مفصل دیں گے لیکن فی الوقت اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ بات صدر اول میں  
 کتب کی انداز تالیف سے دکتور صاحب کی ناآشنائی کا نتیجہ ہے کیونکہ مسند احمد بن حنبل بھی تو

ان کے بیٹے اور کئی دوسرے تلامذہ کی خامہ فرسائیوں کا نتیجہ ہے اسی طرح بخاری بھی تو کئی تلامذہ کے نسخوں کو سامنے رکھ کر اس مقام تک پہنچی ہے اسی طرح مؤطا امام مالک بھی تو پندرہ مختلف تلامذہ کی محنت کا ثمرہ ہے اور امام اعظم کو اگر ایسے تلامذہ میسر نہیں آئے جو ان کی سترہ مسانید کو جمع کرتے۔ اس سے یہ تو نہیں اخذ جاسکتا کہ وہ مسانید یا وہ کتب جو امام اعظم کی صحبت سے فیض یابی کا نتیجہ ہیں وہ امام اعظم کی تصنیف ہی نہیں ہیں۔ اصل میں صدر اول میں تمام اساتذہ اپنے تلامذہ کو ان کا سبق املاء ہی کروایا کرتے تھے۔ بعد میں کوئی صاحب فن اس کو مرتب کر لیا کرتا تھا اس طرح کتاب وہ اسی مصنف کی ہوتی تھی جس نے اس کو لکھوایا ہوتا۔ اسی طرح فقہ اکبر یا فقہ اہل اہل حضرت امام ہی کی کتاب ہے اس کو جمع کرنے یا مرتب کا کام ابو مطیع بلخی کے حصے میں آیا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ کہ ابو مطیع بلخی پر جو تنقید کی جاتی ہے:

”فاهل العلم متفقون علی انه لا یحتج بہ فی الروایة لكونہ متھما ، بل کذبہ ابو حاتم ، و تابع اهل العلم علی تضعیفہ ، فمثله لا یعتمد علیہ“ (اصول الدین: ۱۲۳)

کہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ ان کو متہم راوی کہا گیا ہے اور ابو حاتم نے ان کی تکذیب کی ہے۔ اکثر اہل علم نے ان کی تضعیف کی ہے

اگر اس تنقید کو بظنی بر حقیقت مان بھی لیا جائے تو یہ ساری تنقید ان کے روایت حدیث کے حوالے سے ہے جبکہ علم فقہ میں انکو امام قرار دیا جاتا ہے اور ان کے اس رسالے میں مذکور مسائل کو تو دکتور صاحب خود فرما چکے ہیں

”والآراء التي تحتویها هذه الرسالة لا تختلف غالباً عن الآراء الموجودة فی رسائله الاخری المنسوبة اليه ، غیر انه اسهب فی مسائل القضاء والقدر وبعض مسائل الايمان“ (اصول الدین: ۱۲۰)

اس رسالے میں جتنے مسائل مذکور ہیں وہ دوسرے رسائل میں مذکور مسائل سے مختلف نہیں ہیں اگرچہ اس رسالے میں قضا و قدر اور بعض مسائل ایمان کو وسعت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں دکتور صاحب تنقید کس بنا پر فرما رہے ہیں۔ اگر ان کے بیان کردہ مسائل امام صاحب کی طرف منسوب دوسری کتب سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ بعض مسائل میں ابو مطیح نے زیادہ وضاحت کی ہے تو یہ شخصیت قابل اعتماد ہونی چاہئے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ائمہ رجال نے ان پر تنقید کی ہے تو اس سلسلے میں مقدمے میں حضرت الاستاذ سرفراز صفر کی تحقیقات قابل دید اور تبرید نواظر ہیں۔

(۳) علامہ وہبی سلیمان غاوجی امام اعظم کی سوانح 'ابو حنیفۃ النعمان' میں آپ کی تالیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے مقدمہ تعلیم کی تعلقات مصنفہ علامہ عبد الرشید نعمانی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لقد ثبت انه رحمه الله تعالى الف في علم الكلام الفقه الاكبر  
والفقه الاوسط و كتاب العالم والمتعلم و كتاب الرسالة الى  
مقاتل بن سليمان صاحب التفسير ، و كتاب الرسالة الى عثمان  
فقيه بصرة ، و كتاب الوصية وهي وصايا عدة لاصحابه رحمهم  
الله تعالى (ابو حنیفۃ النعمان: ۲۸۲)

یہ بات ثابت ہے کہ امام اعظم نے علم کلام میں فقہ اکبر، فقہ اوسط، کتاب العالم والمتعلم، ایک رسالہ مقاتل بن سلیمان صاحب تفسیر کے نام اور ایک رسالہ فقیہ بصرہ عثمان بنی کے نام اور اپنے متعدد احباب کے نام مختلف وصیتیں تحریر فرمائی ہیں۔

(۴) علامہ یوسف عبدالرزاق محقق اشارات المرام اپنی اسی تحقیق کے مقدمے میں تحریر کیا ہے:

شرح به مختصره الموسوم "بالاصول المنيفة للامام ابى حنيفة



“الذی جمعہ من نصوص کتب الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ ،  
التي املاها علی اصحابہ من الفقہ الاکبر روایۃ ابنہ حماد ،  
والفقہ الابسط روایۃ ابی مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی ،  
والوصیۃ ، والرسالة الی ابی عثمان البتی فی الارجاء ، کلتاهما  
روایۃ الامام ابی یوسف الانصاری ، والعالم والمتعلم روایۃ ابی  
مقاتل حفص بن سلم السمرقندی . (اشارات المرام: ۱۲)

علامہ بیاضی نے اپنے اس مختصر رسالے موسوم ”اصول منیفة“ کی شرح لکھی یہ رسالہ  
انہوں نے امام صاحب کی کتب کی عبارات میں سے جمع کیا تھا جس کو خود امام صاحب نے  
اپنے تلامذہ کے ذریعے لکھوایا تھا، اس میں امام صاحب کی کتب میں سے ایک توفیق اکبر ہے  
جس کو امام صاحب کے بیٹے حماد نے روایت کیا تھا؛ اور فقہ ابسط جس کو امام ابو مطیع بلخی نے  
روایت کیا ہے؛ اور وصیت اور رسالہ بنام عثمان بنی جو مسئلہ ارجاء پر لکھا تھا یہ دونوں امام ابو  
یوسف کی روایت کے ساتھ منقول ہیں؛ اور العالم والمتعلم جو ابو مقاتل کی روایت کے ساتھ  
منقول ہے۔

### (۵) شارح عقیدہ طحاویہ کا دعویٰ:

شارح عقیدہ طحاویہ علامہ عبد المعز (حنفی مذہب، حنبلی عقیدتاً) نے اپنی کتاب شرح  
عقیدہ طحاویہ میں چار مقامات پر اسی ملا علی قاری والے نسخے سے استدلال کیا ہے اور ایک  
مقام پر ابو مطیع والے نسخے سے استدلال کیا ہے:

پہلا مقام:

”فانه لما كان علم اصول الدين اشرف العلوم اذ شرف العلم  
بشرف المعلوم ، وهو الفقہ الاکبر بالنسبة الی فقہ الفروع ،  
ولهذا سُمی الامام ابو حنیفہ رحمه الله تعالى ما قاله وجمعہ فی  
اوراق من اصول الدين الفقہ الاکبر “ (شرح عقیدة الطحاویہ ص ۴)

لہذا جب علوم میں سے افضل ترین علم اصول الدین کا علم ہے اور وجہ یہ ہے کہ کسی علم کی فضیلت اس کے ذریعے جانے والی شخصیت کے لحاظ سے ہے اسی لئے فروعات کی فقہ کے مقابلے میں اس کو فقہ اکبر کہا گیا ہے، اور اسی لئے امام اعظم نے جو کچھ کہا ہے، اور جو کچھ ان کے تلامذہ نے ان کے کہے ہوئے کو اوراق میں جمع کیا ہے اس کو اصول دین کے نام سے جمع فرمایا ہے، اور یہی وہ کتاب ہے جو بعد میں فقہ اکبر کہلاتی ہے“

اس عبارت میں چونکہ کسی خاص مسئلے کی وضاحت نہیں ہے اس لئے یہاں سے کوئی مخصوص نسخہ مراد لینا درست نہیں ہے۔

دوسرا مقام: ”امام ابوحنیفہؒ کا فقہ اکبر میں اس طرح کلام ہے:

لا یشبہ شیئاً من خلقہ.... و صفات کلھا خلاف صفات  
المخلوقین ”یعلم لا کعلمنا ویقدر لا کقدرتنا و یری لا کرؤ  
یتنا...“ (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۵۰)

اس کی مخلوقات میں سے اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے۔۔۔۔ اور اس کی ساری صفات اس کی مخلوقات کی صفات کے خلاف ہیں، وہ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح نہیں جانتا، اور وہ قدرت رکھتا ہے لیکن ہماری طرح کی قدرت نہیں رکھتا، اور وہ دیکھتا ہے لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں دیکھتا۔

یہ مسئلہ ابو مطیع والی فقہ اکبر میں موجود نہیں ہے البتہ حماد بن ابوحنیفہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

تیسرا مقام:

شارح عقیدہ طحاویہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت بیان کرنے کے دوران ارشاد فرماتے ہیں:

”بل کلام اللہ محفوظ فی الصدور، مقروء باللسن، مکتوب فی  
المصاحف“ (شرح عقیدۃ طحاویہ: ۱۰۸)

بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام سینوں میں محفوظ ہوتا ہے زبانوں سے تلاوت کیا جاتا ہے، اور مصاحف میں لکھا جاتا ہے۔

یہ عبارت بھی امام ابوحنیفہ کی ملا علی قاری والی فقہ اکبر میں ہے ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر میں نہیں ہے۔

چوتھا مقام:

شراح عقیدہ طحاوی اس مقام پر جہاں اللہ تعالیٰ کے اعضاء کا تذکرہ ہے وہاں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”امام ابوحنیفہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں

”لہ ید و وجہ و نفس کما ذکر تعالیٰ فی القرآن من ذکر الید

و الوجہ و النفس فهو له صفة بلا کیف و لا یقال ان یدہ قدرتہ

و نعمتہ لان فیہ ابطال الصفة (شرح عقیدہ طحاویہ: ۱۵۳)

اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ ہیں چہرہ ہے نفس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہاتھ چہرے اور نفس کے بارے میں بیان کیا ہے، اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو بلا کسی کیفیت کے ہیں، اس کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مراد ان کی قدرت یا نعمت کا ہاتھ ہے کیونکہ ایسا گمان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا بطلان لازم آتا ہے۔

یہ مذکورہ مسئلہ اگرچہ فقہ اکبر اور فقہ اوسط دونوں میں منقول ہے لیکن الفاظ صرف امام حماد والی فقہ اکبر میں مذکور ہیں؛ یہی رائے ہماری طرف سے ہے اب اور اگر کوئی صاحب اتنی واضح بات کو بھی تسلیم نہ کرے تو اپنی ہٹ دھرمی کا جواب دینا اس کا حق ہے؟

پانچواں مقام:

ایک مقام پر شیخ عبد المعز نے فقہ اکبر ابو مطیع بلخی سے استدلال کیا ہے، آپ شرح عقیدہ طحاویہ میں باری تعالیٰ کے استوی علی العرش کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہ سأل ابا حنیفة عن قال : لا اعرف ربی فی السماء ام فی

الارض فقال قد كفر لان الله يقول ﴿الرحمن على العرش استوى﴾ وعرشه فوق سبع سماواته . قلت : فان قال انه على العرش ولكن لا ادرى العرش فى السماء ام فى الارض قال هو كافر لانه انكر انه فى السماء فمن انكر انه فى السماء فقد كفر ، وزاد غيره : لان الله فى اعلى العليين وهو يدعى من اعلى لا من اسفل (شرح عقيدہ طحاویہ: ۲۲۰)

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ایسا شخص کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿رب رحمن عرش بریں پر مستوی ہوا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے پوچھا: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے تو اس کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس نے عرش کے آسمانوں پر ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور جو شخص عرش کے آسمانوں میں ہونے سے انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ (بعض نسخوں میں عبارت کا مزید اس طرح اضافہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلى العلیین میں ہیں اور ان سے دعا بھی اوپر کی طرف منہ کر کے مانگی جاتی ہے نہ کہ نیچے کی طرف منہ کر کے۔

یہ عبارت فقہ اکبر مرویہ میں مذکور ہے لیکن فقہ اکبر ملا علی قاری میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیخ دونوں فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مانتے ہیں

(۶) علامہ بیاضی نے امام اعظم کی علم کلام پر جن کتب کی نشان دہی کی ہے وہ تعداد میں پانچ ہیں اور انہی پانچ کتابوں کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک نیا متن مرتب کیا تھا جس کا نام

’الاصول المنیفة للامام اعظم ابی حنیفہ‘ ہے اور وہ بھی مطبوعہ ہے اور اس کے بعد اس کی خود ہی ایک شرح لکی جس کا نام ’اشارات المرام من عبارات الامام اور علامہ یوسف عبدالرزاق کی تحقیق کے ساتھ مصر سے ۱۹۴۹ء علامہ زاہد الکوثری کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس میں تینوں احباب نے اس بات کا اصرار کیا ہے کہ

امام اعظم نے علم کلام کے موضوع پر متعدد کتب تحریر فرمائی ہیں جن میں سے (۱): فقہ اکبر، (۲): فقہ اوسط، (۳): العالم والمتعلم، (۴): رسالہ بنام عثمان بنی، (۵): الوصیة، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

علامہ بیاضی اصول منیفة میں لکھتے ہیں:

”فهذا ما سئلت جمعه وترتبه وتهذيبه عن المكررات ، وتقريبه من الاصول المنیفة للامام ابی حنیفة ، جمعتها من نصوص كتبه التي املاها على اصحابه من الفقه الاكبر ، والفقه الاوسط ، وكتاب العالم ، والوصیة ، برواية الامام حماد بن ابی حنیفة ، وابی يوسف الانصاری ، وابی مطيع الحكم بن عبد الله البلخي ، وابی مقاتل حفص بن سلم السمرقندی“ (الاصول المنیفة:)

یہ وہ رسالہ ہے جس کو جمع کرنے اور مرتب کرنے کے بارے میں اور ان میں سے مکررات کو ختم کر کے ایک نیا رسالہ مرتب کرنے کے بارے میں مجھے بہت لوگوں نے کہا تھا ، اور امام اعظم کے مختلف رسائل کو جمع کر کے جو رسالہ بنام اصول منیفة میں نے مرتب کیا تھا اور اس میں امام صاحب کی وہ کتب جن کو انہوں نے اپنے اصحاب کو املاء کروایا تھا ان میں فقہ اکبر، فقہ اوسط، عالم و متعلم، اور وصیت جکو امام حماد بن ابو حنیفہ، ابو یوسف انصاری ابو مطیع بلخی ابو مقاتل نے روایت کیا ہے۔

ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کتب کو ائمہ احناف میں سے کسی نقل نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس کے لئے علامہ بیاضی کی کتاب میں ایک طویل

پیرا گراف ہے جس کا ترجمہ ہم یہاں ہدیہ قارئین کرتے ہیں:

”امام بزدواہی نے ’اصول‘ کے ابتدا میں فقہ اکبر کا اور کتاب العالم، اور رسالہ کا ایک جملہ نقل کیا ہے، اسی طرح مذکورہ کتب میں سے بعض مسائل اور حسام الدین سغنائی نے ’الکافی‘ میں؛ اور قوام الدین اتقائی نے ’الشامل‘ میں؛ اور جلال الدین کرلائی نے ’الثانی‘ میں؛ اور قوام الدین الکاکی نے ’بیان الاصول‘ میں؛ بخاری نے ’البرہان‘ میں؛ علاء الدین بخاری نے ’الکشف‘ میں؛ اکمل الدین بابرٹی نے ’التقریر‘ میں نقل کیا ہے۔

(۱) امام ہمدانی نے پورا رسالہ ’خزانہ الاکمل‘ میں نقل کیا ہے؛ اور امام ناطقی نے ’الاجناس‘ میں نقل کیا ہے۔

(۲) کتاب العالم کے بہت سارے مسائل علامہ نسفی نے ’المناقب‘ میں؛ اور خوارزمی نے ’مناقب‘ اور کردری نے ’مناقب‘ میں اور امام سبدموتی نے ’الکشف‘ میں؛ اور اس کے بعض مسائل ’محیط برہانی‘ کے باب نکاح اہل الکتاب میں۔

(۳) اور فقہ اکبر کے بعض مسائل محمد بن الیاس نے اپنے ’فتاویٰ‘ میں؛ اور ابن ہمام نے ’المسایرہ‘ میں۔

(۴) اور فقہ اوسط کے بعض مسائل امام نسفی نے ’التبصرہ‘ کی فصل التقلید میں؛ نور الدین بخاری نے ’الکفایہ‘ کی فصل التزییہ میں؛ حافظ الدین نسفی نے ’الاعتماد‘ میں؛ اور شرح العمدة؛ اور ’کشف المنار‘ میں ابو العابد الناطقی نے ’الاجناس‘ میں؛ قاضی ابو العلاء الصاعدی نے ’کتاب الاعتقاد‘ میں؛ ابو شجاع الناصری نے ’برہان ساطع‘ میں؛ اور امام طحاوی نے ’شرح عقائد‘ میں؛ محمود القنوی نے اپنی ’شرح عقائد‘ میں؛ عطاء بن علی جوزجانی نے اپنی ’شرح عقائد‘ میں۔

(۵) امام اعظم کی وصیت تمام کی تمام صائم مصری نے اپنی نظم ’الجمان‘ میں نقل کی ہے؛ اور تقی الدین مصری نے ’طبقات السنیۃ‘ میں؛ محمد بن شحنے حلبی نے ’شرح الہدایہ‘ کے ابتدا میں؛ اور اس کے بعض مسائل ابن ہمام نے ’المسایرہ‘ میں اور اکمل الدین بابرٹی نے اس کی شرح

لکھی ہے۔

یہ تمام ائمہ جنکی تعداد تقریباً تیس کے قریب بنتی ہے انہوں نے امام اعظم کی علم عقائد پر لکھی گئی کتب کا اپنی تصانیف میں تذکرہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے ائمہ دین ہیں۔ ان کو یہاں اگر ذکر کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی، لہذا علامہ بیاضی کے کلام کا ترجمہ کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے“ (اشارات المرام: ۲۲، ۲۳)

امام اعظم کی علم کلام پر کتب کی دریافت:

امام اعظم کی تصانیف کی تعداد تو بیسیوں بنتی ہے لیکن علم کلام و عقائد میں ان کی کتب کی تعداد چھ ہے: (۱): الفقه الاکبر (۲): الفقه الاکبر معروف الفقه الاوسط (۳): العالم والمتعلم (۴): الوصیۃ لجمع الامۃ (۵): الرد علی القدریہ (۶): الرسالہ الی عثمان البتی ان میں سے پانچ تو مطبوعہ حالت میں مل جاتی ہیں مثلاً

(۱): فقہ اکبر (۲): فقہ اوسط، (۳): عالم و متعلم اور (۶): رسالہ بنام عثمان البتی ان میں سے ۶ تک ایک جزو میں ”الرحیم اکیڈمی لیاقت آباد کراچی“ سے طبع شدہ ہیں، اور مجموعہ الفقه الاکبر کے نام سے فقہ اکبر، فقہ اوسط، عالم و متعلم، اور الوصیۃ لجمع الامۃ راقم کی تحقیق سے طبع ہوئی تھی، اور اس کی طباعت ثانیہ کے لئے مذکورہ چار کتب کے علاوہ رسالہ بنام عثمان البتی اور اس کے مقدمہ کے طور پر اصول منیفہ از علامہ بیاضی تیار کیا جا رہا ہے اور دعا ہے کہ کوئی عربی میں کتب شائع کرنے کا شائق میسر آجائے تو اس کی طباعت بھی آسان ہو جائے۔

اس کے علاوہ ازیں امام حماد والانسخۃ الفقه الاکبر کے نام سے ۱۳۲۳ھ میں قاہرہ سے طبع ہوا، اور ۱۳۲۲ھ میں حیدرآباد دکن سے طبع ہوا اور دہلی میں ۱۲۸۹ھ میں اردو میں ترجمہ کیا گیا، اور پنجابی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۸۹۰ء میں لاہور سے طبع کیا گیا، ایک اردو ترجمہ سید امیر علی نے عین الہدایہ کے شروع میں کیا، اور ایک اردو ترجمہ جو فارسی ترجمے سے کیا گیا تھا جو مکتبہ اخلاص ترکی سے عقائد نظامیہ کے نام سے طبع ہوا ہے اور ایک اردو ترجمہ مفتی محمد سعد اللہ کے مطبع محمدی لاہور سے طبع ہوا جس کے آخر میں وصیت نامہ بھی ہے اور الوصیۃ لجمع الامۃ

کو بنام 'علامات اہل سنت' کے نام سے جمعیتہ پہلی کیشنز نے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کر دیا ہے اور فقہ اکبر کو ملا علی قاری کی شرح کے علاوہ بھی کئی شروحات کے ساتھ ضعیف شدہ، البتہ الرد علی قدریہ پر امام صاحب کا رسالہ نامعلوم ہے، بعض حضرات نے تو فقہ اوسط یعنی فقہ اکبر ابو مطیع کو ہی الرد علی قدریہ کہا ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى اعلم بالصواب

تیسری رائے امام حماد والی فقہ اکبر امام صاحب کی ہے:

یہ رائے اگرچہ زیادہ واضح نہیں لیکن گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے،

خاص طور پر استاد ابوزہرہ کی تصنیف 'ابو حنیفہ' کا مطالعہ کریں یا ڈاکٹر محمد انجمیس کی 'اصول الدین' دیکھیں اس میں ان کی تحریرات اس بات کی شکایت کرتی ہے کہ یہ صاحبان امام اعظم کی تصانیف میں دونوں فقہ اکبر کو شامل تو کرتے ہیں لیکن حوالہ دینا ہو یا علم عقائد میں امام صاحب کی رائے بتانا ہو تو فقہ اکبر مرویہ بروایت امام ابو مطیع کی بجائے امام حماد والے نسخے سے استدلال کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امام اعظم کی علم کلام پر متعدد کتب ہیں لیکن سند میں سقیم اور ضعف کے پیش نظر فقہ اوسط یعنی فقہ اکبر مرویہ کو اپنے استدلال میں لانے کی بجائے صرف فقہ اکبر امام حماد کو وہ اپنے دعوں میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں متعدد عرب اہل علم کا بھی ایسا ہی حال ہے کہ وہ امام حماد والے نسخے کو امام اعظم کا نسخہ مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری والا نسخہ آپ کو اکثر عربی ویب سائٹس پر مل جائے گا اور عرب ممالک میں زیادہ تر مطبوعہ نسخہ امام حماد والا نسخہ ہی ملتا ہے اگر اس نام سے آپ نیٹ میں سرچ کریں تو اسی فیصد سے زیادہ نتائج میں وہ امام حماد والا نسخہ ہی سامنے آئے گا اور امام حماد والا نسخہ دنیا میں جن مخطوطات کی بناء پر دنیا میں رائج ہے وہ مندرجہ ذیل تاریخوں کے اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔



اس فقہ اکبر کے نسخہ مخطوط ۱۰۰۰ھ، اور ۱۰۶۴ھ، اور ۱۰۹۸ھ، ۱۱۵۵ھ، ۱۲۳۵ھ، ۱۲۴۴ھ، علاوہ ازیں کچھ مخطوط ایسے بھی ہیں جو بارہویں صدی اور تیرہویں صدی میں لکھے گئے تھے اور آج تک بھی دنیا کے مختلف مکتبوں میں محفوظ پڑے ہوئے ہیں، اسی طرح امام حماد والے نسخے جو شرح سمیت دنیا کے مختلف مکتبوں میں محفوظ ہیں وہ دسویں صدی گیارہویں صدی بارہویں صدی اور تیرہویں صدی کے نسخے ہیں ان میں خاص طور سے ۹۲۰ھ، اور ۹۲۵ھ، اور ۱۰۱۲ھ، ۱۰۱۹ھ، ۱۰۷۱ھ، ۱۰۷۸ھ، ۱۰۸۰ھ، ۱۰۸۱ھ، ۱۰۸۶ھ، ۱۰۸۷ھ، ۱۰۹۴ھ، ۱۱۱۲ھ، ۱۱۱۳ھ، ۱۱۱۶ھ، ۱۱۲۸ھ، ۱۱۳۷ھ، ۱۱۳۹ھ، ۱۱۴۱ھ، ۱۱۴۲ھ، ۱۱۵۰ھ، ۱۲۱۲ھ، ۱۲۱۳ھ، ۱۲۵۳ھ، ۱۲۷۴ھ، وغیرہ کے نسخے امام حماد کی روایت کے ساتھ مختلف شراح کی شروحات کے ساتھ دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ پڑے ہوئے ہیں اور علامہ ابوالمنتهی کی شرح کے ساتھ تو پروفیسر عبدالجبار سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد کی ذاتی لائبریری میں بہت سارے نسخے جو مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں محفوظ پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بارے میں استاد ابوزہرہ نے بڑے اعتدل میں رہتے ہوئے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ امام اعظم کی طرف اس فقہ اکبر کی نسبت کرنے کے حوالے سے کیا حکم ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

هذا، ويجب التنبیه الى ان نسبة الفقه الاكبر الى ابى حنيفة موضع نظر عند العلماء فلم يتفقوا على صحة نسبة هذا الكتاب اليه، ولم يدع احد الاتفاق على صحة هذه النسبة، حتى اشد الناس تعصبا له ورغبة في زيادة آثاره وكتبه (ابوحنيفة: ۳۳۲ پیرا ۱۰)

ترجمہ: صورت حال یہ ہے کہ اس بات پر ہمیں متنبہ رہنا چاہئے کہ فقہ اکبر کی امام ابو حنیفہ کی طرف نسبت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے اور تمام علماء اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ وہ فقہ اکبر کے امام اعظم کی طرف نسبت کرنے کو درست سمجھتے ہوں اور نہ ہی تمام علماء

اس نسبت کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ جو امام اعظم کے آثار و کتب کی تلاش و جستجو کے بارے میں بہت محنت کرتے ہیں ان میں سے بھی کسی نے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ نہیں کیا۔

باوجود اس کے کہ استاد ابوزہرہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کتب کی امام صاحب کی طرف نسبت کے بارے میں اتفاق نہیں ہے لیکن جب امام اعظم کی رائے کو ظاہر کرنے کی بات آتی ہے تو اسی فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف قرار دیتے ہوئے اسی سے اپنے ادلالات نقل کرتے ہیں، جو امام حماد کی روایت سے ہے اور جس کی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے۔

اور اس خیال کے لوگوں پیش نظر اصل محل نظر امام ابو مطیع بلخی کی ذات ہے انہی کو وہ مورد طعن ٹھہرا کر ان پر جرح و قدح کرتے ہیں اور اپ کا خال یہ ہے کہ اگر اصل راوی کو مجروح قرار دے دیا جائے تو اصل بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اس لئے انہوں نے امام ابو مطیع بلخی پر زیادہ سے زیادہ الزامات لگانے کی بھرپور کوشش کی ہے ہم نے بڑی محنت سے امام ابو مطیع کی شخصیت کو نکھار کر آئندہ صفحات میں پیش کر دیا ہے اور امام ابو مطیع کو جرح و تعدیل کے سمیت پیش کر دیا ہے لہذا اب فیصلہ کرنا وقت کے ہاتھ میں ہے کہ آئندہ وقت ان کے بارے میں کیا ثابت رکھتا ہے اور کیا زائل کرتا ہے۔

چوتھی رائے: فقہ اکبر، ابو مطیع بلخی والی امام اعظم کی تصنیف ہے

اس بارے میں چوتھی رائے یہ ہے کہ صرف ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر جس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے امام اعظم کی تصنیف ہے، اور وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد نے اپنے والد امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے اور ملا علی قاری نے جس کی شرح لکھی ہے وہ امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

یہ نسخے اگر دنیا کی مختلف لائبریریوں میں دیکھا جائے تو قدیم نسخے اسی کے دستیاب ہوتے ہیں مثلاً:

اس کا سب سے نا در اور قدیم نسخہ ۶۱۷ھ کا لکھا ہوا ہے ایک نسخہ ۹۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے اور

بعض اس سے بھی قدیم نسخے قاہرہ، لیڈن، لندن اور دوسرے کئی مقامات پر محفوظ ہیں:  
 اور اس نسخے کی شروحات والے نسخے ۶۸۷ھ اور ۶۹۶ھ ۷۰۷ھ ۷۱۲ھ اور  
 بعض اس سے بھی قدیم نسخے ہیں جو دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں  
 اور اس رائے کے قائلین میں زیادہ تر ہمارے ہندو پاکستان کے بعض علماء ہیں۔ جن  
 میں سے خاص طور سے علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے 'مہر انور شرح فقہ اکبر' میں اور حضرت  
 مفتی عزیز الرحمن نے اپنی تصنیف 'امام اعظم ابوحنیفہ' میں، حضرت مفتی محمد عیسیٰ نے 'النظم  
 الدرر شرح فقہ اکبر' میں اور قاضی سجاد بخاری نے 'بلغة الخیر ان' میں اس بات پر بڑا زور دیا ہے  
 کہ حضرت امام کی طرف ملا علی قاری والی فقہ اکبر کا انتساب بالکل غلط ہے اور یہ کہ یہ سرے  
 سے امام صاحب کی کتاب ہی نہیں ہے۔

اس دعوے میں ان حضرات نے جتنے دلائل بھی دیئے ہیں، اس باب میں ہم ان کا  
 جواب دینا چاہتے اور اس سلسلے میں ہماری کوشش ہوگی کہ ان کے اعتراضات کا تحقیقی جواب  
 پیش کریں اور ہمارا موقف 'یہ دونوں فقہ اکبر امام صاحب کی تصانیف ہیں' کو واضح کریں  
 ، واللہ الموفق والمعين

.....وبالله التوفيق.....

## فقہ اکبر پر اعتراضات اور جوابات

پہلا اعتراض

امام ابو مطیع کی شخصیت کا تنقیدی مطالعہ:

اس اعتراض کے سب سے بڑے مدعی حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب 'امام اعظم' میں اس پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور انہوں نے اپنی اس تحقیق کی بنیاد علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق پر رکھی ہے،

اگرچہ قبل ازیں علامہ شبلی کی پوری تحقیقات کا خلاصہ تو بیان ہو چکا ہے اور اس میں وہ تمام اعتراضات جو فقہ اکبر کے امام اعظم کی طرف انتساب کے حوالے کئے جاتے ہیں، ایک جگہ جمع کر دئے گئے ہیں۔

اس ساری تحقیق میں عجیب بات یہ ہے جس عبارت کو بنیاد بنا کر حضرت مفتی صاحب بلخی والی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں، علامہ شبلی کی اس عبارت سے اپنا مدعا ثابت تو کیا کرتے بلکہ اس کا سرے سے ان کا رٹا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ فقہ اکبر بلخی کے امام صاحب کی طرف انتساب کیلئے سند کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اسی سند کی وجہ سے فقہ اکبر بلخی کو حجت و برہان مانتے ہیں جبکہ علامہ شبلی نے اس سند کے راوی اول ابو مطیع پر عام محدثین کی تنقید کا سامنا نہ کرتے ہوئے اس پر مہر توثیق ثبت کر دی ہے، اور یوں فقہ اکبر بلخی کے امام صاحب کی طرف انتساب کو سرے سے غلط قرار دے دیا ہے۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

”اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت تنقید کی ہے۔ اگرچہ میں ان کو کلیتاً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی“ (سیرۃ نعمان ۱۳۸)

اس سے بھی زیادہ تلخ نوائی دکتور محمد انجمیس کرتے ہیں: ملاحظہ ہو:

”اما رواية ابي مطيع للفقہ الاکبر و کتاب العالم و المتعلم لابی

مقاتل السمرقندی ، فهما الکذابين و الوضاعین جزم غیر واحد

من اهل النقد بذلك “ (اصول الدین: ۱۲۳)

وہ فقہ اکبر جس کو ابو مطیع نے یا عالم و متعلم جس کو ابو مقاتل نے روایت کیا ہے یہ دونوں

احباب تو (معاذ اللہ) کذاب اور وضاع لوگوں میں سے تھے، اور اہل تنقید میں سے کئی

لوگوں نے یہ بات بڑے وثوق سے کہی ہے۔

ابو مطیع بلخی پر تنقید کی نوعیت:

بعض محدثین نے امام ابو مطیع بلخی پر جرح کرتے ہوئے بہت سارے الزامات لگائے

ہیں ان الزامات کی چارج شیٹ قارئین کی خدمت میں پیش نظر ہے قبل ازین امام ابو مطیع کے

حالات میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے اور اس تحقیق کے بعد ہم قارئین سے انصاف

کے خواہاں ہیں کہ بلاوجہ ایک عظیم ہستی پر الزامات لگا کر آخر میدان تحقیق میں کیا ثابت کرنا

چاہتے ہیں۔

امام ابو مطیع بلخی پر الزامات کی چارج شیٹ

پہلا الزام: یہ مرجیہ ہیں۔

دوسرا الزام: یہ ضعیف ہیں۔

تیسرا الزام: نقل روایت میں ان کا کوئی تابع نہیں ہوتا۔

چوتھا الزام: یہ جہمیہ میں سے ہیں

پانچواں الزام: یہ سنت سے بغض رکھتے تھے۔

چھٹا الزام: یہ دوسروں کی باتیں اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے۔

ان الزامات کے تفصیلی جوابات امام ابو مطیع بلخی کے حالات میں گزر چکے ہیں اور اگر مزید

ضرورت ہو تو اسی کتاب کے تیسرے حصے میں باب سوم میں دوبارہ ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

اہل تحقیق جب تاریخ بغداد، یا لسان المیزان کے حوالے سے امام ابو مطیع پر نقد کرتے ہیں، اور اس تنقید کو صاحب اصول الدین محمد انجمیس، یا دوسرے علمائے تحقیق من و عن نقل کر دیتے ہیں، تو ان کو کم از کم ان سطروں کی طرف بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے جو تاریخ بغداد اور لسان المیزان والے احباب نے ان کی توثیق کے حوالے سے نقل کی ہیں، اور ہم ان کو ابو مطیع کے حالات میں نقل کر چکے ہیں، لیکن مطالعہ کی کمی، یا تحقیق کی عدم جستجو، اور یا بغض باطن، اور یا اندھی تقلید، کی وجہ سے ہمیں اتنی توفیق نہیں ملتی کہ جہاں سے ایک حوالہ نقل کیا جا رہا ہے اس سے پہلے ایک یا دو صفحات کو بھی دیکھ لیں جن میں امام ابن مبارک اور امام مالک جیسے نابغہ روزگار ہستیاں امام ابو مطیع کا کس شاندار انداز سے تعارف کرواتی ہیں اور ان کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں، اس سے ہمارے اس روایتی الزامات سے بھی جان چھوٹ سکتی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

دوسرا اعتراض:

علامہ برائقی کے ہاتھ سے تحریر کا مسئلہ

اس اعتراض کے سب سے بڑے مبلغ مفتی عزیز الرحمن ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں اس پر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں

علامہ کردری نے مناقب کے صفحہ: ۱۰۸ پر تحریر فرمایا ہے:

فان قلت: لیس لابی حنیفة کتاب مصنف؟

قلت: هذا كلام المعتزلة، ودعواهم انه ليس له في علم الكلام

تصنيف، وغرضهم بذلك نفي ان يكون الفقه الاكبر وكتاب

العالم والمتعلم له. لانه صرح فيه باكثر قواعد اهل السنة

والجماعة، ودعواهم انه كان من المعتزلة، وذلك الكتاب

لابی حنیفة البخاری، وهذا غلط صریح، فانی رایت بحظ

العلامة مولانا شمس الملة والدين الكردي البرانيقي العمادي  
هذين الكتابين ، و كتب فيهما انهما لابي حنيفة، وقد تو اطاعلى  
ذالك جماعة كثيرة من المشائخ .

علامہ کروری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ  
اکبر از ابوحنیفہ بخاری، اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ) کو علامہ برانیقی عمادی کے پاس دیکھا ہے  
کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا ”الفقہ الاکبر لابی حنیفہ“ علامہ برانیقی عمادی  
صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ ہے۔ ایک معتبر فقیہ اور محدث ہیں، ان کی  
غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو  
حنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ  
اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ الکوفی  
ہیں، اور اس بات پر کہ فقہ اکبر دو ہیں جس کے مصنف علیحدہ علیحدہ ہیں مذکورہ دونوں صاحب  
اور مشائخ کی ایک جماعت کثیر نے اتفاق کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں اور فقہ اکبر کے متعلق اختلاف آراء کو دیکھنے کے بعد ایک  
خلجان پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے، کوئی فقہ اکبر کو ابوحنیفہ بخاری کی کتاب بتاتا ہے، اور کہتا  
ہے کہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ مصنفوں کی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ایک فقہ اکبر ابوحنیفہ بن  
یوسف کی ہے اور ایک ابو مطیع بلخی کی ہے، اور ہر ایک کے پاس کچھ دلائل اور قرائن ہیں،

(امام اعظم ابوحنیفہ: ۳۶۱)

اس کے بعد حضرت مفتی عزیز الرحمن فرماتے ہیں:

فقہ اکبر دو ہیں اور اتفاق سے دونوں کے مصنف کا نام ابوحنیفہ ہے، فرق اتنا ہے کہ  
ایک ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی المعروف بالامام الاعظم صاحب مسلک حنفیہ، اور دوسرے  
ابوحنیفہ محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں، ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی  
فقہ اکبر ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت  
قدیم ہے، یعنی تمام مسائل اس کے حدیثاً کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابو مطیع بلخی

ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے، چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ: ۳۶۳)

(۲) بہت سارے علماء ملا علی قاری والے نسخے کو محمد بن یوسف بخاری کا نسخہ قرار دیا ہے جنکا لقب ابوحنیفہ بخاری تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ امام ابوحنیفہ کا نہیں ہے بلکہ ابوحنیفہ بخاری کا ہے؟

کچھ انہی سے ملتے جلتے اعتراضات علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے مہر انور میں، اور انہی اعتراضات کو حضرت مفتی محمد عیسیٰ گورمانی نے نظم الدرر کے صفحہ: ۱۵ پر نقل کیا ہے، اس اعتراض میں جو مسائل اٹھائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

خلاصہ اعتراض:

- (۱) ابوحنیفہ نام کے دو افراد ہیں اور دونوں کی کتاب کا نام فقہ اکبر ہے
- (۲) دونوں فقہ اکبر میں زمین و آسمان کا فرق ہے
- (۳) طرز عبارت قدیم ہے۔
- (۴) تمام مسائل حدیثاً کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

الجواب

مذکورہ تمام اعتراضات کی ہم نام بنام وضاحت کریں گے۔

اعتراض کا پہلا حصہ: ابوحنیفہ نام کے دو افراد ہیں

ابوحنیفہ نام کے دو اشخاص نہیں بلکہ دو سے زیادہ ہیں، اور مؤرخین مؤرخین میں سے کسی نے بھی زیادہ کی کوئی حد یا تعداد متعین نہیں فرمائی، ہاں البتہ ایک بات بہت مشترک ہے کہ ابوحنیفہ بخاری کو مؤرخین میں سے کسی نے بھی صاحب تصنیف شمار نہیں کیا اور نہ ہی ان کی تصانیف میں فقہ اکبر نامی کسی کتاب کا تذکرہ ان کے احوال میں کسی بھی مؤرخ نے نہیں کیا ہے۔ ابوحنیفہ افراد زیادہ کتنے ہیں، یہ مسئلہ ہماری اس بحث سے خارج ہے لیکن مؤرخین نے ائمہ رجال کی کتب میں جن کے نام درج کئے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:



- ۱- ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوئی امام حنفیہ اور امام اعظم
  - ۲- ابوحنیفہ جو جبیر بن مطعم کے جنازے میں شامل ہوئے، اور ان سے مغیرہ بن مقسم روایت نقل کرتے ہیں۔
  - ۳- ابوحنیفہ یہ مسلم بن مغیرہ کے بھائی تھے۔
  - ۴- ابوحنیفہ محمد بن حنیفہ بن ماہان، قصی، واسطی، جنکا نام محمد اور کنیت ابوحنیفہ تھی۔
  - ۵- ابوحنیفہ کوئی جن کا بیٹا عبدالاکرم ہے جو سلیمان بن سرد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کا بیٹا عبدالاکرم روایت کرتے ہیں
  - ۶- ابوحنیفہ الاندلی: جنکے بیٹے کا نام عبدالکریم، اور یہ شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی کے شاگرد، ائمہ احناف میں سے تھے۔ (جوہر المصیہ: ۲۶۰ ج ۲)
  - ۷- ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری، صاحب تاریخ الاخبار الطوال، متعدد تصانیف کے مصنف ہیں۔
  - ۸- ابوحنیفہ نعمان بن عبداللہ امامی
  - ۹- ابوحنیفہ نعمان بن ابی عبداللہ قاضی شافعی
  - ۱۰- ابوحنیفہ نعمان بن محمد بن منصور مغربی قاضی مصر؛ فرقی باطنیہ سے تعلق رکھتا تھا اور امام ابوحنیفہ کے رد میں تصانیف لکھی تھیں۔ (النجوم الزاہرہ: ۱۰۷ ج ۴)
  - ۱۱- ابوحنیفہ الاصغر بخاری معروف: بکر بن محمد بن علی، ابو جعفر، بخاری زرنجری (معجم البلدان: ۱۳۸ ج ۳؛ سیر اعلام النبلاء: ۴۱۵ ج ۱۹)
  - ۱۲- ابوحنیفہ حسین بن علی بن نعمان، مغربی، قاضی (رافضی)
  - (سیر اعلام النبلاء: ۱۴۵ ج ۱۷؛ وفيات الاعیان: ۴۲۲ ج ۵)
  - ۱۳- ابوحنیفہ صغیر، محمد بن عبداللہ بن محمد بلخی المتوفی: ۳۶۲ھ
  - (سیر اعلام النبلاء: ۱۳۱ ج ۱۶؛ الوافی بالوفیات: ۳۲۷ ج ۳)
  - ۱۴- ابوحنیفہ محمد بن عبداللہ بن علی الاصفہانی المتوفی: ۵۷۱ھ (سیر اعلام النبلاء: ۲۱۱/۸۴)
- ویسے تو یہ تمام ابوحنیفہ نامی افراد اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل تھے اور ان میں سے

بعض لوگوں نے تو بہت ساری کتب بھی تحریر فرمائی ہیں لیکن آخری ابوحنیفہ ہیں جن کی وجہ سے امام اعظم کی فقہ اکبر متنازعہ بن گئی ہے، کیونکہ بعض حضرات اس کتاب کا مصنف یوسف بخاری کو بتاتے ہیں۔

اور اس میں سب سے عجیب اس لحاظ سے کہ مفتی صاحب علامہ کردری کی عبارت کا مفہوم سات سو برس کے بعد متعین کرتے ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں:

پہلا استدلال: ”علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابوحنیفہ بخاری اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ) کو علامہ برائقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا:

”الفقه الاکبر لابی حنیفة“

دوسری بات: ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقه الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ کوئی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عربی عبارت لکھ کر اس کا آسان انداز میں ترجمہ پیش کرنا تحقیق کا کونسا طریقہ ہے، اور امام صاحب پر کونسا احسان چڑھایا جا رہا ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ آپ اختلاف کے دوران جو عبارت بطور حوالہ پیش کریں تو کم از کم اس کا مفہوم تو درست بیان کریں، ہاں اس میں اختلاف کا حق استعمال کرتے ہوئے آپ جو رائے بھی قائم کرنا چاہیں اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

امام کردری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

”فانی رأیتُ بحظ العلامة مولانا شمس الملة و الدین الکردری

البراتیقینی العمادی ، هذین کتابین ، کتب فیہما انہما لابی

حنیفة“.

ترجمہ کرتے ہوئے علامہ مفتی عزیز الرحمن فرماتے ہیں:

”علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابوحنیفہ بخاری اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ کو علامہ برائقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا ”الفقہ الاکبر لابی حنیفہ“

[ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ الکوفی ہیں]

سوال یہ ہے کہ بین قوسین جو مفتی صاحب نے امام کردری اور علامہ برائقی کی غرض بیان فرمائی ہے بھلا کوئی ذی علم شخص یہ واضح کر سکتا ہے کہ وہ کس عبارت، یا عبارت کے کس جملے، یا جملے کے کس حرف، یا کس حرف کے بین سطور میں مندرج ہے؟

کیا محققین اس کو تحقیق کے ساتھ ستم، اور انصاف کا خون کرنا نہیں کہیں گے؟

جبکہ خود علامہ کردری کا مقصد ان کی اپنی زبانی یوں ہے:

اگر تو یہ سوال کرے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے؟

تو جواب دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ یہ معتزلہ کی اڑائی ہوئی بات ہے اور ان کی رائے ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے، اور اس دعویٰ کے پس منظر میں فرقہ معتزلہ کے لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ الفقہ الاکبر اور العالم والکامل کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ کتب امام اعظم کی تصنیف نہیں ہیں، ان کے اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ امام صاحب نے اہل السنۃ والجماعت کے اکثر اصول ان کتب میں ذکر فرما دیئے ہیں، جبکہ فرقہ معتزلہ کے لوگوں کا دعویٰ اور ان کی اس بات سے غرض یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ امام اعظم خود معتزلہ فرقہ سے تھے لہذا اس قسم کی کوئی کتاب امام صاحب نے تحریر نہیں فرمائی، بلکہ

بقول ان کے یہ ابوحنیفہ البخاری کی تصنیف ہے، جبکہ یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ میں خود علامہ برائقی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دونوں کتب اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، اور ان پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا ہے یہ دونوں ابوحنیفہ کی کتابیں ہیں، اور اس بارے میں امت میں علماء کی ایک کثیر جماعت کا اجماع چلا آ رہا ہے جس کا خلاف کرنا ممکن نہیں ہے۔

اگر قارئین اس سیاق و سباق کو پڑھ لیں تو مفتی عزیز الرحمن کی رائے کی سطحیت کو اچھی طرح جان سکتے ہیں۔

کیونکہ علامہ کردری اس رائے میں درج ذیل باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں:

(۱) علامہ کردری نے یہ حوالہ اپنے ثبوت اور حمایت کے طور پر درج کیا ہے نہ کہ فریق مخالف کی حمایت کی غرض سے۔

(۲) فریق مخالف کا دعویٰ ہے کہ یہ کتب: الفقہ الاکبر اور العالم والمجتہد امام صاحب کی نہیں ہیں بلکہ ابوحنیفہ البخاری کی ہیں۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی تو معتزلی تھے جبکہ یہ کتب اہلسنت والجماعت کی آراء پر مشتمل ہیں۔

(۳) علامہ کردری نے معتزلہ کی اس رائے کا رد کرتے ہوئے چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱): هذا غلط صریح.

یہ بات کہنا صریح طور پر غلط ہے۔

(۲): فانی رأیت بحظ العالمہ

میں نے علامہ شمس الملتہ والدین الکردری البرائقی العمادی کی ہاتھ کی لکھی ہوئی الفقہ الاکبر اور العالم والمجتہد دیکھی ہیں۔

(۳) وکتب فیہما انہما لابی حنیفہ

اور ان پر یہ بھی علامہ کردری کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی کتب ہیں۔

(۴) وقد تواطأ علیٰ ذلک جماعة کثیرة.

مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا لمبے زمانے سے اجماع چلا آ رہا ہے کہ یہ کتب امام ابوحنیفہ کی ہی ہیں۔

اگر مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی رائے مان لی جائے تو آخری پیرا جس میں علامہ کردری نے مشائخ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ تو معتزلہ کے قول کی تائید بن جائے گا، اور دعویٰ نمبر ۳ بھی انہی کی دلیل بن جائے گا۔

مگر اس صورت حال میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ امام ابوحنیفہ کے معتزلہ ہونے کے قائل حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہیں یا علامہ کردری ہیں یا دونوں ہیں؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ عبارت کے معنی میں غلطی پیدا ہو رہی ہے، اگر حضرت مفتی صاحب کی نظر سے اصل کتاب المناقب گزری ہوتی تو کاتب الحروف اس بات کی قوی امید کر سکتا ہے کہ اس قسم کا تسامح نہ ہوتا۔

یہ بات تو معتزلہ کی ہے جو اس کتاب کو امام صاحب کی کتاب ماننے سے ان کاری ہیں اور ہمارے لئے ہرگز یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی کے کہنے پر امام صاحب کی طرف کسی کتاب کے انتساب کا ختم کر دیں جبکہ اس کتاب کے مسائل اصول اور عقائد میں اہل السنۃ والجماعت کی تائید کرتے ہوں اور پھر اس کو کسی ایسے شخص جو خود اس کا مدعی نہ ہو کی طرف منسوب کرنا اور بھی عجیب ہے۔

یہ تو مدعی سست اور گواہ چست والی بات بن گئی ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

اعتراض کا دوسرا حصہ: دونوں فقہ اکبر میں زمین و آسمان کا فرق ہے

جہاں تک مذکورہ اعتراض ہے، یہ سوائے انجان پنہ کے اور کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ایک مصنف ایک ہی موضوع پر دو کتابیں لکھے تو اس کو دو لکھنے کی ضرورت تبھی پیش آتی ہے جب ایک کتاب میں وہ کچھ مسائل اور دوسری میں کچھ دوسرے مسائل بیان کرنا چاہے گا

اس لحاظ سے تو زمین و آسمان کا فرق کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ

- ۱- دونوں کتابوں کا موضوع علم عقائد ہے۔
- ۲- دونوں میں عقائد کے اکثر مسائل مثلاً: اللہ تعالیٰ کی توحید، کلام اللہ کی حقیقت، انبیاء و رسل کی تفہیم، وغیرہ ہی بیان کئے گئے ہیں۔
- ۳- دونوں فقہ اکبر علمائے امت میں مقبول و معروف ہیں۔ ایک کا ان کارکر کے دوسری کا اثبات یا دوسری کا ان کارکر کے ایک کا اثبات ائمہ کرام میں معروف ہے۔
- ۴- دونوں فقہ اکبر عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، امام حماد والی فقہ اکبر بیانیہ انداز میں ہے جبکہ امام ابو مطیع والی فقہ اکبر کا انداز تفہیمی ہے
- ۵- دونوں فقہ اکبر کا انتساب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف ہے۔

اس صورت حال کے بعد یہ اعتراض کرنا کہ:

ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ: ۳۶۳)

اس عبارت سے معلوم نہیں حضرت مفتی صاحب کیا واضح کرنا چاہتے ہیں؟ یا مفتی صاحب کی نظر میں زمین و آسمان کا فرق کچھ زیادہ نہیں ہے جیسا ان دونوں کتب میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔

اسی طرح زمین و آسمان کا فرق اسی وقت ہو سکتا ہے کہ دونوں کا موضوع بھی جدا جدا ہو اگر دونوں کا موضوع ایک ہی ہے تو زمین و آسمان کا فرق تو نہیں ہو سکتا۔ تیسری بات یہ کہ کیا دونوں کی تصانیف معترض نے دیکھی ہیں؟ جس سے جواب دیا جا رہا ہے، اور اگر دیکھے بغیر دعویٰ کیا جائے تو یہ انصاف کے عین خلاف ہے۔ کہ نام مناسبت دیکھ کر ایک کی کتاب دوسرے کے نام منسوب کر دی جائے۔ یہ تو ایسا طریقہ ہے جس سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور کوئی بھی شخص نام کی مناسبت سے ایک کتاب کو دوسرے کی طرف منسوب کر دے گا۔ بات کو سمجھنے کے لیے اس بات کا جواب اگر مل جائے کہ کیا وجہ ہے امام صاحب کی

طرف الفقہ الاکبر کو منسوب نہ کیا جائے۔

۱- کیا اس کتاب کا مضمون ایسا ہے جس سے امام صاحب کے عقائد کے خلاف عقائد بیان کئے گئے ہیں؟

۲- کیا کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف ہوں؟

۳- کیا اس کتاب کے امام صاحب کی طرف منسوب ہونے پر کوئی نقص یا رد لازم آتا ہے؟

پہلی بات: جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ کتاب مکمل طور پر امام صاحب کے عقائد کی مبین اور مؤید ہے۔ نہ کہ معارض اور مخالف ہے، اس بات کو تمام ائمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو ایک آدھ مسئلہ میں اختلاف کیا جاتا ہے اس کا جواب اور وضاحت امام ابو مطیع بلخی نے امام صاحب سے سوال کر کے فقہ اوسط میں وضاحت فرمادی ہے، اور بعض مسائل نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے نظر آتے ہیں، وہ ہماری اسی شرح میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

دوسری بات: تاریخ اسلامی میں اس بات کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ البتہ بعض لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے یا بعض لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی نہیں ہے مگر دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ امام صاحب کے عقائد یا فقہ وغیرہ اس کے علاوہ نہیں ہیں مگر نہ جانے وجہ کیا ہے۔؟

ایک طبقہ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف کردہ کتاب ہے ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے، مگر جو لوگ اس کے منکر ہیں ان کا دعویٰ بھی بلا دلیل ہے؟

دعویٰ بلا دلیل دونوں طرف ہے جو منکرین ہیں وہ بھی حنفی ہیں اور نہ جانے وجہ کیا کہ کیوں ان کا کیا جا رہا ہے اگر وجہ ابو حنیفہ البخاری کا نام ہے تو نام کی موافقت وجہ ان کا کوئی وجہ دلیل نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہی ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، سوائے چند ایک عقائد کے مگر وہ چند عقائد بھی وضاحت طلب ہیں اور یہ وضاحت بھی اس بارے میں ہے کہ آیا امام صاحب کے عقائد بیان فرمودہ درست ہیں یا کسی دوسرے امام کے مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

آخری بات: اور امام صاحب کی طرف اس کتاب کے منسوب کرنے سے کوئی نقص یارد لازم نہیں آتا اس لئے جمہور امت کے ائمہ اہل سنتہ و الجماعت ماترید یہ اشعریہ اور حنابلہ اور صوفیا اس بات کے قائل ہیں یہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور امام کردری نے تو یہ وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی طرف نسبت غلط ہے وہ قول معتزلہ کا ہے کیونکہ معتزلہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ امام صاحب کی قلم سے ان کے عقائد کا رد معلوم ہو لہذا انہوں نے آسان راستہ تلاش کیا کہ سرے سے اس کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف غلط قرار دی جائے۔

رہا دعویٰ زمین و آسمان کے فرق کا تو اس کا ثبوت مدعی پر ہے کہ وہ ثبوت پیش کرے کہ کہاں اور کیا فرق ہے؟

اور یہ بھی بیان کرے کہ زمین و آسمان میں کس قدر فرق ہے؟ اور اس میں کیا ہے؟ اور اگر قارئین میں کسی صاحب کو مزید تحقیق کا شوق ہو تو راقم کی تحقیق سے مجموعہ الفقہ الاکبر میں ان دونوں نسخوں کو جمع کر دیا گیا ہے وہاں ان کا مقابلہ کرنا بھی آسان ہے اور وہاں یہ فیصلہ کرنا بھی ممکن ہے کہ زمین و آسمان کا فرق کتنا ہوتا ہے تاکہ حضرت مفتی صاحب کی اس عبارت کے مفہوم کو سمجھنا آسان ہو۔



اعتراض کا تیسرا اور چوتھا حصہ: طرز عبارت قدیم ہے۔  
اور تمام مسائل حدیثاً کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔  
البتہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ

”امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے، یعنی تمام مسائل اس کے حدیثاً کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابو مطیع البلیخی ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے، چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ (امام اعظم ابو حنیفہ: ۳۶۳)

اس عبارت میں ہمارے نزدیک تو دو اعتراض بنتے ہیں:



پہلا یہ کہ: طرز عبارت قدیم ہے۔

دوسرا یہ کہ: تمام مسائل حدیثاً کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

جبکہ حضرت مفتی صاحب نے اس کو ”یعنی“ کہہ کر ایک ہی اعتراض بنا دیا ہے، گویا مفتی صاحب کا منشاء اعتراض یہ ہے کہ ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر کی عبارت کا انداز قدیم طرز کا ہے اور قدیم سے مراد یہ ہے کہ اس میں ”حدیثاً“ کی تعبیر سے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

کتنا اچھا ہوتا کہ: حضرت مفتی صاحب قدیم کی بھی کوئی حد بندی کر دیتے اور پھر اس حد بندی میں امام اعظم کو بھی پابند کرتے کہ آپ ان حدود کو نہ پھلانگیں؟؟؟

لیکن تقلید کے شوقین ہم لوگ یہ بھول جاتے ہیں امام ابو حنیفہ کو امام اعظم کیوں کہتے

ہیں؟

کیا وہ تمام علوم عربیہ اور علوم دینیہ کے امام نہیں ہیں؟

ہمارے سے اچھی ان کے بارے میں رائے تو اہل شوافع کی ہے اور ان میں سے جو خراج تحسین ابن حجر مکی نے امام اعظم کو پیش کیا ہے وہ قابل قدر اور قابل بیان ہے، آپ فرماتے ہیں:

احذر من ان تتوهم من ذلك ان ابا حنيفة لم يكن له خبر تام  
بغير الفقه، حاشا لله؛ كان في العلوم الشرعية من التفسير  
والحدیث والآلة من العلوم الادبية والمقاييس الحكمية بحرا  
لا يجارى وامام لا يمارى (مجموعۃ الفقہ الاکبر: ۱۴)

اس وہم میں مبتلاء ہونے سے بچنا چاہئے کہ ہم یہ کہنے لگیں: امام اعظم کو فقہ کے علاوہ کسی اور علم میں کوئی خاص دسترس نہیں تھی، آپ تو امام علوم تفسیر اور علوم حدیث میں تھے۔ اور علوم ادبیہ اور علوم عقلیہ میں آپ سند کا درجہ رکھتے تھے، بلکہ آپ تو ایک علم کا بحر بے کراں تھے اور بلاشبہ آپ امام کل تھے۔

اس قدر بڑی شخصیت جو علوم ادبیہ اور علوم دینیہ کے امام اعظم ہوں ان کے بارے میں

یہ اعتراض کرنا کہ ان کی عبارت جدید انداز کی ہے قدیم نہیں ہے کس قدر تعجب انگیز بات ہے یہ امام اعظم کی شخصیت کے صحیح طور سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ حضرت امام اعظم کو اللہ تعالیٰ نے علم قراءت میں پہلا مقام دیا اور ان کی قراءت علامہ مکی نے مناقب میں اور علامہ کروری نے اپنی کتاب مناقب میں نقل کی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے،

اور علم حدیث میں سب سے پہلے امام صاحب کی تصنیف ہے، علم فقہ میں سب سے پہلے امام صاحب کی تدوین ہے، اور بہت شمارے دوسرے علوم عربیہ میں تدوین و تبویب کا کام سب سے پہلے امام اعظم نے کیا تھا اور آپ کے اس کام کرنے کا وہ زمانہ تھا جبکہ پوری دنیا علم کی تدوین کے لحاظ سے ابھی سو رہی تھی۔

اور یہ کہنا کہ ابو مطیع والی کتاب میں فقہ اکبر کے تمام مسائل حدیثاً کہہ کر بیان کئے گئے ہیں؟

کیا اس کے بارے میں مفتی صاحب اس کتاب کو دیکھ کر کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں پوری کتاب فقہ اکبر جو ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے اس میں کتنی بار لفظ 'حدیثاً' استعمال کیا گیا ہے؟، اگر کوئی صاحب انصاف اس کتاب فقہ اکبر مرویہ کو دیکھ لے تو اس کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ اس کتاب کا سارا انداز: 'قلت'، میں نے پوچھا؟ اور قال: اس نے کہا، پر مشتمل ہے، اور اس میں قلت کہہ کر ابو مطیع سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں یعنی میں نے امام صاحب سے سوال کیا؟ تو جب امام صاحب کا جواب نقل کرتے ہیں تو قال کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور امام صاحب بعض اوقات اپنے جواب کو مدلل کرتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کرتے ہیں وہاں حدیثاً کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور اس پوری فقہ اکبر یا فقہ اوسط نامی کتاب میں کل صرف سترہ احادیث ہیں۔

لطیفہ: لطف کی بات یہ ہے کہ جو علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو سترہ احادیث آتی تھیں انہوں نے امام صاحب کی اسی کتاب فقہ اکبر کو دیکھ کر یہ کہا ہوگا۔

جہاں تک حضرت مفتی عزیز الرحمن کا اعتراض ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہ بخاری ہیں

اور یہ ہی مراد علامہ شمس اللہ الکردری کی اسکا آسان جواب تو یہ ہے کہ صاحب کتاب کو ہی پوچھ لیا جائے کہ صاحب آپ کی رائے اس عبارت میں کیا ہے؟

نیز یہ کہ ہر وہ شخص جو امام صاحب کی تصانیف میں گہری نظر رکھتا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر جو ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ معروف ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہونے میں زیادہ معروف اور مشہور ہے؛ بنسبت اس فقہ اکبر کے جو ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے؛ اس کی دلیل چاہئے تو میدان تصانیف تالیف حاضر ہے کسی زمانے کے علماء کا ذہن میں رکھئے اور ان کی تصانیف میں تلاش کیجئے کہ کس کا انتساب امام صاحب کی طرف زیادہ کیا جا رہا ہے؟

اور کیا جس کتاب کا انتساب کسی اور کی طرف ہوگا اس کو امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ہم ان کا رد دیں گے؟ جبکہ یہ کوئی محققین کا وضع کردہ اصول اور طریقہ نہیں ہے اسی لئے علامہ کردری نے المناقب میں فرمایا:

وهذا، ليس اصل من الاصوليين

یعنی یہ اصولی علماء کا اصول نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب یا رد کی جائے۔

☆ حضرت مفتی عزیز الرحمن مدنی بجزوری صاحب اپنی تصنیف امام اعظم ابو حنیفہ کے صفحہ نمبر: ۳۶۴ پر اس بحث کے نتائج نکالتے ہیں کہ کون سی فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے؟ اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ فقہ اکبر مرویہ ہے جس کو امام صاحب سے امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے، نہ کہ وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد بن ابو حنیفہ نے روایت کیا ہے، ان کے یہ نتائج بڑے دل چسپ ہیں، جن کو قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے ہم ذیل میں نقل کرتے ہوئے ان پر تبصرہ بھی کرتے ہیں:

فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے:

۱: متعصب صاحب کا یہ قول کہ (امام ابو حنیفہ کی کوئی تالیف بھی بسند صحیح ماثور نہیں اور

ایک جماعت علماء نے اس سے انکار کیا ہے (پایہ اعتبار سے بالکل عاری ہے کیونکہ اہل سنت و الجماعت میں سے کوئی ان کی تالیف سے منکر نہیں ہوا، صرف بعض معتزلہ لوگوں نے انکار کیا ہے سو ان کا انکار قابل اعتبار نہیں، امام ابوحنیفہ کی تالیفات میں سے کتاب فقہ اکبر، کتاب العالم و المتعلم، و کتاب الاوسط، کتاب الوصیۃ، کتاب المقصود، ایسی مشہور و معروف ہیں کہ محتاج سند نہیں، اگر ان کی سند ہی دیکھنی ہو تو قاضی ابوزید الدبوسی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکوٰۃ الخراج، اور ابوسہیل الغزالی کی کتاب الطہارۃ کا باب الحیض، اور ابوعلی الدقاق کی کتاب النکاح کے باب العدة، اور ابو منصور ماتریدی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکوٰۃ السوائم، اور کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع و الشراء، اور بواللیث سمرقندی کی کتاب النکاح کے باب المہر کو دیکھو) (حوالہ اصل کتاب حدائق الحنفیہ سے نقل ہے)

تبصرہ: حضرت مفتی صاحب نے فقہ اکبر مرویہ کے ثبوت میں حدائق الحنفیہ صفحہ: ۹۸ کی مندرجہ بالا عبارت پیش کی ہے بعض لفظی اختلاف کے پیش نظر ہم نے حوالہ اصل کتاب سے نقل کر دیا ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے یہ غور نہیں کیا کہ مذکورہ عبارت میں سے یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی کہ فقہ اکبر معروف امام صاحب کی کتاب نہیں ہے، البتہ عبارت میں مذکور کتاب الاوسط کے بارے میں بعض علماء کرام جیسے علامہ زاہد الکوثری وغیرہ نے یہ عندیہ دیا ہے کہ یہ فقہ اوسط یا فقہ اوسط اصل میں فقہ اکبر مرویہ کا ہی دوسرا نام ہے، نیز مرقاۃ کے حوالے سے خود مفتی صاحب نے امام محمد کی کتاب الاوسط کے بارے میں عبارت سے اس کا حجم متعین فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

انه استعار منی کتاب الاوسط لابی حنیفہ و حفظہ فی یوم و لیلۃ  
امام شافعی نے مجھ سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاوسط عاریتاً لی تھی، اور اس کو ایک دن اور  
ایک رات میں یاد کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا حجم زیادہ نہیں تھا اور اگر کتاب فقہ اکبر مرویہ کو  
دیکھا جائے تو اس کا حجم بھی اتنا ہی ہے اور جن حضرات نے اس کو فقہ اوسط یا اوسط کہا ہے عین

ممکن ہے کہ ان کی رائے درست ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- علامہ کروری برائقی عمادی نے ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔ علامہ برائقی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں ۵۵۹ھ میں وفات پائی، ایک ثقہ محدث اور فقیہ ہیں ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے غلط لکھ دیا ہے۔ تبصرہ: حضرت مفتی صاحب نے مذکورہ عبارت میں دعویٰ تو یہ کیا کہ ”ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے“ لیکن ایک فقہ اکبر کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے اقرار اور دوسری فقہ اکبر کا ان کا نہ جانے کس وجہ سے فرما رہے ہیں؟ کم از کم اپنے دعوے میں تھوڑی سی وسعت پیدا کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا اور دعویٰ اور دلیل موافق بھی ہو جاتے۔

۳- فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع کی روایت سے مروی ہے نہ کہ فقہ اکبر مشہور۔

تبصرہ: ”فقہ اکبر ابو مطیع بلخی کی روایت سے مروی ہے تو فقہ اکبر مشہور امام حماد بن ابو حنیفہ کی روایت سے مروی ہے“ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ، بھلا اس دعویٰ یہ بات کہاں سے نکل آئی ہے کہ فقہ اکبر مشہور امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟

۴- ”فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں ”قال ابو حنیفہ قدوة الانام“ لکھا ہے وہ اقتباس ہے فقہ اکبر مرویہ کا، اور بعض جگہ ناخین کا تصرف ہے“

تبصرہ: یہ بات تو حضرت مفتی صاحب فقہ اکبر مشہور سے لاعلمی کی بنا پر فرما رہے ہیں کیونکہ فقہ اکبر مشہور میں صرف ایک جگہ یہ عبارت ہے اور وہ بھی بالکل ابتداء میں اور اگر مفتی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس عبارت کے بعد ساری فقہ اکبر مشہور فقہ اکبر مرویہ کا اقتباس ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اور فقہ اکبر مشہور کی ابتداء یوں ہوتی ہے ”قال الامام الاعظم“ اور مفتی صاحب کے فرمان ”بعض جگہ ناخین کا تصرف“ سے کیا معاد ہے؟ یہ بات شاید حضرت مفتی صاحب کو بھی واضح نہیں ہے کہ وہ اس عبارت میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔

۵- جو جرح اور تنقید فقہ اکبر پر کی جاتی ہے وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔

تبصرہ: یہ بات تو اپنے اپنے ذوق سے تعلق رکھتی ہے، تنقید کرنے والوں نے دونوں فقہ اکبر پر تنقید کی ہے اور اس میں سے جو تنقید جس فقہ اکبر پر منطبق کرنی ہو اسی پر کی جاسکتی ہے، کیونکہ بعض لوگوں نے فقہ اکبر مرویہ پر تنقید کی ہے اور بعض لوگوں نے فقہ اکبر مشہور پر تنقید کی ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاہب

اس سلسلے میں ہمارا موقف واضح ہے کہ ہم دونوں فقہ اکبر امام اعظم کی ہی تصانیف مانتے ہیں لہذا جس نے بھی ان پر تنقید کی ہے ہم اس کا جواب یہاں اسی باب میں اور ان کی شروح میں ان عبارات کے ذیل میں بھی دیں گے۔

۶- ابن تیمیہ نے حمویہ میں فقہ اکبر مرویہ کی جو خصوصیات لکھے ہیں وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتے۔

تبصرہ: اس مقام پر تو انہوں نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے بنیاد بنائی ہے اور وہ مسئلہ 'استوی باری تعالیٰ علی العرش' ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہ اکبر مشہور میں نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ گواہی صاحب خانہ کی معتبر ہوتی ہے امام ابن تیمیہ باوجود علم و حکمت کا پہاڑ ہونے کے امام صاحب سے عقائد و عمل دونوں میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ عقائد میں بھی حنبلی ہیں اور عمل میں بھی حنبلی ہیں اور ائمہ حنابلہ (یا محدثین) کی تنقید امام اعظم پر کسی سے مخفی نہیں ہے۔

۷- فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب ابی حنیفہ نے ابو مطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہے

تبصرہ: یہ تو حضرت مفتی صاحب نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے ورنہ اسمائے رجال کے لحاظ سے جو تنقید امام ابو مطیع بلخی پر کی گئی ہے وہ امام حماد پر یا ان کے نسخے کے راویوں پر نہیں کی گئی، تفصیل امام ابو مطیع کے احوال میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۸- شیخ الاسلام ابواسمعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت نقل کرتے

ہوئے بیان کی ہے

تبصرہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام انصاری نے اپنی کتاب 'الفاروق' میں جو اپنی سند کے ساتھ مسئلہ بیان کیا ہے وہ مسئلہ عموماً وہی ہے جس سے حنابلہ اپنے عقیدہ استوی بارئ تعالیٰ کے بارے میں استدلال کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں:

انہ سأل ابا حنیفة عن قال : لا اعرف ربی فی السماء ام فی الارض فقال قد کفر لان الله يقول ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ وعرشه فوق سبع سماواته . قلت : فان قال انه علی العرش ولكن لا ادری العرش فی السماء ام فی الارض قال هو کافر لانه انکر انه فی السماء فمن انکر انه فی السماء فقد کفر، وزاد غیره : لان الله فی اعلی العلیین وهو یدعی من اعلی لا من اسفل (شرح عقیدہ طحاویہ: ۲۲۰)

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا: کہ وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے جواب دیا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

رب رحمن عرش بریں پر مستوی ہوا

اور اللہ تعالیٰ کا عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ پھر میں نے پوچھا: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے تو اس کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص بھی کافر ہے کیونکہ اس نے عرش کے آسمانوں پر ہونے سے ان کا کیا ہے اور جو شخص عرش کے آسمانوں میں ہونے سے ان کا کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ (بعض نسخوں میں عبارت کا مزید اس طرح اضافہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ العلیین میں ہیں اور ان سے دعا بھی اوپر کی طرف منہ کر کے مانگی جاتی ہے نہ کہ نیچے کی طرف منہ کر کے۔

اس عبارت سے فقہ اکبر مشہور کا امام صاحب کی طرف انتساب کرنے سے ان کا

کہاں ثابت ہو رہا ہے؟ بلکہ یہ عبارت تو ہمارے دعویٰ کی تائید ہے کہ دونوں فقہ اکبر حضرت امام اعظم کی تصنیفات ہیں۔

۹- حافظ ذہبی نے کتاب مسئلہ علو میں لکھا ہے:

”روی ابو المطیع الحکم بن عبد اللہ فی الفقہ الاکبر“

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے

تبصرہ: جی ہاں! مسئلہ ”استواء علی العرش“ کا تذکرہ صرف فقہ اکبر مرویہ میں ہے، تو جو شخص اس مسئلے کو بیان کرے گا وہ اسی فقہ اکبر کا حوالہ دے گا نہ کہ وہ دونوں فقہ اکبر کو متعارف کروائے گا، لہذا فقہ اکبر مشہور کا ان کا رتو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

۱۰- ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے

تبصرہ: اس لئے کہ انہوں نے بھی مسئلہ استوی باری تعالیٰ علی عرش کو بیان کرنے کے دوران اس فقہ اکبر کا حوالہ دیا ہے لیکن اس سے فقہ اکبر مشہور کا ان کا ر ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱- علامہ قونوی کی روایت بھی اس قسم کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے:

تبصرہ: علامہ قونوی کے لقب سے دو افراد معروف ہیں (ایک): محمود بن احمد قونوی متوفی

۷۷۷ھ، اور (دوسرے): محمد بن یوسف بن الیاس قونوی متوفی: ۸۸۸ھ ہیں، اس کی تعیین

لازم ہے کہ کس نے اور کہاں فقہ اکبر مرویہ کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے۔ اور دوسرا یہ

بھی مدعی کے ذمے لازم ہے کہ وہ ثابت کرے کہ ان کی عبارت سے یہ بات کہاں ثابت

ہوتی ہے کہ وہ فقہ اکبر مشہور کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا ان کا ر کرتے ہیں، اور ہو سکتا

ہے ان تک دوسری کتاب ہی نہ پہنچی ہو جس کی وجہ سے انہوں نے ایک کتاب کو امام صاحب

کی کتاب تسلیم کر لیا ہے؟ اسی لئے عربی محاورہ ہے: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

۱۲- علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابو حنیفہ بخاری

کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

تبصرہ: ابن حجر کا فقہ اکبر مشہور کے امام صاحب کی کتاب ہونے سے ان کا ر کی وجہ صرف



مسئلہ والدین مصطفیٰ کے ایمان کی وجہ سے ہے لیکن انہوں نے اگر علامہ شامی کی تحقیق دیکھی ہوتی تو مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا اس مسئلے کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

۱۳- جو مسائل فقہ اکبر میں مشہور ہیں مثلاً، کفر والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وہ فقہ اکبر مرویہ میں نہیں ہیں، امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کو منسوب کرنا افتراء ہے یہی حافظ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ طحاوی نے حاشیہ در مختار میں لکھا ہے۔

تبصرہ: اس مسئلے کے بارے میں فقہ اکبر مشہور کے مختلف نسخے ہیں، اور اس مسئلے کو بنیاد بنا کر فقہ اکبر مشہور کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، کیا اس کے انکار کرنے کے بعد والدین مصطفیٰ کا ایمان ثابت ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور کیا فقہ اکبر مرویہ میں والدین مصطفیٰ کے ایمان کی تصریح کی گئی ہے یا نہیں؟

۱۴- فقہ اکبر پر کچھ شکوک و شبہات قائم کئے جاتے ہیں مثلاً علاہ شبلی اور ابوزہرہ مصری کو اشکال ہے کہ فقہ اکبر میں جن اصطلاحات مثلاً بالکلیف بالعرض بالذات کا ذکر ہے، اور جن مسائل مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے یہ سب بعد کی چیزیں ہیں، امام صاحب کے زمانہ میں ان کا وجود نہیں تھا، بیشک لیکن یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جاسکتا ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں ہیں اور نہ ان مسائل کا ذکر ہے۔

تبصرہ: اگر بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لے تو کیا اس سے کبوتر موت سے بچ جاتا، اس لئے امام اعظم نے اگر ان مسائل کی نشان دہی کی ہے تو کیا اس کا آسان حل یہ ہے کہ ہم اس کتاب کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ہی انکار کر دیں، اس کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے

☆ ان شاء اللہ ☆

تیسرا اعتراض:

﴿ان دونوں فقہ اکبر کے مسائل ایک دوسرے سے مختلف ہیں﴾

آئمہ کرام میں جو کتاب فقہ اکبر کے نام سے معروف ہے وہ ابو مطیع بلخی کی روایت کردہ

ہے، اور وہی امام صاحب سے منقول ہے اور جس فقہ اکبر کی ملا علی قاری نے تشریح کی ہے اس میں معروف فقہ اکبر کے علاوہ مسائل ہیں۔

اس اعتراض کی تقریر یوں ہے کہ

۱: اصل فقہ اکبر وہ کتاب ہے جس کو امام ابو مطیع بلخی نے امام صاحب سے روایت کیا ہے

۲: وہ فقہ اکبر جسکی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے وہ امام صاحب کی کتاب نہیں ہے

۳: ان دونوں فقہ اکبر میں ایک دوسرے سے مختلف مسائل ہیں

اب ہم ان میں سے ہر نقطے کا الگ الگ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں واللہ  
الموفق والمعين،

الجواب:

پہلی بات: کیا ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر امام صاحب کی ہے اور امام حماد والی نہیں

اس اعتراض کی محققین کی نظر میں اتنی زیادہ اہمیت نہیں کیونکہ فقہ اکبر کا وہ نسخہ جس کو امام

حماد نے امام صاحب سے روایت کیا ہے وہ معترض کی نظروں سے پوشیدہ رہا تھا، ورنہ وہ اس

قسم کا اعتراض نہ کیا کرتے، اور الحمد للہ ہم نے فقہ اکبر ابو مطیع، اور فقہ اکبر امام حماد، ہر دو رسائل

کو مجموعہ فقہ اکبر میں شامل کر کے شائع کر دیا ہے۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ مسائل میں

کس قدر فرق اور اختلاف ہے؛ اس اعتراض کی حقیقت حال قارئین کرام پر اس کتاب کے

مطالعہ کے بعد کھلے گی اور تبھی آسانی سے آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ جو

کتاب ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے اس کے مصنف امام صاحب ہیں، اور جو نسخہ ملا علی قاری

کی شرح کے ساتھ مروجہ ہوا ہے وہ بھی امام صاحب کا تصنیف کردہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ

ایک کا انداز بیانیہ ہے اور دوسرے کا انداز سوالیہ ہے ویسے دونوں کا موضوع علم عقائد ہے۔

متن فقہ اکبر کی حقیقت حال:

فقہ اکبر جو امام حماد بن ابی حنیفہ کی روایت سے مروی ہے وہ ایک متن ہے، اور اس میں

عقائد سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اس میں سوال و جواب کا طریقہ اختیار نہیں کیا

گیا ہے بلکہ کسی سوال کا تذکرہ کئے بغیر ایک بیان کے انداز میں بات بیان کر دی گئی ہے اور سامع سننے میں مصروف ہے، اور کسی قسم کا اعتراض کرنے والا بھی کوئی نہیں، لہذا کلام کی روانی میں کوئی خلل بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید سے علاماتِ قیامت تک کے سارے مسائل اختصار کے ساتھ اس زمانہ میں ایک مسلمان کو مسلمان بننے کے لئے یا ایک نو مسلم کو جس قدر ضروری ہو سکتے ہیں اس رسالے میں بیان فرمادئے گئے ہیں۔

جب کہ دوسری کتاب جس کے راوی ابو مطیع ہیں، اس کا نام آئمہ تحقیق مثلاً علامہ بیاضی وغیرہ فقہ اوسط تجویز فرماتے ہیں، اور اگر اس کو فقہ اکبر بھی کہا جائے تو بھی کوئی اعتراض والی بات نہیں کیونکہ اصل فقہ اکبر کی قراءت کے دوران ذہن میں وارد ہونے والے شبہات کا جواب شاگرد جو ابو مطیع بلخی ہیں وہ پوچھتے جا رہے ہیں اور استاد جو خود حضرت امام اعظم ہیں وہ جواب دیتے جا رہے ہیں،

اصل متن اس کتاب میں بھی فقہ اکبر ہی ہے مگر اس متن میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب مدون شکل میں فقہ اوسط کی صورت میں ہے لہذا ان کو ابو مطیع نے یک جا کر دیا اور قدیم آئمہ کی عادت کے مطابق اس کتاب کا نام کوئی بھی تجویز نہیں کیا، صرف فن کے نام فقہ اکبر کی وجہ سے اس کا نام بھی فقہ اکبر معروف ہو گیا، اس بارے میں دلیل چاہئے تو حاضر ہے امام ابو مطیع بلخی فقہ اوسط کے شروع میں فرماتے ہیں:

سألت ابا حنیفة نعمان بن ثابت عن الفقه الاکبر

(مجموعہ الفقہ الاکبر: ۱۱۵)

میں نے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا؟ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے فقہ اکبر کے مسائل کے بارے میں پوچھا؟ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے پوچھا کہ فقہ اکبر کہاں پڑی ہے یا فقہ اکبر کیا ہے یا فقہ اکبر کس کو کہتے ہیں بلکہ ایک عام سا مفہوم جو عربی لفظ (عن) کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، کہ میں نے فقہ اکبر کی قراءت کے بعد اس میں

پیدا ہونے والے سوالات کے بارے میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے پوچھا تو انہوں نے جو جوابات دیئے ان کو اس رسالے میں جمع کر کے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اور کہنے کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”میں نے امام ابوحنیفہ سے علم عقائد کے بارے میں پوچھا تو امام صاحب نے جو جواب دیا وہ یوں ہے“ لیکن یہ بات تب بنتی جب ایک بار پوچھتے اور پھر خاموش رہتے لیکن اس رسالے میں بار بار سوال کیا جاتا ہے اور ان سوالات کی تعداد ستاسی کے قریب بنتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو مطیع بلخی کے سامنے پہلے سے کوئی امام صاحب کا تجویز کردہ کوئی خاکہ موجود ہے جس کو سامنے رکھ کر جواباتیں وضاحت طلب ہیں ابو مطیع صرف ان کے بارے میں استفسار کرتے ہیں اور امام صاحب مختصر انداز میں اس کا جواب دیدیتے ہیں، اور ان سوالات کے مجموعے کا نام فقہ اکبر بھی رکھا گیا، اور بعض ائمہ علامہ بیاضی وغیرہ نے اس کا تھوڑا سا اختلاف دیکھ کر نام مختلف کر دیا اور انہوں نے فقہ اوسط کر دیا، اور بعض حضرات مثلاً علامہ زاہد الکوثری وغیرہ نے فقہ اوسط بھی اسی کو قرار دیا ہے، اور اسی کتاب کی تشریح امام ابواللیث سمرقندی نے فرمائی جو حیدرآباد دکن سے امام ابو منصور ماتریدی کے نام سے چھپی ہوئی ہے اس پوری تشریح میں انہوں نے کہیں بھی کتاب کے نام کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ کون سی کتاب ہے۔

### شروحات و تراجم فقہ اکبر کی حقیقت حال:

پھر شروحات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو زیادہ شرح متن فقہ اکبر کی ہیں جو نسخہ ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہے اور ابو مطیع بلخی والی شرح چونکہ علم فقہ اکبر پر کئے گئے سوالوں کے جوابات ہیں اور اس کی شرح کی زیادہ ضرورت نہیں تھی لہذا اس کی شروحات زیادہ نہیں لکھی گئی سوائے مولانا ابواللیث سمرقندی، قاضی عبید اللہ العلوی اور خواجہ محمد الحسینی المعروف بہ گیسو دراز کی شروحات کے، اور اگر تینوں شروحات پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو اس کی صورت یوں بنتی ہے:

پہلی تشریح امام ابواللیث سمرقندی کی ہے اور وہ اپنی اس شرح میں بعض اجمالی مسائل کی

تفصیل بیان فرماتے ہیں اور اس زمانے کے معروف فرقوں کے دلائل اور ان کے عقائد کا رد فرماتے ہیں اور کتاب کے بعض مقامات سے خاموشی سے گزر جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کے زمانے میں ان باتوں کی شرح کی ضرورت نہ تھی اگرچہ آج کے زمانے میں اس کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے، اس شرح کی وسعت اصل کتاب کے متن کے برابر اس لحاظ سے کتاب کا حجم شرح کو ملا کر دو چند ہو گیا ہے۔

دوسری تشریح شیخ حضرت محمد الحسینی گیسو دراز نے کی ہے وہ ابواللیث کی شرح کے بعض مقامات کا فارسی ترجمہ اور بعض اضافات ہیں جو ترجمہ میں بعض ضروری افادات جو شیخ اپنا نام لیکر فرماتے ہیں۔

تیسری تشریح قاضی عبید اللہ العلوی کی ہے لیکن یہ کتاب دوسروں کی نسبت مفصل ہے اور بعض جگہ تخریج احادیث بھی ہے اور بعض جگہ تشریحی اور بعض مقامات پر توضیحی نوٹس ہیں۔ چوتھی تشریح راقم نے کی ہے جو انشاء اللہ فقہ اکبر کی اس تشریح کے بعد مکمل کی جائے گی اس تشریح میں ابواللیث کی گیسو دراز اور قاضی العلوی کو شامل کر کے جہاں کمی رہ گئی ہے اس میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔

جس کو شرح کہا جاسکتا ہے وہ صرف امام ابواللیث کی شرح کے ابتدائی چند ابواب ہیں علاوہ ازیں کوئی شرح ایسی نہیں جو ان تینوں سے بڑھ کر ہو

تراجم فقہ اوسط :

پہلا ترجمہ مولانا عبد الحفیظ رحمانی نے کیا ہے جو آثار الامام نے نام سے مکتبہ شہاب دیوبند نے شائع کیا ہے جو نایاب ہے۔

دوسرا ترجمہ: مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے مہر انور کے نام سے کیا ہے اور مطبوع ہے لیکن وہ بھی نایاب ہے۔

تیسرا ترجمہ: بندہ راقم نے کیا جو شرح کے ضمن میں انشاء اللہ جلد ہی طبع ہو جائے گا۔

## فقہ اکبر کی شروحات:

البتہ فقہ اکبر ملا علی قاری والے نسخے کی متعدد شروح ہیں ان میں حکیم اسحاق بن محمد حکیم سمرقندی، شیخ اکمل بابر تہی، فخر الاسلام بزودی، محی الدین بن بہاء الدین، ملا علی قاری، عبد العلی بحر العلوم ابونتہی، اور اسکا فارسی ترجمہ از حضرت علی ہجویری، اور ابراہیم بن حسام کی منظوم شرح اور نور ظلم شرح سید احمد مرزوقی یہ تمام شروحات اس نسخہ کی ہیں جو ملا علی قاری کی شرح میں استعمال ہوا ہے۔

## اختلاف مسائل:

اور یہ کہنا کہ ”مسائل میں اختلاف اس نوعیت کا ہے کہ ایک نسخے میں اور مسائل ہیں اور دوسرے نسخے میں اور مسائل ہیں“

اس کا جواب یوں ہے کہ جب دو کتابیں ایک ہی فن کی ہوں گی اور لکھنے والا بھی ایک ہی ہو تو مسائل میں اضافہ یا کمی ہونا ایک فطری بات ہے مگر جب کتاب کی نوعیت بھی مختلف ہو تو اس میں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ دو مختلف کتابیں ہیں لیکن یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف مسائل ہیں، اور یہ اختلاف ان کتابوں میں کمی یا زیادتی کے لحاظ سے، یا بعض مسائل کے ایک کتاب میں ہونے اور دوسری میں نہ ہونے کے لحاظ سے ہے ان کے علوم کے مختلف ہونے کے لحاظ سے نہیں ہے۔

اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ دو الگ کتب میں اختلاف تو ہوتا ہے البتہ تضاد ہونا قابل اعتراض بات ہے، اور اعتراض ثابت کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے جبکہ دونوں فقہ اکبر کے نسخے زیر قلمی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، ان کو ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے اور دیکھا جاسکتا ہے کہ ان میں کوئی تضاد ہے؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان نسخوں کو دیکھنے کے بعد ہر ذی ہوش آدمی ہمارے اس دعوے کی تائید کرے گا کہ ان نسخوں میں اختلاف تو ہے لیکن ان میں آپس میں تضاد نہیں ہے۔

اکثر علمائے امت نے وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے اس کو

امام اعظم کی تصنیف تسلیم کیا ہے اور بعض نے وہ فقہ اکبر جس کو امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے اس کو امام صاحب کی تصنیف تسلیم کیا ہے اس لئے بہت سارے علمائے امت نے ان دونوں کی شرح میں دلچسپی ظاہر کی ہے اور ان کی شروحات بھی لکھی ہیں،

علامہ عبدالقادر بغدادی فرماتے ہیں

”فان اباحنیفة له کتاب فی الرد علی القدریہ سماها کتاب الفقہ

الاکبر، وله رسالۃ املاھا فی نصرۃ قول اهل السنة، ان

الاستطاعة مع الفعل“ (اصول الدین ص ۳۰۸)

امام ابو حنیفہ نے قدریہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام فقہ اکبر رکھا تھا اور اس میں اہل السنۃ والجماعت کے قول استطاعت مع الفعل کی بارے میں بھی بحث کی تھی۔

اس عبارت سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں:

پہلی بات یہ کہ امام صاحب کی تصنیف کا نام فقہ اکبر ہے،

دوسری بات یہ کہ اس رسالے میں مسئلہ استطاعت پر بھی بحث کی تھی۔

”رسالۃ املاھا فی نصرۃ قول اهل السنة، ان الاستطاعة مع

الفعل“

اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کون سا رسالہ ہے جس میں مذکورہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے؟

بحمد اللہ تعالیٰ اس بارے میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ کتاب جس کا نام فقہ اکبر ہے اور جو

امام ابو مطیع بلخی کی روایت کردہ فقہ اکبر ہے اس کے اس نسخے میں جو مجلس علمی نے یاد دوسرے

حضرات نے اس کو طبع کیا ہے اس میں یہ مسئلہ موجود نہیں ہے ہاں البتہ جو نسخہ خواجہ گیسو دراز کی

شرح کے ساتھ طبع ہوا ہے اس نسخے میں بھی یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور جو

نسخہ بندہ کاتب کی تحقیق سے طبع ہوا ہے اس میں بھی یہ نسخہ موجود ہے

من شاء منکم فیراجع الیہ

خلاصہ کلام:

ہر شخص جو امام صاحب کی تصانیف میں گہری نظر رکھتا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر جو ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ معروف ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہونے میں زیادہ معروف اور مشہور ہے؛ بنسبت اس فقہ اکبر کے جو ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے۔ اس کی دلیل چاہئے تو میدان تصانیف تالیف حاضر ہے کسی زمانے کے علماء کا ذہن میں رکھئے اور ان کی تصانیف میں تلاش کیجئے کہ کس کا انتساب امام صاحب کی طرف زیادہ کیا جا رہا ہے؟ اور کیا جس کتاب کا انتساب امام صاحب کی طرف کم ہوگا تو محققین اس کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کر دیں گے؟ لیکن یہ اصول محققین کا طریقہ نہیں ہے اسی لئے علامہ کردری نے المناقب میں فرمایا:

وهذا ليس اصل من الاصوليين

یہ اصولی علماء کا اصول نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب یارو کیا جائے۔

چوتھا اعتراض:

ائمہ حنابلہ کے استدلالات کا مسئلہ

فقہ اکبر کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا انکار کرنے کے لئے سب سے اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بہت سارے علمائے حنابلہ نے اس فقہ اکبر سے استدلال کیا ہے جو امام ابو مطیع کی روایت کردہ ہے، اور اسی کا نام فقہ اکبر مرویہ ہے پس ان علماء کے استدلال کی وجہ سے یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف ہے، جبکہ امام حماد بن ابو حنیفہ والی فقہ اکبر سے کسی حنبلی عالم نے استدلال نہیں کیا لہذا وہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

اس اعتراض کے تمام جزء کی تفصیل یوں ہے:



پہلا جزء:

یہ کہ امام ابن تیمیہ نے فقہ اکبر کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ فقہ اکبر کی عبارت ہے، لہذا جس فقہ اکبر میں وہ عبارت پائی جائے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے جس میں وہ عبارت نہ پائی جائے وہ حضرت امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

دوسرا جزء:

یہ ہے کہ بعض علمائے حنابلہ نے امام اعظم کی فقہ اکبر میں سے اللہ تعالیٰ کے استوائے عرش کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس فقہ اکبر میں یہ مسئلہ موجود ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور جس میں یہ مسئلہ نہیں ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟ اس جزء کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: یہ کہ اس مسئلہ کے ایک نسخے میں موجود ہونے سے وہ امام صاحب کا مصنفہ نسخہ قرار پائے۔

دوسرا پہلو: یہ ہے کہ اس عبارت کی عدم دستیابی کی وجہ سے فقہ اکبر کا نسخہ امام صاحب کی تصنیف ہونے سے مردود ٹھہرایا جائے؟

الجواب: بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے علمائے حنابلہ کی عبارات کو دیکھا جاتا اور اس کے بعد ان کا محاکمہ کیا جاتا کہ ان میں سے کون سی بات ثابت ہوتی ہے اور کون سی بات ثابت نہیں ہوتی، لہذا جن جن علمائے حنابلہ نے اس عبارت سے استدلال کیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

☆..... ابن قدامہ المقدسی (۶۲۰ھ) کا موقف:

موفق الدین ابن قدامہ مقدسی فقہ اکبر کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یہ بات امام ابوحنیفہ سے مجھے پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرمایا ”جو

شخص اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے“ (اثبات صفة العلو: ۱۶۸)

☆..... ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کا فقہ اکبر کے بارے میں موقف

ویسے تو علمائے حنابلہ میں بہت سے ایسے افراد گزرے ہیں جنہوں نے فقہ اکبر سے استدلال کیا ہے لیکن ان میں امام ابن تیمیہ سب سے معروف اور معاملے میں دوسروں سے مقدم ہیں:

(۱) ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنہ میں فرماتے ہیں

بلاشبہ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے تقدیر کا علم اپنے سے مقدم لوگوں سے حاصل کیا تھا اور ان کے ساتھ اتفاق بھی کیا تھا، اور ان کے ماننے والوں نے اسی روایت کو قائم بھی رکھا تھا، اور قدریہ کے بارے جو فقہ اکبر میں انہوں نے رائے دی ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اور انہوں نے اپنی اس کتاب میں جس انداز میں مسئلہ تقدیر کو ثابت کیا ہے ایسا کوئی اور ثابت نہیں کر سکا ہے۔ (منہاج السنہ: ۳/۶۳۹، وبراءۃ الائمة الاربعۃ)

(۲) اپنی ایک اور تصنیف ردالتعارض بین العقل والنقل میں فرماتے ہیں:

”ابوحنیفہ اپنی اس کتاب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں جو ان کے ماننے والوں میں بہت معروف ہے اور وہ کتاب بااعتماد سندوں کے ساتھ ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی نے روایت کی ہے“ (ردالتعارض بین العقل والنقل: ۶/۲۶۳)

(۳) اپنی تصنیف فتاویٰ حمویہ کبریٰ میں فرماتے ہیں:

فقہ اکبر نامی کتاب میں جو ابو مطیع نے روایت کی ہے اور وہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں بہت معروف ہے اور یہ کتاب اپنی اسناد کے ذریعے ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی تک پہنچتی ہے، اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا؟

(مجموعہ فتاویٰ: ۵/۴۶)

(۴) ایک مقام جو عبد العزیز حمیدی کی نظر سے نہیں گزری لیکن ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

امام ابن تیمیہ کا دعویٰ ہے جو انہوں نے ”استوی علی العرش“ کا اثبات کرتے ہوئے اپنے ایک رسالے میں کیا ہے اور وہ رسالہ انہوں نے خاص طور پر مسئلہ استوی پر تصنیف کیا ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں کہ:

فقہ اکبر میں ابو مطیع سے روایت کیا گیا کہ:

من لم يقربان الله على العرش فقد كفر ، لان الله يقول ” الر  
 حمن على العرش استوى “ و عرشه فوق سبع سموات فقلت:  
 انه يقول ” على العرش استوى “ ولكن لا يدري العرش في  
 السماء ام على الارض؟ فقال : اذا انكر انه في السماء فقد  
 كفر.

جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ الرحمن على العرش استوى ﴾ اللہ اپنے عرش پر مستوی ہو گئے اور اس کا عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے میں نے پوچھا کہ اگر کوئی کہے کہ وہ عرش مستوی ہو گیا لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ عرش آسمان کے اوپر ہے یا زمین کے اوپر؟ امام صاحب نے جواب دیا جب آسمان پر ہونے کا اس نے ان کا کیا تو وہ کافر ہو گیا۔ (فتاویٰ کی جلد: ۵)  
 اور میں مذکور یہ عبارت:

”من لم يقربان الله على العرش فقد كفر .....

صرف امام ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر میں مذکور ہے، یہ عبارت ملا علی قاری والے نسخہ میں نہیں ہے؟ لہذا ابو مطیع والا نسخہ امام ابو حنیفہ کا ہے اور ملا علی قاری والا نسخہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟ یہاں مدعی کا یہ دعویٰ نہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے بلکہ فقہ اوسط کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا دعویٰ ہے چونکہ اس عبارت سے امام ابن تیمیہ کا اپنا عقیدہ ثابت ہوتا تھا لہذا اس کو استدلال بنا کر امام صاحب کی تصنیف مان لیا ہے۔

اس دعویٰ کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ کیا امام صاحب اور ابن تیمیہ کا اس مسئلہ میں ایک ہی عقیدہ ہے اس سلسلے میں کئی ائمہ کرام ہیں جنہوں نے امام صاحب کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں زمین پر نہیں ہیں۔ لہذا اس بات سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ائمہ ماترید یہ اور

اشعر یہ نے جو ائمہ حنابلہ سے اختلافات کیے ہیں ان میں ایک اہم ترین مسئلہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر بیٹھے ہوئے ہونے کا ہے اور عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

اسی بنا پر امام بزودی نے اپنی کتاب اصول الدین میں حنابلہ کو مجسمہ فرقہ میں ذکر کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تجسیم کے قائل ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے گا کہ امام صاحب سے یہ بات نقل کرنا کہاں تک درست ہے اور اگر نقل کر بھی لیا جائے تو اس کا حقیقی مفہوم کیا ہوگا اس بات کی توضیح کے لئے مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

(اول): یہ کہ امام صاحب سے حنابلہ کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا حنابلہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے استوئی کے قائل ہیں جب کہ حضرت امام صاحب کی فقہ اہل سنت میں یہ عبارت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت اوپر کی طرف اعلیٰ ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ جہت کو متعین کرنے کی وجہ سے، اور سب اعلیٰ مقام اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں محدود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر کرسی میں محیط ہیں، اور نہ ہی کرسی ذات باری کی محاط ہے۔ اس لئے کہ ذات باری کو محیط کرسی یا محدود بالعرش کرنے سے یقیناً ذات باری تعالیٰ میں کسر شان لازم آتی ہے اور یہ رائے ہرگز ہرگز امام صاحب کی نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

(دوم): رہا یہ سوال کہ امام صاحب نے ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے ﴿اللہ علی العرش﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اس عنوان کو تسلیم کر لئے جانے کے بعد یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ امام اعظم اللہ تعالیٰ کے عرش پر محدود ہونے کے قائل ہیں۔

(سوم): امام ابن تیمیہ کا یہ استدلال کرنا کہ وہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب ہے۔ جس میں استوئی علی العرش کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی غرض بذات خود اپنا مدعی ثابت کرنا ہے نہ کہ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف ثابت کرنا، اور اس بحث میں سارا زور اس بات پر ہے کہ اگر یہ کتاب امام صاحب کی تصنیف ثابت ہو جائے تو ہمارا دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا، ورنہ متاخرین حنابلہ نے اس کتاب کی اسناد پر بحث و جرح کرنے کے

بعد اس کو امام صاحب کی تصنیف ماننے سے ان کا رکر دیا ہے۔

(چہارم): ایک زمانہ میں یہ رواج رہا ہے کہ کوئی بھی فرقہ اپنے آپ کو حضرت امام صاحب کا ہم مسلک ثابت کرنے کے لیے ان کے عقائد توڑ موڑ کر بیان کرتا تھا، حتیٰ کہ قدریہ ان کو اپنا ہمنا بنا کر پیش کرتے تھے، مرجیہ اپنا ہم خیال ظاہر کرتے تھے، اور جبریہ ان کو اپنا ہمنا والہ وہم پیالہ جانتے تھے۔ اور شیعہ حضرات بھی اس میدان میں طبع آزمائی کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ تو بھلا حنا بلہ کسی سے کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔

اس سلسلے میں ہمارا بڑا سادہ سا جواب ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے عقائد ثابت کرنے کی غرض سے ایک نظریہ پیش کرے تو ہم اس بات کو ماننے کے لیے ہمہ وقت دست بستہ تیار رہتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے عقائد کو کوئی نیارخ دے یا ان کو نئے انداز میں پیش کرے یہ کسی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتا،

لہذا ابن تیمیہ کا دعویٰ اس قدر تو درست ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہے مگر اس سے اپنے مسئلہ استوی علی العرش کا استدلال کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا پھر جبکہ ابن تیمیہ نے مسئلہ استوی علی العرش میں باقاعدہ ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں تو آسمان کے اوپر عرش و کرسی کہ من جملہ آسمانوں کے شمار کیا ہے۔

(۵) اپنی کتاب الحمویہ میں ایک مقام پر استدلال کرتے ہیں جس کی عربی

عبارت یوں ہے:

الفقہ الاکبر المشہور عند اصحاب ابی حنیفۃ الذی رواہ  
بالاسناد عن ابن مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی ، قال سئلت  
ابا حنیفۃ عن الفقہ الاکبر ؟ فقال : لا تکفرون احداً بذنب ، ولا  
تنف احداً به من الايمان ، وتأمرو بالمعروف وتنہی عن المنکر ،  
و تعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطنک وما اخطناک لم یکن  
لیصیبک ، ولا نتبری احداً من اصحاب رسول اللہ ، ولا نوال

احداً دون أحد، و ان ترد أمر عثمان و علی الى الله عز وجل

(مجموعہ فتاویٰ الحمویہ)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں جو فقہ اکبر مشہور ہے یہ وہی فقہ اکبر ہے جس کو ابو مطیع بلخی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، اور اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے فقہ اکبر کے بارے میں سوال کیا تو جواب میں امام صاحب نے فرمایا: فقہ اکبر یہ ہے کہ تو

”گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہے اور کسی کو ایمان سے خارج نہ کرے، اور امر

معروف اور نہی منکر کو اپنا شعار بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا، اور جو اس کی طرف سے نہیں ملنے والا اس کو کوئی دے نہیں سکتا اصحاب رسول میں سے کسی سے تبراء نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور مشاجرات حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

وضاحت: امام ابن تیمیہ نے جو امام اعظم کی فقہ اکبر کے یا ان کے عقائد کے بارے

میں رائے بیان فرماتے ہوئے استدلال کیا ہے، ان سب عبارات کو جمع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہ اکبر کے دونوں نسخوں کو حضرت امام اعظم کی تصانیف مانتے ہیں کیونکہ منہاج السنۃ میں مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے ہوئے انہوں جس انداز سے استدلال کیا ہے اور قدریہ پر امام اعظم کی طرف سے رد کرنا ثابت کیا ہے، وہ عبارت امام اعظم کی امام حماد والی فقہ اکبر میں ہے امام ابو مطیع بلخی والے نسخے میں نہیں ہے اور اگر کسی صاحب کو شک ہو تو دونوں نسخے مطبوعہ شکل میں مل جاتے ہیں دلیل مدعی کے ذمے لازم ہے۔

مزید یہ کہ: امام ابن تیمیہ بذات خود حنبلی عقائد کے حامل ہیں اس لئے ان کی بات کا وہ

درجہ یا اعتماد نہیں ہو سکتا جو کسی صاحب مسلک و مذہب کا ہو سکتا ہے کیونکہ ابن تیمیہ کئی مسائل میں حضرت امام صاحب سے اختلاف کرتے ہیں اور وہ مسائل متن فقہ اکبر میں مذکور ہیں، جبکہ ابو مطیع والی فقہ اوسط یا فقہ اکبر میں مذکور مسائل سے ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اسی لئے کہ ان کے نزدیک یہ کتاب تو امام صاحب کی تصنیف ہونا تسلیم ہے اور ان کی اسی بات کو بنیاد

بنا کر بعض علمائے حنابلہ اس کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔

اس جواب کا خلاصہ کلام یوں ہے:

ہمارے نزدیک میدان تحقیق میں امام ابن تیمیہ کی رائے قابل حجت و قابل استدلال نہیں ہے اس کی متعدد وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: ابن تیمیہ عقائد اور فقہ میں امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اور اصول یہ ہے؛ صاحب البیت ادری بمافیہ۔

دوسری وجہ: ابن تیمیہ نے اپنے اس دعوے میں دوسری فقہ اکبر کے امام اعظم کی تصنیف ہونے سے انکار نہیں کیا، لہذا ان کے اس دعویٰ کی بناء پر ہم کیسے ایک کتاب کی نفی اور دوسری کا اثبات کر سکتے ہیں۔

تیسری وجہ: ابن تیمیہ نے یہ دعویٰ امام صاحب کی تمام کتب کا احاطہ کرتے ہوئے نہیں کیا جسکی وجہ سے ان کی رائے کو ایک فقہ اکبر کے امام صاحب کے تصنیف ہونے اور دوسری فقہ اکبر کے تصنیف نہ ہونے پر استدلال کریں، ہاں ایسا ضرور ہے کہ ان کو یہ رسالہ ما اسی کو انہوں نے اپنے دعویٰ کی بنیاد بنا لیا۔

چوتھی وجہ: ابن تیمیہ نے مسئلہ: استوی اللہ علی العرش کی وجہ سے خاص طور سے اس نسخے سے استدلال کیا ہے اور حنابلہ اسی مسئلہ سے استنباط کرتے ہیں کہ جو استوی کے بارے میں ہماری رائے ہے وہی امام صاحب کی رائے ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک اس مسئلہ میں تاویل یا تفویض جائز ہے، لیکن تعین یا تجسیم جائز نہیں ہے، اور علامہ بیاضی اور علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں بعض علمائے حنابلہ تعین اور تجسیم کے قائل ہیں، اسی لئے علامہ کوثری اشارات المرام کے صفحہ نمبر ۶ کے حاشیہ میں عبداللہ انصاری ہروی کو اہل مجسمہ میں شمار کرتے ہیں۔

☆ علامہ ذہبی: ۷۷۸ھ العلولعلی الغفار میں فرماتے ہیں

”ابو مطیع بلخی جن کا نام حکم بن عبداللہ بلخی فقیہ مصنف فقہ اکبر جنہوں نے امام اعظم سے فقہ کا علم بھی حاصل کیا اور انہی سے روایت حدیث کی فرمائی ہے“

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

”امام ابو مطیع بلخی جو فقہ اکبر کے راوی ہیں ان سے یہ بات ہمیں پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں

کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا“ (العلو لعلی الغفار: ۱۰۱)

☆ نیز ناصر الدین البانی نے جو مختصر العلو کی ہے اس میں بھی انہوں نے اس کتاب کو ابو

مطیع بلخی کی تصنیف بتایا ہے (مختصر العلو: ۱۳۶)

☆ ابن قیم جوزی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں

ابن قیم نے اجتماع جیوش الاسلامیہ میں تین مختلف مقامات پر من و عن وہی عبارات نقل فرمائی ہیں جو ابن تیمیہ میں اپنی کتب میں نقل کی ہیں اور ابن قیم نے تو حوالہ بھی ابن تیمیہ کی ان عبارات کا دیا ہے جو اوپر ابن تیمیہ کے حوالے سے نقل کی ہیں اس لئے ہمارے دعویٰ اپنی جگہ پر ہی ثابت ہے کہ حنابلہ نے صرف ایک مسئلہ نقل در نقل کیا ہے ورنہ اس کے علاوہ کوئی اور بات ایسی نہیں جو وجہ استدلال بن سکے۔

ان کی ایک عبارت اجتماع جیوش اسلامیہ ص: ۵۵ پر ہے۔ دوسری عبارت اجتماع جیوش اسلامیہ کے صفحہ ۵۶ پر ہے اور تیسری عبارت بھی اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ پر نقل کی گئی ہے

☆ عبدالقادر بن طاہر بغدادی

جو اصول الدین ص: ۳۰۸ کے مصنف ہیں ’الفرق بین الفرق ص: ۳۲۳ اپنی مذکورہ دونوں کتابوں میں فقہ اکبر کو امام جو ابو مطیع والی ہے اس کو امام اعظم کی تصنیف بتاتے ہیں

☆ ابو بکر بیہقی

بیہقی نے بھی امام ابو مطیع بلخی کے ذریعے روایت کی گئی کتاب فقہ اکبر کو امام ابو حنیفہ کی تصنیف قرار دیا ہے (اجتماع جیوش: ۵۵، الاسماء والصفات: ۴۲۶)

☆ ابو اسماعیل انصاری نے الفاروق میں



انہی مسائل کو جو ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں نقل کئے ہیں بنیاد بنا کر امام ابو حنیفہ کی اسی فقہ اکبر کو جو ابو مطیع بلخی کی روایت کی ہے اس کو بنیاد بناتے ہوئے اس کو امام اعظم کی تصنیف قرار دیتے ہیں“

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ حضرت امام صاحب سے عبارات نقل کی ہیں جن میں اکثر جگہ وہ فقہ اکبر کا حوالہ دیتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام اعظم کی رائے ہے، لیکن یہ تعین اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک ان تمام عبارات کو ایک جگہ جمع کر کے موازنہ نہ کیا جائے اور اس کے بعد ہی کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکتی ہے،

اسی لیے خاص طور سے اس نسخے کا ان کے ہاں تذکرہ کیا جاتا ہے ورنہ ابن تیمیہ کے ماننے والے خود حماد بن ابی حنیفہ والے نسخہ کی شرح ڈاکٹر محمد بن النخیس سے کروا کر وزارت شوون اسلامیہ والاوقاف والدعوة والارشاد سعودی عرب سے چھپوا کر حجاج کرام کو مفت تقسیم کروا رہے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے اہل علم کے درمیان معروف فقہ اکبر وہی ہے جس کو متن فقہ اکبر کہا گیا ہے اسی لیے تو کثیر ائمہ نے اس کی شروحات لکھی ہیں اور اسی سے استدلالات کئے ہیں، اور اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے امام بزودی کی کتاب اصول الدین، امام ابو بکر کلاباذی کی کتاب التعرف لمذہب التصوف اور امام طحاوی کی کتاب بیان السنۃ جو عقیدہ طحاویہ کے نام سے مشہور ہے، اور محی الدین بن محمد ابن بہاء الدین المتوفی: ۹۵۱ھ نے شرح الفقہ الاکبر لکھی اور مولی اسحاق نے شرح الفقہ الاکبر لکھی ہے۔ (الشقائق النعمانیہ طا شکر ی زادہ)

اور علامہ نصیر الدین بینائی نے فتاویٰ برہنہ میں متعدد جگہ امام حماد والی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف مانتے ہوئے استدلال کرتے ہیں، اور امام ابراہیم بن حسام نے منظوم انداز میں شرح لکھی ہے۔

اور فقہ اکبر مرویہ یا فقہ اوسط کی جن احباب نے تشریحات کی ہیں وہ مکمل شروحات نہیں بلکہ ان کو حاشیہ کہنا چاہئے، لہذا امام ابن تیمیہ کی بات کو بنیاد بنا کر ایک فقہ اکبر کو امام صاحب

کی تصنیف ماننا اور دوسری کارڈ کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

(۲): اور اس باب میں بعض علماء نے کچھ عبارات کی عدم دستیابی کو بنیاد بنا کر ملا علی قاری والے نسخے کو امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کیا ہے، اس سے مسئلہ میں ان کی مراد خاص طور سے یہی مسئلہ ہے جو مسئلہ استواء باری تعالیٰ ہے۔

پہلی بات: اگر اس عبارت کی عدم دستیابی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب امام صاحب تصنیف کی نہیں تو کئی نسخے اسی کتاب کے جو امام صاحب سے ابو مطیع بلخی اور ان سے آگے مختلف راویوں نے روایت نقل کی ہیں ان میں بھی یہ عبارت موجود نہیں ہے مثال کے طور پر وہ نسخہ جو مجلس علمی کراچی سے طبع ہوا ہے اور قاضی عبید اللہ علوی نے اس کے حواشی اور مفتی محمد عیسیٰ نے اس پر مقدمہ لکھا ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے لہذا جس طرح اس نسخے کا عبارت کی عدم دستیابی کی وجہ سے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کیا جاتا ہے اسی بناء پر اس کا بھی انکار کرنا چاہئے

دوسری بات: امام صاحب کے زمانے میں علم عقائد کیلئے کوئی مخصوص نام نہ تھا اس لئے جس نے اس دور میں علم عقائد کے موضوع پر لکھا اس نے اس کا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور ممکن ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب اور بھی دریافت ہو جائے یا کسی کتاب کے متعدد نسخے مل جائیں اس لئے یہ مسئلہ اتنی پریشانی والا نہیں ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف تصانیف ہوں اور ممکن ہے کہ ایک مسئلہ ابو مطیع کے ہاں ہو اور کسی دوسرے نے اس کو نقل نہ کیا ہو۔

یا ان باتوں کو جواب یوں بھی ہو سکتا ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ جو عبارت امام ابن تیمیہ نے نقل کی ہے اس کا مفہوم دیکھ لیا جائے تو مسئلہ کافی حد تک صاف ہو جائے گا اور وہ عبارت یوں ہے:

امام ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے فقہ اکبر کے بارے میں

پوچھا:

قال سألته ابا حنيفة عن الفقه الاكبر ؟

اس عبارت میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں فقہ اکبر سے مراد کیا ہے؟  
(۱) یا تو اس سے مراد فقہ اکبر کا فن ہے جس سے مراد اس زمانے میں علم العقائد لیا

جاتا تھا

(۲) یا اس سے فقہ اکبر نام کی کتاب ہے جو حضرت امام صاحب کی تصنیف شدہ تھی  
(۳) یا مذکورہ دونوں باتیں مراد ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں علم  
عقائد کی کتاب فقہ اکبر کے بارے میں اسی موضوع کی مزید وضاحت کی غرض سے بعض  
باتیں دریافت کیں جن کو بعد میں کتابی شکل دے کر ایک نئی کتاب بنا دی اور یہی بات عین  
ممکن اور قرین قیاس ہے، گویا امام ابو مطیع بلخی اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

قال ابو مطیع: قرأتُ الفقه الاکبر، وسألتُ ابا حنیفة عن ما فیہ  
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کتاب فقہ اکبر پڑھنے کے بعد علم فقہ اکبر یعنی علم  
عقائد کی مزید وضاحت چاہتے ہوئے امام ابو حنیفہ سے پوچھا؟

اس طرح ساری بات واضح ہو جائے گی اور کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔

تیسری بات: چونکہ امام ابو مطیع بلخی نے اپنی کتاب کا کوئی نام تجویز نہ فرمایا تھا اور یہ ہی سلف  
کا طریقہ کار تھا اور بعد والے احباب نے ان کے نام تجویز کیے جیسے کہ پہلے واضح کر دیا گیا  
ہے اب بعد والے احباب نے یا تو موضوع کی مناسبت سے اس کا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور بعض  
نے فقہ اکبر کی بجائے چونکہ یہ بات اس نام کی کتاب امام صاحب سے پہلے منقول تھی جس  
کے راوی حماد بن ابی حنیفہ تھے لہذا تھوڑا فرق کرتے ہوئے اس کا نام فقہ اوسط تجویز فرما دیا،  
اور یا اس کتاب کے ابتدا میں فقہ اکبر کا نام دیکھ کر اس کتاب کا نام بھی فقہ اکبر سمجھ لیا لیکن یہ  
آخری بات انتہائی سسطھی ہے۔

آخری بات: دوسرے ائمہ حنابلہ نے بھی چونکہ نقل در نقل کے طور پر اس عبارت سے  
استفادہ کیا ہے لہذا میدان تحقیق میں یہ کوئی ایسا علمی اضافہ نہیں کہ اس کو بہت بڑی تحقیق شمار  
کیا جاسکتا ہو ورنہ ان میں سے بعض حضرات نے تو سرے سے امام صاحب کی تصنیف

ہونے سے بھی ان کا کیا ہے لہذا اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں فلاں امام بھی اس بات کا قائل ہیں (جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن نے ارشاد فرمایا ہے) درست نہیں ہے نوٹ: اسی تحقیق کے دوران انٹرنیٹ سے بھی جب سرچ کی گئی تو وہاں ایک بڑا مفصل مقالہ دریافت ہوا جس کا اصل موضوع ہے

کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ اکبر کون سی ہے آیا وہ جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے یا وہ جس کو امام حماد نے روایت کیا ہے اس سلسلے میں اس مقالہ نگار کا سارا زور اس بات پر ہے کہ چونکہ دونوں نسخوں میں روایت کرنے والے راوی مجروح ہیں لہذا ان سے اس بات پر استدلال کرنا کہ وہ امام اعظم کے عقائد کا مجموعہ ہیں کسی طور بھی صحیح نہیں ہے باقی اس میں موجود اہم باتوں کو یہاں نقل کر دیا ہے اور بعض باتوں جو قابل رد تھیں ان کو پہلے ہی رد کیا جا چکا تھا، اور حنا بلہ کی تائید میں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بھی قبل ازیں واضح کر دیا گیا ہے

اب کوئی خاص بات ایسی نہیں جس کو یہاں پیش کیا جاسکے

وللہ الحمد یارب کما ینبغی لجلالک

## پانچواں اعتراض:

### مسئلہ عبارات کی عدم دستیابی

علامہ قونوی نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان اباحنیفۃ سئل : ما تقول فی الخوارج المحکمة ؟

فقال ؛ ہم أخبث الخوارج ؛

قال ابو مطیع قلت تکفرهم ؟

قال لا ولكن نقاتلهم علی ما قاتلهم الائمة من اهل الخیر علی

بن ابی طالب و عمر بن عبد العزیز

(مجموعہ الفقہ الاکبر: ۱۳۴)

”امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ خوارج محکمہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ

نے جواب دیا: یہ خوارج کی بدترین قسم ہیں۔

تو پوچھا گیا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ کافر نہیں کہا جائے گا۔

لیکن چونکہ وہ ائمہ حق حضرت علیؑ اور عمر بن عبد العزیزؓ سے قتال کرتے تھے لہذا ان کے

ساتھ قتال کیا جائے گا“

یہ عبارت بھی ابو مطیع والے نسخے میں ہے، دوسرے نسخہ یعنی حماد بن ابی حنیفہ والے نسخے

میں موجود نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کی فقہ اکبر کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے نہ کہ ملا علی

قاری والا ؟

واقعی یہ بات صحیح ہے اور مذکورہ عبارت فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع میں موجود ہے لیکن فقہ

اکبر مرویہ امام حماد بن ابو حنیفہ میں موجود نہیں ہے۔ اس میں ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ دونوں نسخے امام ابو حنیفہ کی تصانیف ہیں؛ ایک کی روایت ابو مطیع اور دوسرے کی روایت حماد بن امام اعظم نے امام اعظم سے کی ہے البتہ دونوں کا موضوع جدا ہے ایک کا موضوع علم عقائد اور دوسرے کا موضوع علم کلام ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد کرتے ہوئے دوسرے کو قبول کرنے کے دعوے دار نہیں ہیں، نیز ہم تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام صاحب سے ان کی مذکورہ کتب کے متعدد نسخے منقول ہیں جیسے فقہ اکبر از امام حماد والی کتاب میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہم آئندہ مسئلے میں وضاحت کریں گے؛ اسی طرح فقہ اوسط میں متعدد نسخوں سے عبارات کا فرق ہمارے طبع شدہ نسخے میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ہماری تحقیق سے طبع شدہ نسخہ ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے، اسی طرح مجلس علمی کراچی سے طبع شدہ فقہ اکبر روایہ ابو مطیع بلخی والے نسخے میں مسئلہ استوی علی العرش بیان نہیں کیا گیا البتہ حاشیے میں نقل کیا گیا ہے۔

جہاں تک مسئلہ اہل خوارج کا ہے۔ تو یہ فرقہ حضرت امام صاحب کے زمانہ میں بڑے زوروں پر تھا مگر سوال یہ کہ ایک نسخے میں اس کا ذکر ہونا اور دوسرے میں اس کا تذکرہ نہ ہونا، اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے اور وہ نہیں؟

جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں اور بے شمار فرقے تھے جن سے امام صاحب کے مناظرے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام صاحب کو قتل کرنے تک کے پروگرام بنائے، اور ان کا تذکرہ تک امام صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہیں کیا، تو کیا اس کے بارے میں یہ رائے رکھی جائے گی کہ جس کتاب میں ان کا تذکرہ ہے وہ تو امام صاحب کی تصنیف ہے لیکن دوسری کتاب جو اس کے علاوہ ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، یہ تو ایسا اصول ہے کہ جس قاری کی نظر سے وہ عبارت گذری ہے اسی کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اسی عبارت کو جو ان کی نظر میں تھی اس کو دلیل بنا دیا ہے جب کہ یہ اصول نہ عقلاً اور نہ نقلاً قابل اعتناء ہے کیونکہ ایک بات کا میرے علم میں ہونا اس کے وجود کی دلیل نہیں اور

میرے علم میں نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ حقائق تو اپنی جگہ حقائق ہوتے ہیں دیکھا یہ جاتا ہے کہ مدعی نے آیا یہ نسخہ دیکھا ہے اور اس کی نوعیت..... اور..... بیان کیا ہے، یا اپنے طور پر ایک نسخہ دیکھا اس میں ایک بات دیکھی اور اسی بات کو دعویٰ کی دلیل بنا دیا؟

علم عقائد میں امام اعظم کی کتب کی نوعیت:

دیکھا جائے تو فقہ اکبر میں حضرت امام صاحب صرف دعویٰ کرتے ہیں جس کے ساتھ دلیل کبھی ذکر نہیں فرماتے، پوری کی پوری کتاب دعویوں کا مجموعہ ہے اب فقہ اہل سنت پر نظر ڈالی جائے تو وہ دلائل کا مجموعہ ہے اسی طرح العالم و المتعلم بھی دلائل کا مجموعہ ہے اب ان دونوں میں فرق یہ ہے فقہ اہل سنت میں عموماً نقلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں کبھی قرآن سے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے، اور العالم و المتعلم میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں وہ بالعموم عقلی نوعیت کے ہیں، مگر یہ بھی میرا دعویٰ ہے کہ جو اس کتاب پر مشتمل ہے ورنہ بعض اوقات فقہ اہل سنت میں عقلی اور العالم و المتعلم میں نقلی دلائل بھی ذکر کر دیتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر امام صاحب کی وہ کتاب ہے جو صرف دعاوی پر مشتمل ہے۔ اور اسمیں امام صاحب نے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کو اجمالاً بلا تذکرہ دلیل ذکر کر دیا ہے۔ اسی کتاب کو جب امام صاحب کے شاگردوں نے دوران تعلیم، مطالعہ کیا تو ذہنوں میں سوال و جواب پیدا ہوئے تاکہ اس بات کو سمجھا جاسکے اور ان سوال و جواب کو بعض تلامذہ نے محفوظ کر لیا، اور بعض نے محفوظ نہ کیا۔

ہمارے پاس جو سوال و جواب کی صورت میں محفوظ کلام ہے وہ یا تو فقہ اہل سنت اور یا العالم و المتعلم کی شکل میں ہے اور کچھ کام ہے جو تاریخ کی کتب میں بکھرا پڑا ہے اور اس کام کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی امام صاحب کی مجلس میں آتا ہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی بات سنتا اور چلا جاتا اور بعد میں کسی کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور اس کا یہ بیان تاریخ کی کتب میں محفوظ ہو گیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا مگر فقہ اکبر میں اول سے آخر تک جنہوں نے امام صاحب سے علم حاصل کیا اور اس کو لکھا وہ کئی احباب تھے مگر جن کا کلام مجموعہ کی شکل میں ہم تک پہنچا وہ

صرف دو حضرات ہیں ایک امام ابو مطیع بلخی اور دوسرے امام ابو مقاتل سمرقندی ہیں، اور ایک کی کتاب فقہ اوسط ہے اس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے اور دوسری کتاب العالم والکامل ہے اور اس ساری تفصیل کو بہترین اجمالی انداز میں امام بزودی نے اپنی کتاب اصول الدین کے مقدمہ میں ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے:

و کان یعلم اصحابہ فی الابتداء ، وقد صنف فیہا کتبا وقع بعضها  
الینا ، و عامتها محاہا و غسلها اهل البدع و الزیغ

(اصول الدین: ۴)

یعنی ابتداء میں امام صاحب اپنے شاگردوں کو علم کلام سکھایا کرتے تھے اور علم کلام میں متعدد کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں بعض تو ہم تک پہنچ گئی ہیں اور امام صاحب کی عام کتب اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو کر مٹا دیں اور یوں وہ ضائع ہو گئی ہیں۔

اور اگر ابو مطیع نے یا ابو مقاتل نے امام صاحب سے سوال و جواب کر کے ان کو تحریر کیا ہو تو وہ کتاب اسی امام کی سمجھی جائے گی جس کا وہ کلام ہے اور اہل علم کی اصلاح میں اس کو امالی کا نام دیا جاتا ہے؛

یہ طریقہ تعلیم تو آج تک بھی سکول و کالج اور مدارس اسلامیہ میں رائج ہے؛ اور اسی طرح حضرت امام صاحب کے امالی مرتب کئے گئے؛ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دھوکہ جس عبارت سے ہوا وہ الفقہ الاوسط کی عبارت ہے جس میں امام ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں:

سألت ابا حنیفة نعمان بن الثابت عن الفقہ الاکبر فقال.....

میں نے امام اعظم ابو حنیفہ سے الفقہ الاکبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے

جواب دیا.....

چونکہ یہ ایک مجمل سوال ہے اس لئے کہ فقہ اکبر متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو فقہ اکبر کے بارے میں دریافت کرنا کئی معنوں میں ہو سکتا

ہے۔



- (۱) یہ کہ فقہ اکبر کس علم کو کہا جاتا ہے؟  
 (۲) یہ کہ فقہ اکبر جو آپ کی تصنیف ہے وہ کیا ہے؟  
 (۳) یہ کہ میں فقہ اکبر مطالعہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے ان کے بارے میں میں نے امام صاحب سے پوچھا؟  
 سوال اول پر امام صاحب کا اسی قدر کہہ دینا کافی تھا ایمانیات کی بنیادی باتیں مانی جائیں اور اس کی تفصیل جس طرح فقہ اکبر میں ہے کہ:

اصل التوحید وما یصح الاعتقاد علیہ یجب ان یقول : آمنت  
 باللہ وملائکتہ و کتبہ و رسلہ والبعث بعد الموت والقدر خیرہ  
 وشرہ من اللہ تعالیٰ والحساب والمیزان والجنة والنار حق  
 کلہ؛

اصل توحید اور وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی کے اعتقادات کے صحیح ہونے کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ آدمی پر واجب ہے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر، اور اس کے تمام رسولوں پر، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور انسانوں کے اعمال کے محاسبہ پر، اور اعمال کے تولے جانے والے میزان پر، اور جنت اور جہنم پر، یہ کہ یہ سب کچھ حق اور سچ ہے؛

جبکہ فقہ اہل سنت میں فرمایا کہ:

لانکفر احدا بذنبہ ، ولانفی احدا من الایمان ؛ وان تامر  
 بالمعروف وتنہی عن المنکر ؛ وتعلم ان ما اصابک لم یکن  
 لیخطئک ، وان ما اخطئک لم یکن لیصیبک ؛ ولانتبرء من  
 اصحاب رسول اللہ ورضی عنہم ، ولانتوال احدا دون احد ؛  
 وان نرد امر عثمان وعلی الی اللہ وهو عالم السر والنجیات .

ہم کسی شخص کی اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے؛ اور نہ کسی کے ایمان کے اس سے نفی کرتے ہیں اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا؛ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا مقدر میں ہے وہ مل کر رہتا ہے اور جو ملنا مقدر میں نہیں ہے وہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا؛ اور اصحاب رسول میں سے ہم کسی سے برائت کا اعلان نہیں کرتے؛ اور نہ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں اور حضرت عثمان و علی کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہ ذات ہے جو سارے چھپے راز اور مخفی بھید جانتی ہے۔

فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں کہ ایمانیات کا بنیادی تعارف کس صورت میں صحیح اور بہتر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اور دوسرے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے سائل پوچھ رہا ہے آپ کی تصنیف فقہ اکبر کی نوعیت کیا ہے یا وہ کون سی ہے؟ جواب میں اگر اس کا نام یا مضمنا میں کا خلاصہ پیش کر دیا گیا تو کافی تھا مگر پوری تصنیف میں جا بجا سوال کرتے چلے جانا اور امام صاحب کا تفصیل سے اس کا جواب عنایت فرمانا کسی اور بات کی نشان دہی کرتا ہے؛

اور وہ بات یہی ہے جو ہمارا مدعا ہے کہ اصل کتاب کی خواندگی کے دوران پیدا ہونے والے اشکالات یا سوالات کے بارے میں امام صاحب سے جب دریافت کیا گیا تو امام صاحب کی طرف سے اس کے جوابات ملے؛ اور ان کو جب تحریر میں لایا گیا تو ایک امالی کی شکل اختیار کر گئی اور اسی کا نام فقہ اہل اہل ہے۔

اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے: فقہ اکبر کے بعض مضامین ہیں جن کی تفصیل فقہ اہل اہل میں ہے اور اگر دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے تو یوں لگتا ہے فقہ اہل اہل اور نوٹس ہیں فقہ اکبر پر اور فقہ اکبر متن ہے فقہ اہل اہل کے لئے اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے؛ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

امام صاحب نے ایک رسالہ علم عقائد میں تحریر فرمایا جس کا نام فقہ اکبر اور اس کی

روایت امام صاحب سے ملا علی قاری نے فرمائی ہے؛

اس رسالہ کی تعلیم و خواندگی کے دوران اس پر پیدا ہونے والے اعتراضات جو اس موضوع کی مناسبت سے بڑی اہمیت کے حامل تھے ان کو کئی تلامذہ نے تحریری شکل میں جمع کیا اکثر ان میں سے ضائع ہو گئے اور ان میں سے جو ہمارے ہاتھ لگے وہ دو اشخاص (۱) ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی کے فقہ ابط کے نام سے؛ اور (۲) ابو مقاتل حفص بن سلیمان سمرقندی کے العالم والمعلم کے نام سے محفوظ ہیں؛

علمائے عصر حاضر کا فقہ اکبر کے بارے میں رویہ۔

(اول) موجودہ زمانے میں بھی یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ جو عبارت ہماری رائے سے موافقت نہ کرتی ہو ہم اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس پر اس نوعیت کی تنقید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس تحقیق کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اس میں قاضی سجاد بخاری صاحب کی کتاب اقامۃ البرہان کے صفحہ: ۲۷۰ کی مثال موجود ہے مفتی عبدالشکور ترمذی نے میت میں قبر کے اندر اعادہ روح کی بات کرتے ہوئے ایک عبارت فقہ اکبر سے نقل کی

واعادة الروح الى الجسم في قبزه حق فقہ اکبر: ۱۴

قبر میں روح کا میت کے جسم میں لوٹنا باجنا حق ہے

اس کے جواب میں قاضی سجاد بخاری فرماتے ہیں

”باقی رہا ترمذی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ اکبر میں امام صاحب نے قبر میں اعادہ روح کو

تسلیم کیا ہے (صف ۱۹) تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ فقہ اکبر جس کی شرح ملا علی قاری

اور ابوالمنتمہی نے لکھی ہے وہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف

ہے جسے غلطی سے اشتراک کنیت کی وجہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا، امام

صاحب کی فقہ امام ابو مطیع بلخی کی روایت سے ہے اور سب سے پہلے اس کی شرح امام اہل

سنت امام ابو منصور ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ نے لکھی ہے یہ شرح دائرۃ المعارف حید آباد کن

کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اس فقہ اکبر میں اعادہ روح کا نام و نشان تک نہیں“  
اور قاضی صاحب اس بارے میں دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

چونکہ امام طحاوی نے عقیدہ طحاویہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے معتقدات کو جمع کر کے لکھا تھا ”مگر اس رسالے میں انہوں نے قبر کے اندر اعادہ روح کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اگر یہ مروجہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہوتی تو امام طحاوی اس کے دیگر مندرجات کے ساتھ ساتھ اعادہ روح کے عقیدے کو بھی ضرور اس رسالے میں درج فرماتے  
(اقامۃ البرہان: ۲۷۱)“

سوال یہ ہے کہ

- (۱) کیا عقیدہ طحاویہ امام صاحب کے تمام معتقدات کا مجموعہ ہے؟
  - (۲) اور یہ کہ کیا شرح فقہ اکبر واقعی امام ابو منصور ماتریدی کی تصنیف ہے؟
  - (۳) اور کیا ابو حنیفہ بخاری نام کے شیخ کی فقہ اکبر نامی کوئی کتاب دنیائے تاریخ کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے لکھی ہے؟
- ہمارا جواب ان تینوں سوالات کے لئے ہے:

(۱) نہیں

(۲) نہیں

(۳) نہیں

(دوم) اسی طرح جب میں نے مجموعہ الفقہ الاکبر کی پہلی اشاعت کے وقت اس کو مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد عینی صاحب مدظلہ کی خدمت میں کچھ کلمات لکھنے کے لئے عرض کیا چونکہ مفتی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ملا علی قاری والی فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے، اور اس کے بارے میں انہوں نے بعض اعتراضات اٹھائے تھے ان کا مختصر انداز میں اسی مجموعہ کے مقدمے کی چھٹی فصل میں جواب دیا گیا تھا۔ اس مجموعہ پر جو تقریظ مفتی صاحب نے تحریر فرمائی۔

وہ تحریر حاضرین کی خدمت میں درج ذیل ہے:

”..... لاسیما الامام الاعظم ابو حنیفة نعمان بن ثابت قد املاء علی تلامذہ من عقائد الاسلام من اصول الدین و اساسہ کیف لا و هو امام فی الکلام و اول مناظر فی الاسلام فکتبوا عنہ حسب ما تقتضیہ المجالس و الازمان فوق التفاوت و اختلعت العبارات و المقاصد فی النقل . و صار لكل واحد نسخة و أخونا فی اللہ الفاضل اللوذعی المولوی المفتی رشید احمد العلوی و فقه اللہ تعالیٰ لما یحبہ و یرتضیہ اراد لتلك النسخ المنتشرة ان یجمع و لدرر المنتشرة المسماة بفقه الاکبر ان یعقد و ینظم فأفاد شیئا لا یمکن استفاد و قصد امر الا یکاد و یراد فی منهج التعلیم و حسن الترتیب مع بیان التخریج و التبویب . الا ان الجامع قد تصدی لتقویة الضعاف اسنادا و متنا و جعل جمیع الاملاءات کلها سواء ا بسواء لم یفرق بینهما مع ان بعضها صحیح و بعضها ضعیف و بعضها اضعف فرفع شیئا قد تنزل و اصعد امر ا قد تساقط و لكن الثمرة تجتنی و الشوكة تجتنب فتلقى مع هذا لا تخلوا هذه المجموعة عن فائدة.....“

امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو عقائد اسلام اور دین کے اساسی اصول املاء کروائے تھے کیونکہ آپ علم کلام کے بھی امام تھے اور باطل کے خلاف اسلام کے پہلے مناظر بھی تھے اور ان کے تلامذہ نے امام صاحب کا علم نقل کیا ہے اور ان تمام نقل کرنے والوں نے اسے ایک ایک نسخے میں مرتب کر دیا تھا..... نے ان منتشر نسخوں کو فقہ اکبر کے نام سے یک جا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس سے فائدہ ممکن ہو سکے لہذا اس کو بڑی عمدگی کے ساتھ انہوں نے جمع

کیا ہے اس میں تعلیمی انداز، عمدہ ترتیب، اور تخریج احادیث کے ساتھ ساتھ تبویب مسائل بھی کر دی گئی ہے، لیکن جامع اس میں سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف باتوں کو قوی کرنے میں کوشاں ہیں اور اس ساری کوشش میں انہوں نے تمام امالی کو یک جا جمع کر دیا ہے اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا اس میں قوی اور ضعیف کیا ہیں؟ حالانکہ ان میں بعض مسائل صحیح اور بعض ضعیف اور بعض اضعف ہیں، اسی طرح انہوں نے بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے اور بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے لیکن پھر بھی اس سے استفادہ ممکن ہے۔

مذکورہ عبارت پر تبصرہ:

حضرت مفتی صاحب کی اس پوری عبارت میں قابل بیان اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک مجموعہ امام اعظم کی امالی کا جمع کیا گیا ہے جس میں امام اعظم کے دریکتا کو جمع کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں دوسری باتیں بھی ہیں لیکن اس میں اہم ترین بات جو مفتی صاحب نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ اس مجموعہ میں بعض باتیں ضعیف اور بعض باتیں اضعف نوعیت کی یک جا جمع کر دی گئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کا اعتراض یقیناً اس بات پر ہے کہ راقم نے ملا علی قاری والی فقہ اکبر کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا۔ ان کے خیال میں راقم نے ضعیف روایات پر اعتماد کر کے فقہ اکبر (ملا علی قاری والی) کو حضرت الامام کی تصنیف قرار دیا۔ یقیناً ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اس کتاب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں یا یہ بھی مراد نہیں ہے کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے نہج سے ہٹ کر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ علم کلام میں ضعیف روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ دوسرے فقہ اکبر میں کوئی مسئلہ اہل سنت کے نہج کے خلاف نہیں ہے۔

## چھٹا اعتراض:

### مسئلہ ایمان والدین مصطفیٰ رحمہ اللہ علیہما

کئی حضرات نے امام حماد والی فقہ اکبر کو تسلیم نہ کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی تلاش کیا ہے کہ اس نسخے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان نہیں تھے:

اور خاص طور سے علامہ ابن حجر المکی نے اپنے فتویٰ میں فرمایا: کہ جو فقہ اکبر مشہور ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری کا نسخہ ہے، اور امام صاحب کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے کیونکہ اس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر پر مرنے والی بات نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے اس بات پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا ہے کہ مجھے فقہ اکبر کا اصل نسخہ کیسے مل گیا ہے، اور اگر یہ اصل نسخہ ملا علی القاری ہروی کو مل جاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں ہرگز وہ بات نہ کہتا جو اس نے کہی ہے۔

جواب:

جہاں تک علامہ ابن حجر المکی کی بات کا تعلق ہے:

یہ تو مشکل کو دیکھ کر بھاگنے والی بات ہے:

اصل بات یہ ہے کہ جس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ایمان کی بات ذکر کی جاتی ہے اس کے دنیا میں متعدد نسخے مروجہ ہیں؛ اور یہ بات کسی نہ کسی طرح فقہ اکبر کے اس نسخے میں ہے جس کو حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے؛ جبکہ وہ فقہ اکبر (یا فقہ اوسط) جس کو امام اعظم کے تلمیذ اور حدیث کے راوی امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے اس

میں تو سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں ہے، اسی لئے کسی محقق نے اس کتاب میں اس مسئلے کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث بھی نہیں کی ہے؛

اس مسئلے میں فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ:

اگر امام اعظم کی اس فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے جو امام صاحب سے ان کے صاحب زادے امام حماد نے روایت کیا ہے اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان نسخوں میں مذکور مندرجہ ذیل مختلف متون ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱): ووالدا رسول اللہ ماتا علی الایمان؛

(یہ نسخہ اصل میں نسخہ زید کا محرف شدہ نسخہ ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پر فوت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو یقیناً ایک مضحکہ خیز جملہ بن جاتا ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں بھلا اس مسئلے کی ضرورت کیا ہے اور وہ کون ہے جس کے اعتقادات اس کے خلاف ہو سکتے ہیں ایسی بات تو کوئی عام آدمی بھی تصور نہیں کر سکتا کجا یہ کہ وقت کا کوئی امام اس قسم کی بات کہے یا اس قسم کا دعویٰ کرے، نیز اس نسخے کا دعویٰ علامہ زاہد الکوری نے مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا اور انہوں نے اس کی تصحیح کا دعویٰ کیا تھا)

(۲): ووالدا رسول اللہ ماماتا علی الکفر؛

(علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے اسی نسخے کو اختیار کیا ہے)

(۳): ورسول اللہ ماتا علی الایمان

اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح کہا ہے

(۴): ووالدا رسول اللہ ماتا علی الکفر

اس کو ملا علی قاری نے اپنی شرح میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں

اختیار کیا ہے۔



(۵): والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرة

یہ وہ نسخہ ہے جس کے بارے میں ائمہ احناف نے امام اعظم کے اس مسئلہ میں سکوت کا دعویٰ نقل کیا ہے:

(۶): ووالدی النبی علیہ السلام ماتا علی الکفر ثم ماتا علی

الایمان؛

نسخہ نور ظلم تحقیق احمد المرزوقی، جو کابل سے طبع شدہ ہے

(۷) اور بعض نسخے اس مسئلے کے بیان سے مکمل طور پر خاموش ہیں ان میں اس

عبارت کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا گیا ہے؛

اس مسئلے کے بارے میں ہمارے سامنے کل سات آراء آتی ہیں جن کو ہم قدرے

تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

پہلا نسخہ:

اس نسخہ کی حقیقت یہ ہے کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدعا کے عین مطابق ہے اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی ہے جس کی وجہ سے علامہ ابن حجر مکی اور وکلی احمد سکندر پوری کو یہ کہنا پڑا کہ یہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں؛ کیونکہ اس عبارت کی صورت میں اس نسخے میں والدین رسول اللہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں۔ جب اعتراض ہی دُور ہو گیا تو ابن حجر کے ان کار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی اس لئے ہم امام ابن حجر اور سکندر پوری کی خدمت میں یوں عرض پرداز ہیں کہ صاحب جو بات آپ کے لئے فقہ اکبر کی کتاب کے ان کار کرنے کا باعث بنی، یہاں وہ بات تو نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے کہ رسول اللہ کے والدین ایمان کی حالت میں فوت ہوئے تھے۔

دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ امام ابن حجر کی اپنی رسائی کسی نسخے تک نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کی نظر سے یوں لگتا ہے کہ کوئی دوسرا نسخہ گزرا ہوگا سوائے ایک سے سنائے اعتراض

کے جو علماء کی مجالس میں سینہ بہ سینہ نقل ہوتا آ رہا تھا، سکندر پوری اور ابن حجر نے اسی کو من و عن نقل کر دیا ہے،

یہی اعتراض حضرت قبلہ مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب نے ہماری تحقیق شدہ مجموعہ فقہ اکبر کے نسخے پر کیا تھا کہ اس نسخے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کی نسبت کر دی ہے، اور تقریظ کی وہ عبارت من و عن اس سے قبل ایک اعتراض کے جواب میں نقل کر دی گئی ہے، اب جب یہ مسئلہ ہی درمیان سے ہٹ گیا ہے تو ان تمام حضرات کے نزدیک اس کتاب کے امام صاحب انتساب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا نسخہ:

اس نسخے میں رسول اللہ کے بذات خود ایمان پر مرنے کی بات نقل کی گئی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس شبہ کا امکان ہی نہیں ہے تو وضاحت کی کیا ضرورت۔ لہذا ایک ہی بات رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ: اس نسخہ میں سے (والدین) کا لفظ نسخ سے ساقط ہو گیا تھا اور لکھنے میں نہیں آیا اور ایسا اکثر کتابوں سے ہو جایا کرتا ہے کہ لکھائی کے دوران میں ایک آدھ لفظ رہ جاتا ہے اور یہ نسخہ مذکور بالا کا محرف نسخہ ہے، اس طرح ان دونوں نسخوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں رہتا بلکہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں؛ اور وہی ہماری مراد ہے۔

تیسرا نسخہ:

اس نسخے کے نقل کرنے والے علامہ ابن عابدین شامی نے در المختار میں، اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اپنی کتاب المعتقد المعتقد میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس میں اصل یوں تھی:

والدا رسول الله ما ماتا على الكفر؛

اور عبارت میں تحریف کر دی گئی ہے، اور یہ تحریف بد نیتی کی بناء پر نہیں ہوئی، بلکہ غلط فہمی

کی وجہ سے ہوئی ہے۔ کیونکہ اصلی نسخہ جب نسخہ نے نقل کیا تو اس کو ایک (ما) زیادہ محسوس ہوئی لہذا نسخہ نے ایک لفظ (ما) کو مٹا دیا اور جو عبارت اصل میں یوں تھی:

(ووالد رسول اللہ ما ماتا علی الکفر)؛

تو: (ماماتا علی الکفر) کی بجائے (ماتا علی الکفر) ہو گیا اور یہ جملہ مفہوم کے لحاظ سے

ثبت کی بجائے منفی بن گیا؛

اور اسی نسخے کو بعد میں ملا علی قاری نے بھی نقل کر دیا اور اس کے وضاحت کرتے ہوئے ایک رسالہ بھی لکھ دیا لیکن جب بعد میں ملا علی قاری پر یہ راز کھلا کہ یہ تو تحریف لفظی کا مظہر ہے تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے الشفاء کی شرح میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ: والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اجلہ امت کا اجماع اس بات پر ہے وہ دونوں ایمان کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور یہ ان کی آخری رائے ہے کیونکہ بعض ائمہ کی یہ تصریح ہے کہ شرح الشفاء ملا علی قاری کی آخری دور کی تصنیف ہے:

چوتھا نسخہ:

اس نسخے میں والدین کریمین کے کفر پر مرنے والی بات نقل کی گئی ہے اور اس کے بارے میں ملا علی قاری کی رائے تو ان کی اپنی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خلاف ہو گئی تھی اور رہا مولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے کا تو عین ممکن ہے ان تک یہ بات نہ پہنچی ہو یا ان کو اس فتوے کے بعد تردید کا موقع نہ ملا ہو۔

اور اس بارے میں حتمی رائے یہ ہے یہ مسئلہ اور اس قسم کے اور بھی کئی مسائل ہیں جن کے قائل یا عدم قائل ہونے سے انسان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ یہ مسائل علم عقائد میں اجتہادی نوعیت کے ہیں اور یہ اجتہاد کسی نوع کا بھی ہو اس سے کفر و اسلام کا معیار متعین نہیں ہوتا، ہاں اگر اس قسم کے مسائل میں انبیاء کرام کی توہین کا پہلو پیش نظر ہو تو اس قسم کے مسائل کے بارے میں سوچنا بھی موجب کفر و حرمان رضائے باری تعالیٰ ہے۔ عاذنا اللہ منہ۔ اور اس قسم کی رائے تو دور کی بات ہے خیال سے بھی ہم اپنے اسلاف کو

محفوظ پاتے ہیں، یہ ہمارا ان کے بارے میں حسن ظن ہے۔ ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے حسن ظن کی بنا پر ضرور اچھا بدلہ عنایت فرمائے گا۔

پانچواں نسخہ:

فقہ اکبر کے اس نسخے میں والدین کریمین کے فطرت پر مرنے کی بات منقول ہے؛ اور نسخ کو ہو سکتا ہے یہ محسوس ہوا ہو کہ امام صاحب نے فطرت کا لفظ استعمال فرمایا ہے جبکہ امام اعظم نے تعلیم کے دوران اس پر بحث کی ہو کہ ان کی وفات دور فطرت میں ہوئی ہے یا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے: جیسا کہ احادیث میں آتا ہے

”کل مولود یولد علی فطرة الاسلام فابواہ.....“

یعنی ہر پیدا ہونے والا اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے؛

اور اس مسئلہ میں معتزلہ کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے، البتہ اسلام اور ایمان کے اطلاق میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو جاتا ہے کیونکہ ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک فطرت نام ہے:

سالم من الکفر والایمان

ایمان اور کفر سے سالم ہونے کے کی صورت میں یعنی جب کوئی بندہ ایمان یا کفر میں مبتلا نہ ہو تو اس کو فطرت کہا جاتا ہے

جیسا کہ امام صاحب نے الفقہ الاکبر میں ارشاد فرمایا ہے۔

چھٹا نسخہ:

اس نسخے میں علامہ احمد المرزوقی نے اپنی تحقیق اور حواشی کے ساتھ فقہ اکبر کو شائع کیا ہے اور علمائے افغان و سرحد میں وہ نور العظم کے نام سے عام اور معروف ہے اس میں جو عبارت امام صاحب سے نقل فرمائی ہے یہ زیادہ قرین قیاس اور اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے اور اس پر علامہ صاحب نے اولاً اور ثانیاً کا حاشیہ بھی لگایا ہے اصل عبارت یوں ہے:

ووالدی رسول اللہ علیہ السلام ماتا علی الکفر ای اولاً ثم ماتا

على الايمان ثانياً بانهما ماتا على الكفر ثم رسول الله صلى الله عليه وسلم دعا لهما الله تعالى فاحياهما واسلما ثم ماتا على الايمان ويجوز ذلك لقوله تعالى 'يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ'؛

والدين رسول الله صلى الله عليه وسلم پہلے حالت کفر پر فوت ہوئے پھر دوبارہ حالت ایمان پر فوت ہوئے؛ اور یہ کہ پہلے کفر پر فوت ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا پھر وہ دونوں اسلام لائے اس کے بعد اسلام کی حالت میں فوت ہوئے؛ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان:

”جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اس اللہ تعالیٰ

کے پاس ہے“

سے بھی جائز معلوم ہوتی ہے۔

ساتواں نسخہ:

اس چھٹے نسخے میں اس عبرت کو ہی سرے سے ختم کر دیا گیا ہے اور ناخین نے اس کو مٹا دیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان ناخین نے سمجھا ہوگا کہ یہ رائے اس قدر خطرناک ہے اور امام اعظم سے اس طرح کی رائے نقل نہیں ہو سکتی لہذا اس مسئلے کو ہی سرے سے نقل نہیں کیا گیا اور اس مسئلے کے بغیر ہی وہ نسخہ منقول ہے اور یہ نسخہ ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ السید بدر الدین ابو فراس النعسانی الحلبی کی تصحیح کے ساتھ علی نفقۃ احمد ناجی الجمالی و محمد امین الخانجی ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا ہے۔ اس بارے میں جتنی باتیں کہی گئی ہیں اس میں اسلاف کی عظمت اور اخلاف کی کامل و مکمل راہنمائی کا پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات ہم سب کو اسلاف کے بارے میں بدگمانیوں اور بدگوئیوں سے محفوظ فرمائے۔

## ساتواں اعتراض:

### فقہ اکبر کی تشریح کا مسئلہ

(۱) جس نسخے کی تشریح ملا علی القاری نے کی ہے ان سے پہلے یعنی نویں صدی سے قبل کسی نے نہیں کی، اگر یہ امام صاحب کا نسخہ ہوتا تو اس سے قبل بھی کوئی صاحب اس کی تشریح کرتے جب اس سے پہلے کے زمانے میں کسی نے تشریح نہیں کی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، جبکہ فقہ اکبر والا وہ نسخہ جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے وہ نقل صحیح کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تشریح بھی اس سے پہلے کے لوگوں نے کی ہے لہذا وہی نسخہ فقہ اکبر امام اعظم کی اصل تصنیف ہے۔

(۲) بعض معترضین نے اس پر یوں اعتراض کیا ہے کہ ائمہ قدیم میں سے کسی نے بھی اس فقہ اکبر کا تذکرہ نہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں البتہ ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر امام صاحب کی اصل تصنیف ہے

(۳) اور فقہ اکبر کا وہ نسخہ جس کی شرح ملا علی قاری نے کی اگر امام صاحب کی کتاب ہوتی تو امام صاحب کے تلامذہ میں سے کوئی اور بھی اس کو روایت کرتا جبکہ ایسا نہیں ہے؟

گویا یہ اعتراض اپنے اندر تین پہلو سموائے ہوئے ہے

اول: نویں صدی سے پہلے اس کی تشریح کسی صاحب نے نہیں کی؟

دوم: ائمہ قدیم میں سے کسی نے بھی اس فقہ اکبر کا تذکرہ نہیں کیا؟

سوم امام صاحب کے تلامذہ میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا؟

ان مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ:

کسی کتاب کی شرح کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ یہ کتاب اس شخص کی

تصنیف نہیں جس کی طرف اس کو منسوب کیا جا رہا ہے، مثلاً کتاب الاثار کی اب تک کوئی شرح نہیں ہے اور کتاب العالم والکامل جو امام صاحب کی تصنیف ہے (اور اس کو ہم نے مجموعہ الفقہ الاکبر میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی کے ساتھ ساتھ امام اعظم کی روحانی ہدایت کے بعد شامل کیا ہے) اب تک اس کتاب کی ایک شرح کا نام بھی نہیں ملتا، تو کیا اس کو امام اعظم کی تصنیف نہ مانا جائے۔ حالانکہ علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور اسی طرح کتاب الوصیۃ کا معاملہ۔

ان سب کتابوں کو ان کے مصنفوں کے نام انتساب سے کسی نے بھی ان کا نہیں کیا۔ لہذا اس فقہ اکبر کے امام صاحب کی طرف منسوب کئے جانے پر یہ اعتراض کوئی دلیل نہیں بن سکتی۔

مزید برآں یہ کہ جو شخص علوم اسلامیہ کی تدوین اور ان کی تاریخ پر نظر رکھتا ہے اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کتب کی شرح لکھے جانے کا زمانہ ساتویں صدی کے بعد کا زمانہ ہے ایسی صورت احوال میں ہم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی تصانیف میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ کسی نے ملا علی قاری سے پہلے اس کی شرح نہیں لکھی تھی۔ اور ویسے بھی تدوین علوم اسلامیہ کے ادوار پر نظر ڈالنے سے اس مسئلے میں الجھاؤ ختم ہو جاتا ہے۔

اگر معترض صاحب مسلمانوں کے تدوین علوم کے مختلف ادوار کے بارے میں جانتے ہوتے تو ہرگز یہ اعتراض نہ کرتے کیونکہ یہ اعتراض امام صاحب کی تصنیف کے ہونے نہ ہونے کا نہیں بلکہ تدوین علوم سے اپنی ناآشنائی کا اقرار ہے؛ اس بات کو مفہوم مخالف کا لحاظ کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جن کتب کو ہم ان کے مصنفین کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ قرون اولیٰ کی کتب ہیں تو اس کی نسبت کی دلیل ان کی شروحات ہیں اور شائد وہ بھی اس لئے کہ وہ آٹھویں صدی سے قبل لکھی گئی ہیں

جبکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے ہم ایسی مختلف علوم پر بیسیوں کتب پیش کر سکتے ہیں جو ان کے اصل مصنفوں کی طرف منسوب ہیں اور انہی کے نام سے معروف ہیں نہ کوئی

ان کی شرح آٹھویں صدی سے قبل کی ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ان کار کرتا ہے کہ یہ کتاب اس مصنف کی نہیں ہے اس میں علم تصوف کی کتاب اللمع از ابونصر سراج، اصول فقہ کی الرسالہ از امام شافعی۔

دوسری بات یہ کہ:

یہ بات کوئی ضابطہ کی بات نہیں جس کو کوئی اور شاگرد روایت نہ کرے تو اس کو کسی کی طرف نسبت ہی مشکوک قرار پائے کیونکہ ہم بہت ساری کتب ایسی پیش کر سکتے ہیں جنکو ان کے طلباء میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کیا اس لیے ان کی نسبت اس عالم یا اس امام کی طرف نہ کی جانی چاہیے البتہ اس ضابطہ کی کچھ اہمیت اگر ہے تو وہ علم حدیث میں ہے اور اگر اس کو عمومی ضابطے کا درجہ دے دیا جائے تو اس سے علم کی اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ اکثر قراءت سب سے ایسے ہیں جن سے آگے روایت کرنے والے شخص ایک ہی ہیں اور کئی دوسرے علوم میں اس کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور حق اس بات کا حقدار ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ثابت ہو۔

اسی لئے علامہ کردری نے اس فقہ اکبر کے امام صاحب کی تصنیف ہونے میں اجماع امت نقل کیا ہے اور اسی اجماع کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کردری ارشاد فرماتے ہیں

”وقد تواطأ علی ذالک جماعة کثیرة من المشائخ“

اور اس بات پر مشائخ کی بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔ (المناب صفحہ ۱۰۸)

تیسری بات یہ کہ:

نہ جانے معترض نے اعتراض سے پہلے یہ کیوں نہ دیکھا کہ فقہ اکبر کی روایت امام حماد سے ہے اور اس کے علاوہ بھی متعدد ائمہ نے اس نسخے کی روایت امام صاحب سے کی ہے اس کے لئے ہمارے کتاب مجموعہ الفقہ الاکبر کے مقدمے کے چھٹے باب کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے نیز جس طریقے سے اور جن اسناد سے فقہ اکبر کا ثبوت ابو مطیع کیلئے کیا گیا ہے اسی قسم کی اسناد سے امام حماد کی فقہ اکبر کا بھی امام صاحب کی تصنیف ہونا ثابت ہے اس کی تفصیل علامہ زاہد الکوثری نے اپنی کئی کتب میں ذکر کی ہے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔



## آٹھواں اعتراض:

### فلسفیانہ الفاظ کے استعمال کا مسئلہ

اس اعتراض کی نوعیت یہ ہے کہ ملا علی قاری والی فقہ اکبر میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں عام استعمال میں نہیں آتے تھے لہذا ان کا امام صاحب کی طرف انتساب کرنا درست نہیں ہے؟

جواب:

یہ اعتراض وہ شخص کر سکتا ہے جس کو امام صاحب کے زمانے کے علمی احوال معلوم نہ ہوں، ورنہ اس زمانے کی علمی مجالس میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال عام تھا۔ امام سیوطی نے نقل کیا ہے کہ ”ابو مظفر عثمانی نے اپنی کتاب الاختصار میں روایت کیا ہے، کہ ابو اسماعیل ہروی نے علم کلام کی برائی میں ابو عصمہ مروزی کے روایت سے امام نوح الجامع سے ایک قول نقل کیا ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا:

ما تقول فيما احدث الناس من الكلام في الاعراض والاجسام؟  
آپ کیا فرماتے ان الفاظ کے بارے میں جو لوگوں میں نئے نئے پیدا ہو چکے ہیں جیسے اعراض اجسام وغیرہ؟

فقال مقالات الفلاسفة، عليك بالاثر؛ وطريقة السلف؛

واياك وكل محدثة فانها بدعة“

امام صاحب نے جواب دیا کہ یہ فلاسفہ کے الفاظ ہیں ان سے بچنا چاہئے اور آثار رسول اور طریقہ سلف صالح پر اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ہر نئی چیز سے بچنا چاہئے اور ہر نئی چیز

بدعت ہوتی ہے۔ (تبیض الصحیفۃ: صفحہ ۳۰)

شائد آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر یہ الفاظ استعمال کرنا بدعت ہے تو امام صاحب نے انکو کیوں استعمال کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں یوں کہوں گا کہ کبھی معلم کو چاہئے طلبہ کی تعلیم کی غرض کیلئے اپنی تعلیم میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو اس وقت کے لوگوں کے ذہنوں میں مانوس اور قابل فہم اور ان کا استعمال عام ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

” کلموا الناس بقدر عقولہم “

## قول فیصل

جب علماء کے مابین یہ تنازعہ کھڑا ہوا کہ امام صاحب کی تصنیف ان دونوں میں سے کون سی ہے تو اسکے بارے میں صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مترجم فقہ اکبر راوی امام حماد بن ابوحنیفہ نے قاضی عبید اللہ العلوی شارح فقہ اکبر بروایہ ابو مطیع سے پوچھا کہ آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ ان میں سے کون سی کتاب ہے جو امام صاحب کی ہے اور کون سی ہے جو امام صاحب کی نہیں ہے؟

اس کے جواب میں قاضی صاحب نے جواب دیا جو اس مسئلہ میں حتمی رائے اور قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس زمانے میں یہ بات مشہور ہے کہ فقہ اکبر جو مختصر عبارت کے ساتھ مروی ہے؛ اور اس کی شرح بہت سارے علمائے امت نے کی ہے جیسے ملا علی القاری وغیرہ نے تو اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی تالیف ہے یا وہ جس کی آپ نے شرح لکھی ہے وہ امام صاحب کی تالیف ہے؟

جواب: اسلاف کرام کے زمانے میں تالیفات کا طریقہ اس طرح تھا کہ اس کے نسخے مختلف ہوتے تھے اسی طرح اس کتاب کے نسخے بھی مختلف ہوں گے جیسا کہ امام محمد کی کتاب الآثار کے نسخے اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کے نسخے مختلف ہیں؛ اور موطا امام مالک، اور موطا امام محمد؛ اور سنن نسائی مختصرہ، اور سنن نسائی کبریٰ کے نسخے مختلف ہیں؛ پھر مسانید امام اعظم ابوحنیفہ کے نام سے کئی لوگوں نے کتابیں جمع کی ہیں، اور ان سب کو امام ابوالمؤید خوارزمی نے جامع المسانید کے نام سے اس کو جمع کیا ہے؛

اسی طرح فقہ اکبر کا ماجرا ہے جس کو ابو مطیع نے روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے راویوں نے جس کو روایت کیا ہے اس کی شرح دوسرے راویوں نے لکھی ہے۔ (نظم)



# چوتھا حصہ

اُردو ترجمہ

## الفقہ الاکبر

جس میں چھبیس ابواب اور ایک سو چوبیس عقائد پر مشتمل ہے

تالیف امام اعظم

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

۸۰ھ — ۱۵۰ھ

روایت ابن امام

حماد بن ابی حنیفہ

المتوفی: ۱۷۶ھ

تحقیق، ترجمہ

مفتی رشید احمد العلوی



## باب اول:

# اہل السنۃ والجماعۃ کے اجمالی عقائد کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنا فضل عظیم کرتے ہوئے ہمیں اہل سنت والجماعت کے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی؛ اور بے حد و حساب درود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر جو ساری دنیا کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اما بعد:



امام اعظم، قدوة الانام، امام زمان ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

عقیدہ نمبر ۱:

توحید کی اصل اور جن باتوں کے جاننے سے عقائد درست ہوتے ہیں، اسکا اجمالی تعارف یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ:

آمنتُ باللہ، و ملئکتہ، و کتبہ، و رسلہ، و البعث بعد الموت،  
و القدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ، و الحساب، و المیزان، و  
الجنة، و النار حق کلمہ.

میں اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں، اس کی تمام کتابوں پر، اس کے سارے رسولوں پر،

اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور مرنے کے بعد اعمال کے حساب و کتاب کے ہونے پر، اعمال کے تولے جانے والی میزان پر، اور جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر ایمان لایا؛ اور میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ تمام باتیں اللہ کی طرف سے ہیں، اور حق ہیں ان باتوں کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔



## باب دوم:

### اہل السنّت و الجماعت کے تفصیلی عقائد کا بیان

عقیدہ نمبر (۲):

اور اللہ تعالیٰ واحد ہیں مگر آپ کی وحدانیت گنتی کے لحاظ سے نہیں؛ کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہیں، دو یا تین نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں عدد کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں؛ ہم واحد کا مطلب یوں بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ  
اے نبی! آپ فرمادیتے ہیں اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، اور وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے؛ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا؛ اور نہ ہی اس سے کوئی اور شخصیت پیدا ہوئی ہے؛ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳):

اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی مانند کوئی چیز نہیں ہے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنی کسی پیدا کردہ چیز کے مشابہ ہے، اور اس کی مخلوقات میں سے نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔

عقیدہ نمبر (۴):

اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ، خواہ یہ اسماء و صفات ذاتی ہوں یا فعلی سمیت وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا؛

### عقیدہ نمبر (۵):

اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) الْحَيَاة یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے حئی اور زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی ذاتی ہے ایسا نہیں کہ کسی اور کی طرف سے عطاء کی گئی ہو،
- (۲) الْقُدْرَةُ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر وقت بلا کسی مجبوری اور پریشانی کے قادر ہیں۔
- (۳) الْعِلْمُ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر بات اور ہر شے کا دائمی اور ازلی طور پر علم ہے۔
- (۴) الْكَلَامُ یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے بلا کسی مجبوری کے متکلم ہیں۔
- (۵) السَّمْعُ یعنی اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت کہ وہی اصل سمیع ہے اور بلا کسی عارض یا عذر کے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔

(۶) الْبَصِيرُ یعنی اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونا اور یہ کہ وہ ہر ایک کو ہر وقت دیکھنے کی صفت کا مالک ہے

- (۷) الْارَادَةُ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کرنے کی صفت کہ وہ اپنے ارادہ میں کسی وقت، ضرورت، مسئلہ اور مکان کے محتاج نہیں اور نہ ہی ارادہ کرنے میں وہ کسی اور کے تابع ہیں؛
- عقیدہ نمبر (۶):

اور اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات فعلیہ ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں

- (۱) التَّخْلِيقُ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق اور پیدا کرنے والے ہیں۔
- (۲) التَّرْزِيقُ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو رزق دینے والے ہیں اور ہر ایک اپنی بقاء کے لئے اسی کی طرف سے رزق کا محتاج ہے۔
- (۳) الْاِنْشَاءُ یعنی کائنات میں ہر قسم اور ہر چیز کی بڑھوتری اور نمو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مرہون منت ہے، اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو سکے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مرہون منت ہے۔

(۴) الْاِبْدَاعُ یعنی ہر نئی چیز یا عمل کا پیدا کرنا اور اس کا آغاز اللہ کی جانب سے

ہوتا ہے اور وہی ان کو نئے سرے سے بناتا ہے۔

(۵) الصنعی یعنی کائنات میں ہر طرف اسی کی صنعت اور کاریگری کا فرما ہے وغیرہ

عقیدہ نمبر (۷):

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے؛ اور ان کا کوئی اسم یا صفت حادث نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۸):

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم اور اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہیں؛ اور علم اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۹):

اور اللہ تعالیٰ اپنی ہی قدرت کے ساتھ قادر ہیں اور قادر ہونا اسی کی ازلی اور دائمی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰):

اور اللہ تعالیٰ اپنے ہی کلام سے متکلم ہیں اور ان کا کلام کرنا ان کے کلام نفسی کی ایک خاص کیفیت ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی اور دائمی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۱):

اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت تخلیق کی وجہ سے خالق ہیں اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۲):

اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل کی وجہ سے فاعل ہے اور فعل اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۳):

اور حقیقی معنوں میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فعل اس کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے، اور تمام مفعول اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور اسی کے امور کا ظہور ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۴):

اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی، غیر فانی، غیر محدث اور غیر مخلوق ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۵):

جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی ایک صفت یا اس کی ساری صفات مخلوق یا حادث ہیں، یا اس کے بارے میں توقف یا خاموشی اختیار کرنے کا نظریہ رکھے یعنی اسکے موافقت یا مخالفت میں کوئی رائے قائم نہ کرے۔ یا اللہ کی صفات کے قدیم یا حادث ہونے کے بارے میں شک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۱۶):

قرآن کریم جو مصحف کی شکل میں لکھا ہوا، اور ایمان والے لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہے اور انسانی زبانوں سے پڑھا جانے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؛

عقیدہ نمبر (۱۷):

اور ہمارے الفاظ جو ہم قرآن پڑھنے کے دوران تلفظ کرتے ہیں وہ مخلوق ہے؛ اور ہمارے ذریعے قرآن کریم کی لکھائی کرنا مخلوق ہے، اور ہمارا پڑھنا مخلوق اور حادث ہے؛ جبکہ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے غیر مخلوق اور غیر حادث ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۸):

جو قرآن کریم میں موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، اور اسی طرح فرعون و ابلیس کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے یہ تمام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؛ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کی خبر دینے کے لئے ان واقعات کا ذکر کیا ہے نہ کہ فرعون و ابلیس کی فضیلت کی وجہ سے ان کو بیان کیا ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۹):

اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق اور حادث نہیں ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام دوسری مخلوقات کی طرح مخلوق اور حادث ہے۔

عقیدہ نمبر (۲۰):

اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور قدیم ہے اور یہ لوگوں کے کلام کی طرح نہیں ہے

عقیدہ نمبر (۲۱):

اور موسیٰ نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و کلم اللہ موسیٰ تکلیماً

یعنی موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بتدریج کلام کیا۔

عقیدہ نمبر (۲۲):

اور اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی صفت کے سے متصف تھے جبکہ موسیٰ کلام کرنے والے نہ تھے

عقیدہ نمبر (۲۳):

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی تخلیق سے پہلے بھی خالق تھے اور:

لیس کمثلہ شیء و هو السميع العليم

اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے؛

عقیدہ نمبر (۲۴):

اور جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو یہ کلام وہی تھا جو اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ہے۔

نوٹ: کلام کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ کلام مخلوق ہوگا دوسری قسم یہ کہ وہ کلام خالق ہوگا لہذا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام حدوث کے پردے میں چھپا ہوا ہے اور فنا ہو گیا ہے یا ہو جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پر دوام کی چادر ڈالی ہوئی ہے؛ اور اس لئے کہا ہے کہ کلام تو اللہ تعالیٰ ہی کرنے والے تھے حضرت موسیٰ نہ تھے کیونکہ حادث چیز اپنے وجود میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

## باب چہارم:

# اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۲۵):

اور بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوقات کی صفات کی طرح نہیں بلکہ اس سے ہر لحاظ سے مختلف ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۶):

اللہ تعالیٰ (تمام مخلوقات کی کلیات و جزئیات اور ان کے ظاہر و باطن کو اپنے ذاتی، ازلی و ابدی علم کے ساتھ) جانتے ہیں، مگر ہمارے جاننے کی طرح نہیں، اس لئے کہ ہمارا جاننا اسباب کی حد بندیوں کا محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا جاننا ایسا نہیں ہے

عقیدہ نمبر (۲۷):

اور اللہ تعالیٰ بغیر آلات اور کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر ہمہ وقت اور قدیم قدرت رکھتے ہیں اور آپ کی قدرت کاملہ ہماری قدرت کی طرح نہیں ہوتی (کیونکہ ہماری قدرت بعض اشیاء پر ہوتی ہے بعض پر نہیں ہوتی اور ہماری قدرت آلات و اعضاء کے محتاج ہوتی ہے)

عقیدہ نمبر (۲۸):

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتے ہیں مگر آپ کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اعضاء و جوارح اشکال مختلف رنگوں کے محتاج ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تمام اعضاء و جوارح کی قید سے بلند ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۹):

اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں مگر ان کا کلام کرنا ہمارے کلام کرنے کی طرح نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۰):

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سنتے ہیں مگر ان کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۱):

جو ہم کلام کرتے ہیں ہمارا وہ کلام آلات و اعضاء اور حروف و ادوات کے ساتھ کرتے ہیں اسلئے کہ ہم اپنے کلام میں آلات اور حروف کے محتاج ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی احتیاج سے پاک ہیں اسلئے وہ بغیر آلات و حروف کے کلام کرتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۳۲):

اور کلام کرنے کے تمام حروف اور آلات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں لیکن اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۳):

اور اللہ تعالیٰ شئی (بذات خود موجود) ہیں مگر عام اشیاء میں سے کسی کی مانند نہیں ہیں اور شئی کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بلا جسم (physical body) اور بلا جوہر (Energy) اور بلا عرض (Attributes) کے ثابت اور قائم ہو؛ اور اللہ تعالیٰ کی ذات حدود (limits) میں محدود نہیں؛ اور کوئی اس کی ضد (opposite) نہیں کہ ضد کے ذریعے اس کو جان لیا جائے، کوئی اس کا شریک کار (Partner) نہیں اور کوئی اس کے مثل بھی نہیں ہے۔

نوٹ: آج کل کے سائنسی دور میں کمپیوٹر کی ایجاد کے ساتھ بہت سارے مشتبہات نے محکمات کاروپ اختیار کر لیا ہے اس لئے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کمپیوٹر (Computers) کے نظام کی طرح ہے؛ جیسے اس میں آلات و حروف



نہیں ہوتے اسی طرح ان میں بھی آلات و حروف نہیں ہوتے؛ مگر معلوم ہونا چاہئے کہ کمپیوٹر (Computers) پورا نظام چلانے میں کی بورڈ (Key bored) کے ساتھ پروگرامنگ (programing) کا محتاج ہوتا ہے حتیٰ کہ پرنٹ کرنے، انٹرنیٹ پر فائل ڈاؤن لوڈ (Down lode) کرنے یا اپ لوڈ (Up lode) کرنے میں محتاج ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام کسی طرح کی مشینری کی مانند اور کسی (opreater) یا (driver) کے محتاج نہیں ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالوں سے بھی بلند تر اور بالاتر ہیں۔

## باب پنجم:

# تشابہات میں اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کا بیان

عقیدہ نمبر (۳۴):

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، اور چہرہ، اور نفس جیسی صفات بھی ثابت ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعضاء و جوارح کا تذکرہ کیا ہے؛ مثلاً 'وجہ' کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

ہر شے ہلاک ہو جانے والی ہے سوائے اس کے وجہ کے۔

اور 'یڈ' (ہاتھوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے

اور نفس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے اللہ جو میرے دل میں ہے وہ سب کچھ تو جانتا ہے لیکن جو تیرے نفس میں ہے اس میں سے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

یہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے اعضاء یعنی ہاتھ، نفس، اور چہرے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو بلا کیفیت ہیں؛

عقیدہ نمبر (۳۵):

ہم اللہ تعالیٰ کے اعضاء و جوارح کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

سے مراد اس کا دست قدرت یا دست نعمت ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت زائل ہو جائے گی۔

دست سے مراد دست قدرت یا دست نعمت لینا یہ رائے فرقہ قدریہ اور معتزلہ فرقہ کی ہے، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دست قدرت یا دست نعمت ہے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو بلا کیف ہے؛

عقیدہ نمبر (۳۶):

غضب اور رضا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح بلا کیفیت ہیں۔

عقیدہ نمبر (۳۷):

اللہ تعالیٰ نے بلا کسی دوسری چیز یا شخص کی مدد کے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے

عقیدہ نمبر (۳۸):

اور اللہ تعالیٰ ازل سے تمام اشیاء کو ان کے پیدا کرنے سے بھی پہلے سے جانتے ہیں۔

## باب ششم:

# اللہ تعالیٰ کی تقدیر، مشیت اور تخلیق کا بیان

عقیدہ نمبر (۳۹):

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو کائنات کی ہر شے کی تقدیر (Programming) اور اس کا فیصلہ (planing) کرتی ہے؛

عقیدہ نمبر (۴۰):

اور دنیا و آخرت میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی مشیت، اس کے علم، اور اس کے فیصلے، اور اس کی تقدیر اور لوح محفوظ میں لکھے جانے کے بغیر معرض وجود میں آجائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کی تمام اوصاف (Qualities) کے ساتھ مقید کر کے لوح محفوظ میں لکھا ہے نہ کہ صرف ان کا حکم بیان کر کے لکھا ہے۔

عقیدہ نمبر (۴۱):

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قضاء اور قدر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو ازلی ہونے کے ساتھ بلا کیفیت و بلا تمثیل ہیں۔

عقیدہ نمبر (۴۲):

کوئی معدوم جب عدم کے پردوں میں چھپا ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ معدوم وجود میں آنے کے بعد کیا رنگ و روپ اختیار کرے گا۔

عقیدہ نمبر: (۲۳)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ موجود کے وجود کا روپ اختیار کرنے سے پہلے اور وجود میں آنے کی صورت میں اور ان کے فنا ہونے اور اس کے بعد کی حالت کو کہ وہ کیسا ہوگا اور اس کی فنا کیسے ہوگی؛ ان سب کو ان کے تمام احوال سمیت جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۴):

اور اللہ تعالیٰ ہر قائم کو اسکے قیام کی حالت میں آنے سے پہلے ہی جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۵):

اور یہی قائم جب بیٹھ جاتا ہے تو اس کے بیٹھ جانے کا وقت اور بیٹھنے کے بعد کا علم بغیر سابقہ علم کے زوال یا نئے علم کی آمد کے پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے؛ بلکہ بلا تغیر و حدوث اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم میں ہے۔

اور یہ تغیر و تبدیلی اور مختلف احوال یا ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا یہ مخلوقات کی صفات میں سے ہے اور مخلوقات کے ساتھ اسی طرح تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

نوٹ: معدوم سے مراد وہ مخلوقات ہیں جو تمام مخلوقات (existences) کی نظر اور علم میں معدوم ہو؛

ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر اور علم میں کائنات کی کوئی چیز معدوم نہیں ہے جیسا کہ ائمہ علم کلام کا کہنا ہے:

والمعدوم ليس بشئ

یعنی معدوم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس جملے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے مطلب یہ ہے کہ معدوم ایسے وجود کا

نام ہے جو وجود کی تعریف میں نہیں آسکتا؛ اسی لئے ائمہ علم کلام نے موجود کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

واجب الوجود: واجب الوجود وہ چیز ہے جو اپنے ہونے میں خود اپنی گواہ ہو اور کسی غیر کی محتاج نہ ہو اس کی مثال ذات باری تعالیٰ ہے۔

ممکن الوجود ممکن الوجود سے مراد کائنات کے باقی تمام موجودات ہیں اور اس سے مراد وہ موجودات ہیں جو اپنا وجود از خود قائم نہ رکھ سکتی ہوں بلکہ ان کا وجود باقی رہنے میں جسی حی اور قیوم کی مستقل ضرورت ہو۔

ممتنع الوجود اس سے مراد ایسا وجود ہے جو اپنے ہونے میں کسی ہونے کو دلیل بنا کر پیش نہ کر سکے۔

اور اگر معدوم کی نسبت مخلوقات کی طرف کی جائے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ معدوم ایسی مخلوقات کا نام ہے جو انسانی دسترس میں نہ آسکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کو  
نہیں  
فرمایا  
مخلوق  
عقیدہ

## باب ہفتم:

# ایمان اور کفر کی حقیقت اور انسانوں کی تخلیق

عقیدہ نمبر (۴۶):

ہر ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان سے سالم پیدا کیا ہے؛ پھر (عالم الست) میں ان سب کو مخاطب کیا اور ان کو بعض باتوں کا حکم دیا اور بعض باتوں سے منع کیا۔ اس کے بعد کفر اختیار کرنے والے نے اپنے قول و فعل اور ان کار میں حق تعالیٰ کی مخالفت کی اور یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو ایمان دار ہونے کی توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اور ایمان لانے والا شخص اپنے عمل اور اپنی زبان سے اقرار اور اپنے دل کی تصدیق سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو عطا کردہ توفیق اور مدد کی وجہ سے ایمان دار بنتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۴۷):

اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے ذروں کی شکل میں ان کی ساری ذریت نکالی، پھر ان کو عقل کی نعمت سے نوازا، پھر ان کو اپنے امر: *الست بربکم* (کیا میں تمہارا رب ہوں کہ نہیں؟) کا مخاطب بنایا اور ان کو ایمان لانے کا حکم صادر فرمایا اور راہ کفر اختیار کرنے سے منع فرمایا اور اس وقت سب نے مل کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور یہ دور الست میں ان مخلوقات کا اقرار اصل میں ایمان لانا تھا۔

عقیدہ نمبر (۴۸):

ان سب انسانوں کو اسی فطرت پر پیدا کیا؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

ہم نے اس انسان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی، بعض ان میں شکر گزار اور کچھ نافرمان ہو گئے؛

عقیدہ نمبر (۴۹):

اور امر: السُّبُحُ رَبِّكُمْ: کے بعد جس نے بھی نافرمانی والا راستہ اختیار کیا، اس نے اللہ کی طرف سے عطاء کردہ فطرت میں تبدیلی کی، اور جو شخص ایمان لایا اس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ فطرت کی تقدیس کی اور راہِ راست پر ثابت قدم رہا، اور ہمیشگی اختیار کر کے صاحب ایمان بنا۔

عقیدہ نمبر (۵۰):

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو کفر یا ایمان کے اختیار کرنے پر مجبور پیدا نہیں کیا؛ کہ ان پر یہ لازم کیا گیا ہو کہ وہ لازماً اور ہر صورت میں اسلام یا کفر کو اختیار کریں۔

عقیدہ نمبر (۵۱):

اور نہ ہی ان کی فطرت کو ایمان یا کفر پر تخلیق کیا گیا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تخلیق کامل و مکمل شخصیات کے انداز میں کی ہے۔

عقیدہ نمبر (۵۲):

جبکہ کفر اور ایمان کا اختیار کرنا بندوں کے اپنے افعال ہیں، جو انہوں نے کسب و عمل کے ذریعے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۵۳):

مگر اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کی بنا پر کافر کے کفر اختیار کرنے کو پہلے ہی سے جانتے ہیں کہ یہ کافر ہوگا، اور اس کے بعد جب وہ شخص ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان پر ہونے اور اس کے ایمان کا درجہ اور مرتبہ بھی جانتے ہیں کہ یہ شخص کس درجہ کا مؤمن ہوگا، جب



کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔  
 نوٹ: اسلام کی فطرت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اصل فطرت میں مسلمان ہونے کی کامل اہلیت رکھتا ہے، کیونکہ ہر قول و عمل کے درمیان افراط و تفریط سے بچنے کا نام اسلام ہے؛ اور افراط و تفریط کی صورت میں دونوں قسم کی انتہا پسندی انسان کو راہِ راست سے ہٹا دیتی ہے؛ جو ماحول کے اثرات سے انسان میں پیدا ہوتی ہیں؛ اور ماحول کے اثرات کے عناصر ترکیبی: خاندان، ماحول، رسم رواج، تعلیم اور انداز فکر ہے؛ جبکہ اسلام راہِ اعتدال، اور صراطِ مستقیم، اور محبت اور الفت سے زندہ رہنے کا نام ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المُسلِمُ من سلِم المسلمون من لِسَانه ویدہ  
 صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے پہنچنے والی اذیت، اور زبان سے پہنچنے والی ایذا سے ہر دوسرا مسلمان محفوظ رہے؛

ایک حدیث حضرت امام صاحب نے ان الفاظ میں نقل فرمائی:  
 ان اولادکم وُلدوا علی الفطرۃ، فلا تداوہم بالخمرو ولا تغذوہم  
 تمہاری اولادوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہذا ان کو شراب نہ بطور دوائی اور نہ بطور  
 غذا دیا کرو۔

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی وارد ہوا ہے کہ:  
 لاخیر فی من لا یألف ولا یألف  
 ایسے شخص میں کوئی خیر نہیں، جو شخص اوروں کے لئے اپنے دل میں الفت نہیں رکھتا، اور  
 اس کی برائیوں کی وجہ سے کوئی شخص اس سے الفت اور محبت کا دم نہیں بھرتا۔ لہذا ہر مسلمان کو  
 اللہ نے قوانین فطرت کے مطابق پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا هدیناہ السبیل اما شا کرا واما کفورا  
 ہر انسان کو ہم نے راہِ ہدایت دکھائی، اب چاہے وہ شکر گزاری کر کے راہِ ایمان، یا

ناشکری و نافرمانی کر کے راہِ کفر اختیار کر لے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ: ابتدائی عمر میں آدمی کو بلا کسی تکلیف اور تکلف کے اسلام یا ایمان حاصل ہو جاتا ہے؛ مگر اس کے بعد درجاتِ ایمان میں بلندی پر جانے یا راہِ کفر اختیار کرنے کے لئے دونوں طرف محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے؛

نوٹ: امرِ الست بر بکم ایک معاہدہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے عالمِ ارواح میں چھوٹے چھوٹے ذروں کی شکل میں پیدا کر کے کیا تھا؛ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ذروں کی شکل میں ایک جگہ جمع فرمایا اور ان کو مخاطب کر کے پوچھا: الست بر بکم؟ کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ تو اس وقت سب ذرے نما انسانوں نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا تھا: بلی و ربنا! یعنی ہاں آپ ہی ہمارے رب ہیں؛ جب یہ عہد لیا گیا اس زمانے کو عہدِ الست کہتے ہیں؛ اور اس استفسار اور اقرار کو جو انسان اور رب رحمن کے مابین ہوا امرِ الست کہتے ہیں، اور اس دنیا میں جو انسان ایمان کی نعمت سے مزین ہوتے ہیں اس کو: اثرِ الست کہتے ہیں؛ اور جو لوگ اس دنیا میں بے ایمان رہ جاتے ہیں اس کو: کفرِ الست کہتے ہیں؛ اور ایمان کی طرف اپنے دوستوں کو بلانا اور اس کی دعوت عام کرنا کفرِ الست ہے؛ اور اسی مقصد کے لئے لوگوں کو واعظ و نصیحت کرنا ذکرِ الست کہلاتا ہے۔

## باب ہشتم:

### انسانوں کے افعال کی حقیقت کا بیان

عقیدہ نمبر (۵۴):

انسانوں کی تمام حرکات اور سکنت اور ان کے تمام افعال حقیقتاً ان کی اپنی کمائی اور اپنی ہی ذمہ داری پر ہیں؛ جبکہ ان سب انسانوں کے تمام اعمال کے حقیقی خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں

عقیدہ نمبر (۵۵):

اور ان تمام اعمال کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت؛ ان کے علم، اور انہی کے فیصلے اور انہی کی قدرت اور ان کی تقدیر سے معرض وجود میں آتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۵۶):

اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ تمام اطاعات، انہی کے امر اور رضا، اور انہی کے علم اور مشیت، اور انہی کی قضا، اور تقدیر کے مقدر کرنے سے معرض وجود میں آتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۵۷):

تمام معاصی اور ہر قسم کے گناہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل کی وجہ سے اور انہی کی قضا، اور تقدیر کے مقدر کرنے، اور انہی کی مشیت سے معرض وجود میں آتے ہیں۔

لیکن بندوں سے ان کے معاصی اور گناہ کے صادر ہونے میں، نہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی رضا، اور نہ ہی ان کا حکم ان گناہوں کے صادر ہونے میں ان بندوں کے شامل حال ہوتا ہے۔

## باب نہم:

### انبیاء اور اولیاء اور صحابہ کرام کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۵۸):

اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک اور مبرا ہوتے ہیں، اسی طرح کفر اور فتنج باتوں اور فحش حرکات و سکنات سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۵۹):

ہاں کبھی کبھار ان سے بھول چوک، اور دنیاوی کاموں میں معمولی خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں (ان کی حد بھی بس اسی قدر ہوتی ہے جو آپ نے خود فرمایا: رفع عن امتی الخطاء والنسیان یعنی میری امت سے بھول چوک معاف کر دی گئی ہے)

عقیدہ نمبر (۶۰):

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دوست، اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے نبی، اس کے برگزیدہ اور اس کے چنے ہوئے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شرک نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے اپنی ساری زندگی میں کبھی کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

عقیدہ نمبر (۶۱):

تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد امت میں سب سے افضل شخصیت کا نام

(خلیفہ اول) حضرت سیدنا ابو بکر الصدیقؓ ہیں؛ ان کے بعد  
 (خلیفہ دوم) حضرت سیدنا عمر بن الخطاب الفاروقؓ ہیں؛ ان کے بعد  
 (خلیفہ سوم) حضرت سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورینؓ؛ اور ان کے بعد  
 (خلیفہ چہارم) حضرت سیدنا علی بن ابوطالب المرثضی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں

عقیدہ نمبر (۶۲):

یہ تمام صحابہ ایسے ہیں جو حق پر جمے رہنے والے اور ہر قسم کی مشکلات میں سچائی پر ثابت  
 قدم رہنے والے تھے؛ اور ہم ان سب کو اپنا دوست رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۶۳):

اور ہم تمام اصحاب رسولؐ میں سے ہر ایک کا تذکرہ صرف اچھے انداز میں کرتے ہیں۔  
 (اس موضوع پر تفصیلی بحث الفقہ الاہل سنت میں کی گئی ہے)

نوٹ ۵۹: واضح ہو کہ انبیاء کرام سے دینی کاموں میں بھول جانا اور دنیوی کاموں میں  
 بھول چوک اور معمولی غلطی سرزد ہوتی ہے وہ امور دنیا میں سے ہوتی ہے اس کو گناہ نہیں کہا  
 جاتا؛ کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اصلی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو دین میں اللہ تعالیٰ کے فرامین  
 پر بے چون و چرا عمل کے لئے آمادہ کر دیں جبکہ امور دنیا میں انکو تجربات کی طرف مائل کریں  
 اور جو بات تجربات سے حاصل ہو اس کو بہتر جانیں اور اپنی زندگی میں اختیار کریں؛

اور انبیاء کرام کا امور دنیا میں چونکہ اصلی مقصد تجربات کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اس  
 لئے اگر اس تجربے میں کوئی بھول چوک ہو جائے تو بھی شریعت اس کو گناہ شمار نہیں کرتی جیسا  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رُفِعَتْ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنَّسِيَانِ

یعنی میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے ہونے والے گناہ معاف کر دے گئے

ہیں۔

## باب دہم:

### مسلمانوں پر اور ان کے گناہوں کے اثرات کا بیان

عقیدہ نمبر (۶۴):

ہم کسی مسلمان کی اس کے کسی بھی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو؛ تا وقتیکہ وہ ارتکاب گناہ اس گناہ کو حلال اور جائز سمجھ کر کرتا ہو۔

اور ہم نہ ہی کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے زائل ہونے اور کفر میں مبتلاء ہونے کا فیصلہ دیتے ہیں بلکہ ہم ان کو حقیقی معنوں میں مؤمن کہیں گے۔

عقیدہ نمبر (۶۵):

ہمارے نزدیک یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مؤمن ہونے کے ساتھ ساتھ فاسق بھی ہو، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مؤمن اپنے ایمان کے ہوتے ہوئے کافر بھی ہو جائے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے اوامر میں سے کسی بھی امر کو ترک کر دینا یا اس کی نافرمانی کرنا، یا ممنوعات میں سے کسی بھی مانع کی بجا آوری گناہ کہلاتی ہے، اور ایمان اور اہل ایمان کی ان کے گناہوں کے اثرات کی وجہ سے چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم: ہم جتنے مرضی گناہ کرتے رہیں اس سے ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ ہم جنتی ہی رہتے ہیں یہ طبقہ مرجیہ یا اباحیہ کہلاتا ہے

دوسری قسم: گناہ کی وجہ سے گناہگار کافر ہو جاتا ہے تا وقتیکہ وہ تجدید ایمان نہ کر لے۔

تیسری قسم: گناہ کرنے سے وہ گناہگار ایمان اور کفر کے بین بین ہو جاتا ہے یعنی نہ تو وہ

کفر میں شامل ہوتا ہے اور ہی وہ اسلام سے نکلتا ہے یہ رائے معتزلہ کی ہے

چوتھی اور اصل رائے جو اہل السنۃ والجماعت کی رائے ہے وہ یہ ہے کہ گناہ اللہ رب

العزت سے معافی مانگنے سے معاف ہو جاتے ہیں اور معافی نہ مانگنے سے وہ بعض اوقات

انسانوں کو کفر کے قریب کر دیتے ہیں۔

## باب یازدہم:

### موزوں پر مسح اور رمضان میں تراویح کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۶۶):

اسی طرح اہل السنّت والجماعت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ موزوں پر سنت سمجھ کر مسح کو جائز سمجھیں۔

عقیدہ نمبر (۶۷):

اہل السنّت والجماعت کے معمولات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رمضان کی تمام راتوں میں سنت سمجھ کر نماز تراویح ادا کرتے ہیں۔

اہم ترین نوٹ: ہم اہل السنّت والجماعت کے نزدیک علم عقائد کے اصول، یا اصولِ اصول الدین کی کل تعداد تین ہے:

(۱) کتاب اللہ کی آیات محکمہ (۲) سنت رسول اللہ متواترہ اور

(۳) اجماع الامت متوارثہ

(۱) پہلا اصول: اللہ تعالیٰ کی کتاب کی محکم آیات میں سے جو بات بھی ثابت ہو جائے وہ تمام مسلمانوں کے عقیدے کی بنیاد بن جاتی ہے لیکن اس میں تھوڑی تفصیل یوں ہے کہ ان میں سے آیات مشتبهات عقیدے کی بنیاد نہیں بن سکتی بلکہ ان کے عقیدہ بننے کے دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

پہلا راستہ تفویض کا راستہ ہے اور دوسرا تاویل کا راستہ ہے۔

تفویض کے راستے سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس میں ان صفات کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اس کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق مان کر اسی

کے سپرد کر دیا جاتا ہے ان کو مفوضہ کہا جاتا ہے۔

تاویل کے راستے سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کا مفہوم لغوی طور سے متعین کرنے کے بعد اپنے عقائد کو اس کے مطابق متعین کر لیا جاتا ہے جو لوگ اس انداز فکر کے قائل ہوتے ہیں ان کو مؤولہ کہا جاتا ہے۔

عام اہل السنّت والجماعت بالعموم مفوضہ ہیں جبکہ اکثر علمائے حنابلہ مؤولہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

لیکن اس مفہوم کی تعین میں شرط یہ ہے کہ وہ سنت رسول اللہ متواترہ کے خلاف نہ ہو۔

(۲) دوسرا اصول: اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں سے دریافت نہ ہو اور اس کے بارے میں جو چیز سنت متواترہ میں سے ثابت ہو جائے وہ بھی عقائد کی بنیاد بن جاتی ہے اور اس سے عقائد متعین کئے جاسکتے ہیں اس بارے میں مذکورہ متن میں جو مسائل تراویح اور مسح کے بارے میں مذکور ہیں وہ بھی عقائد کی اسی لئے بنیاد قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ سنت متواترہ کے درجے میں ہیں، اس لئے کہ حضرت امام اعظم کے اصول حدیث میں سے یہ بات ہے کہ آپ نے فرمایا جب تک مجھے کسی حدیث کی سو سے زیادہ سندیں یاد نہ ہوں تو میں اس کے بارے میں اپنے آپ کو یتیم شمار کرتا ہوں اور امام اعظم کی سوا سند دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث متواترہ کے قائم مقام بن جاتی ہیں، لہذا وہ احادیث عقائد کی بنیاد کے طور پر بیان کی جاتی ہیں جیسا کہ متن سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا اصول: اجماع امت اہل السنّت والجماعت کے نزدیک علم عقائد کی بنیاد بن سکتی ہے باقی بہت سارے فرقے اس میں مخالفت کرتے ہیں، اس کی مزید تفصیلات شرح فقہ اکبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نوٹ نمبر ۶۶: موزوں پر مسح کرنے کی چند شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ کامل طہارت حاصل ہونے کے بعد پہنے گئے ہوں،

دوسری شرط: یہ ہے کہ موزے اتنے بڑے سائز کے ہوں کہ ٹخنوں تک دونوں پاؤں کو



چھپالیں۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ ان کو پہننے کے بعد ان میں متواتر ایک میل تک چلنا ممکن ہو؛  
چوتھی شرط: یہ ہے کہ موزے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں یا اس سے زیادہ مقدار پھٹن  
سے محفوظ ہوں۔

پانچویں شرط: بلا کسی چیز کی پکڑ کے وہ پاؤں پر خود بخود ٹکے رہیں؛  
چھٹی شرط: یہ ہے کہ پانی موزے سے گزر کر پاؤں تک نہ پہنچنے پائے؛  
ساتویں شرط: اور پاؤں کا پنجہ کم از کم تین انگلی کی مقدار باقی ہو۔  
نوٹ نمبر: ۶۷: اس باب میں مندرجہ ذیل بحثیں ہیں:

بحث اول تراویح کی مشروعیت:

تراویح کے ضمن میں جو معلوم ہے وہ صرف اس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه (البخاری)  
جس شخص نے رمضان میں اپنے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے قیام  
رمضان کا معمول جاری رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف فرما دیں گے، اسی  
طرح ایک اور حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انّ اللہ عزّ وجلّ فرض صیام رمضان و سنت قیامہ (احمد)  
اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے تم پر فرض کئے ہیں اور میں تم پر رمضان کا قیام  
سنت کرتا ہوں۔

اور تراویح کا تذکرہ علم عقائد میں کیا جانا اس کی وضاحت اس سے پہلے ایک نوٹ میں  
کی جا چکی ہے۔

بحث دوم جماعت تراویح:

حضور اکرم نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین راتوں میں نماز تراویح پڑھی تھی اور

تیسرے یا چوتھے دن نماز تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے اور اس کی وجہ ان الفاظ میں ارشاد فرمائی:

وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا نِي خَشِيَّتُ أَنْ تَفْرِضَ عَلَيَّكُمْ (بخاری)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان میں تراویح کی تعداد رکعات حضور اکرم سے متعین اور ثابت نہیں ہے۔

اور یہ ہی ماجرا حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور ابتدائے زمانہ خلافت عمرؓ میں رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء پر تمام صحابہ کو جمع فرما دیا، اور یوں سنت تراویح جماعت کے ساتھ ہونے کا معمول شروع ہوا:

فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ لَكَانَ

أَمْثَلًا، ثُمَّ عَزَمَهُمْ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي ابْنِ كَعْبٍ (بخاری)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے سوچا کہ اگر سب لوگوں کو ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کے لئے جمع کر دوں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی؛ پھر اس کا فیصلہ کیا اور سب لوگوں کو ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کا حکم صادر فرما دیا:

بحث سوم تراویح کی تعداد رکعات:

اب سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعات ہیں؟

حضرت سائب بن یزیدؓ سے گیارہ رکعات تراویح منقول ہے؛ اور فرماتے ہیں:

أَمَرَ عُمَرُ بِنِ الْخَطَّابِ أَبِي بِنِ كَعْبٍ وَتَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِأَحَدِي عَشْرَ رَكْعَةً،

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابی بن کعب اور تميم الدارئي کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات نماز پڑھائیں۔

دوسری روایت: یزید بن رومان سے ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثَ

وَعِشْرِينَ رَكْعَةً (اخرجہ مالک بروایت امام محمد)

حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں امت کے جمہور ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ: ”نماز تراویح کی مقدار بیس رکعات ہیں اور اسی طرح کی آراء امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب اپنے وقت کے بڑے اعلیٰ درجہ کے آئمہ کبار اور علوم حدیث، علوم فقہ اور علوم قرآن کے ماہرین تھے؛

## باب دوازدہم:

### اہل ایمان پر ان کے ایمان اور گناہوں کے اثرات کا بیان

عقیدہ نمبر (۶۸):

ہم اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ہر فاسق و فاجر کی اقتداء میں نماز اداء کرنا جائز ہے؛ اور جو شخص اس کے عدم جواز کا قائل ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے اور اہل السنّت والجماعت کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔

عقیدہ نمبر (۶۹):

اور ہم اہل السنّت والجماعت کے تمام لوگ یہ نہیں کہتے کہ کسی مؤمن کو اس کے گناہ کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوگا؛ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا؛ یا یہ کہ وہ فاسق اور فاجر ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا بشرطیکہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا ہو۔

ہاں اگر اس کی موت ایمان پر نہ آئی ہو تو اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ وہ دائمی جہنمی ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۰):

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں لازماً مقبول ہیں؛ اور ہمارے گناہ ضرور معاف ہوں گے جیسا فرقہ مرجیہ کا کہنا اور ان کا مسلک ہے اور ہمارا مرجیہ فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۱):

لیکن اس بارے میں اہل السنّت والجماعت کا قول یہ ہے کہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور اس کو مفصل طور سے بیان کر دیا گیا ہے؛ لہذا جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور اس کا وہ نیک عمل ہر قسم کے شرعی عیوب سے پاک؛ اور عمل کو فاسد کرنے یا باطل کرنے والے اسباب سے محفوظ ہو؛ اور بندہ ایمان کے بعد کفر یا ارتداد کے کسی عمل کے ارتکاب کے ذریعے اپنے عمل کو فاسد کئے بغیر ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے روانہ ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عمل کبھی بھی ضائع نہیں کریں گے بلکہ ان کے اعمال کو قبول کریں گے اور اس پر ان کو ضرور اجر و ثواب دیں گے۔

عقیدہ نمبر (۷۲):

اور معلوم ہونا چاہئے کہ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اگر ان کے کرنے کے بعد کوئی مومن توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چاہت پر منحصر ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو جہنم کا عذاب دے؛ اور اس کا معاف کرنا بھی اللہ کی چاہت پر منحصر ہے کہ سرے سے اس کو سزا ہی نہ دے۔

عقیدہ نمبر (۷۳):

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ انسان سے صادر ہونے والے بڑے سے بڑے عمل میں ریاکاری شامل ہو جائے تو وہ سرے سے اس عمل کے اجر کو باطل کر دیتی ہے؛ اور اسی طرح عجب بھی اعمال کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے

نوٹ: یا یہ رائے اہل تشیع کی ہے جو اللہ پر عدل کو لازم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بدلہ اور ہماری نیکیاں پورے اجر و ثواب کی مستحق ہیں اور اللہ پر لازم کہ اس کا پورا بدلہ عطاء کرے) جبکہ اہل السنّت والجماعت کا موقف یہ ہے: مسئلہ واضح اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمل صالح کرتا ہو اور وہ تمام شرائط ضروریہ پر پورا اترتا ہو؛ اور عمل کو باطل کرنے والے

تمام عیوب سے خالی ہو، اور اس شخص نے کفر و ارتداد سے بھی اپنے اعمال کو باطل نہ کیا ہو اور وہ آدمی اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو گیا تو وہ مؤمن ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کو قبول کرے گا اور اس کو پورا اجر و ثواب عنایت کرنے گا؛ اور یہ ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے ہے نہ کہ اس آدمی کے حقدار ہونے کی وجہ سے؛ یعنی اس نے اتنے اچھے اعمال سرانجام دیئے کہ وہ اس اجر کا حقدار قرار پایا کہ اس کو پورا اجر ملنا چاہئے۔

نوٹ نمبر ۷۳: احادیث میں ریاء اور دکھلاوا شرکِ اصغر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ریاء نام ہے آخرت کے لئے کئے گئے کسی عمل پر دنیا کا فائدہ حاصل کرنا۔ اسی لئے امام ابو الحارث المحاسبی (المتوفی ۲۴۵ھ) ریاء کا تعارف ان الفاظ سے کرواتے ہیں:

الریاء ارادة العبد العباد بعمل الآخرة

ریاء نام ہے بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے کاموں سے بندوں کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے؛ اور یہ اخلاص کی ضد ہے۔ اور ریاء کاری میں انسان اپنی معمول کی عبادت سے لوگوں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں بڑا پرہیزگار انسان ہوں، اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی ضد یعنی اخلاص کو حاصل کرنے کی بھرپور کوشش؛ اور اخلاص کے حصول کی مکمل کوشش کی جائے، اگر ریاء کاری کے خطرہ کے بغیر ہو تو بھی عبادت ہے۔

کیونکہ یہ مومنوں کے لئے مقصودِ اصلی ہے؛

حصول اخلاص کا طریقہ:

اس کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ۱۔ پہلا طریقہ محنت ہے اور وہ ہے:

(۱) اگر انسان کے سامنے مقصد اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بن چکا ہو تو

(لا الہ الا اللہ ؛ لا مقصودى الا اللہ)

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ مطلوب کوئی اور بن چکا ہو تو

(لا الہ الا اللہ ؛ لا مطلوبى الا اللہ)

(۳) اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہو تو

(لا الہ الا اللہ ؛ لا محبوبی الا اللہ)

(۴) اور اگر خیالات منتشر رہتے ہوں طبیعت میں یک سوئی نہ ہو تو

(لا الہ الا اللہ ؛ لا مرغوبی الا اللہ)

(۵) اور اگر دنیا کے اسباب و ایجادات سے بہت متاثر ہو تو

(لا الہ الا اللہ) کا ورد کثرت سے کرے

۲۔ دوسرا طریقہ سہل ہے اور وہ ہے کہ کسی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کی تربیت میں

رہے اور اس سے ذکر اذکار کی تلقین لیتا رہے اور یہی منشاء ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے

فرمان کا کہ:

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين ؛

یعنی اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور صادق لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ؛ اور

(پہلا طریقہ) بھی قرآن کریم کی آیت:

يا ايها الذين امنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا،

یعنی اے ایمان والو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو،

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

ولله الاسماء الحسنی فادعوه بها؛

اور اللہ تعالیٰ کے کئی بہترین نام ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو؛ ان

آیات سے معلوم ہوتا ہے

اور اسی طرح

(دوسرا طریقہ) بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء اور مرضی کے عین مطابق ہے لہذا ارشاد باری

تعالیٰ ہے

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين

یہ کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنا تعلق صادقین اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے سچے لوگوں سے جوڑ لو اور یاد رکھنا چاہئے کہ اخلاص سے ہی کسی عمل کی بارگاہِ ربوبیت میں اہمیت بنتی ہے کیونکہ اخلاص ایسا جوہر ہے کہ تھوڑا عمل بھی اس کی وجہ سے کثیر بن جاتا ہے۔

متنع اللہ برزقہما آمین



## باب سیزدہم:

### معجزات کرامات اور استدراجات

عقیدہ نمبر (۷۴):

انبیاء کرام سے معجزات کا ظاہر ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے؛ جبکہ اولیاء کرام کے لئے کرامات ثابت ہیں؛

عقیدہ نمبر (۷۵):

اور رہا مسئلہ ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جیسے ابلیس فرعون اور دجال لعنۃ اللہ علیہم اجمعین ان کے بارے میں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے ویسا ہی ہوا ہے اور ہوگا؛ البتہ ہم ان کو معجزات یا کرامات نہیں کہتے البتہ ان کا نام ہم بندوں کی حاجت برآری اور ضرورت پوری ہونا کہتے ہیں؛ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سب کی حاجات اور ضروریات پوری کرتے ہیں اور کفار کی حاجت برآری استدراجاً کی جاتی ہے اور اس طاقت کے ان کو دیئے جانے سے مقصود ان کو سزا دینا ہوتا ہے جس سے وہ اور زیادہ دھوکے میں مبتلاء ہوتے ہیں اور زیادہ سرکشی اور کفر میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں جائز اور ممکن ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۶):

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں قبل اس کے کہ کسی چیز کی تخلیق کی جائے اور اس کو وجود دیا جائے۔

عقیدہ نمبر (۷۷):

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے ہی خزانوں سے رزق دیتے ہیں قبل اس کے کہ ان کو رزق دیں۔

نوٹ نمبر ۷۴: اولیاء اللہ کی کرامات اصل میں انبیاء کرام کے معجزات ہی ہوتے ہیں؛ کیونکہ جس شخص کو کرامت ملتی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی وجہ سے ملتی ہے؛ اسی بناء پر ہم اس کو انبیاء کا معجزہ تسلیم کرتے ہیں؛ ورنہ اولیاء اللہ کی بذات خود کوئی اہمیت اور اہلیت نہیں ہوتی کہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے سکیں؛ بلکہ یہ انبیاء کرام کا فیضان نظر ہی ہوتا ہے جو ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور ان کی اتباع کرنے والے شخص پر اپنا اثر دکھلاتا ہے اور یوں کرامت ظہور پذیر ہوتی ہے؛

نوٹ نمبر ۷۵: (اس کی زندہ مثال جیسے امریکہ کو بظاہر ناقابل تسخیر طاقت دی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے ان کی حقانیت کی دلیل نہیں اور جو لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور اس کی خفیہ تدبیر کی زد میں ہوتے ہیں اس قسم کی آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے)

نوٹ نمبر ۷۶: یہاں عقیدہ ۷۶، ۷۷ کا دوبارہ تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ معجزات و کرامات اور استدراجات بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مظہر اور نمونہ ہوتا ہے اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وجہ سے ہے اور کوئی کمزور ایمان والا اس کو کفار کا کمال سمجھ کر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو رزق دینا ہوتا ہے اور رزق نام ہے ہر عمل کو دنیا میں جاری و ساری رہنے کے لئے ضروری اسباب مہیا کرنا اور اللہ تعالیٰ کفار کو اپنے کفر کی طغیانی اور سرکشی کے لئے ضروری اسباب دیتا ہے اور ایمان والوں کو ایمان کی حفاظت کا تقاضی کرتا ہے واللہ تعالیٰ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

اس عبارت میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں فقہ اکبر سے مراد کیا ہے؟  
(۱) یا تو اس سے مراد فقہ اکبر کا فن ہے جس سے مراد اس زمانے میں علم العقائد لیا

جاتا تھا

(۲) یا اس سے فقہ اکبر نام کی کتاب ہے جو حضرت امام صاحب کی تصنیف شدہ تھی  
(۳) یا مذکورہ دونوں باتیں مراد ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں علم  
عقائد کی کتاب فقہ اکبر کے بارے میں اسی موضوع کی مزید وضاحت کی غرض سے بعض  
باتیں دریافت کیں جن کو بعد میں کتابی شکل دے کر ایک نئی کتاب بنا دی اور یہی بات عین  
ممکن اور قرین قیاس ہے، گویا امام ابو مطیع بلخی اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

قال ابو مطیع: قرأتُ الفقه الاکبر، وسألتُ ابا حنیفۃ عن ما فیہ  
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کتاب فقہ اکبر پڑھنے کے بعد علم فقہ اکبر یعنی علم

عقائد کی مزید وضاحت چاہتے ہوئے امام ابو حنیفہ سے پوچھا؟

اس طرح ساری بات واضح ہو جائے گی اور کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔

تیسری بات: چونکہ امام ابو مطیع بلخی نے اپنی کتاب کا کوئی نام تجویز نہ فرمایا تھا اور یہ ہی سلف  
کا طریقہ کار تھا اور بعد والے احباب نے ان کے نام تجویز کیے جیسے کہ پہلے واضح کر دیا گیا  
ہے اب بعد والے احباب نے یا تو موضوع کی مناسبت سے اس کا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور بعض  
نے فقہ اکبر کی بجائے چونکہ یہ بات اس نام کی کتاب امام صاحب سے پہلے منقول تھی جس  
کے راوی حماد بن ابی حنیفہ تھے لہذا تھوڑا فرق کرتے ہوئے اس کا نام فقہ اوسط تجویز فرما دیا،  
اور یا اس کتاب کے ابتدا میں فقہ اکبر کا نام دیکھ کر اس کتاب کا نام بھی فقہ اکبر سمجھ لیا لیکن یہ  
آخری بات انتہائی سطحی ہے۔

آخری بات: دوسرے ائمہ حنابلہ نے بھی چونکہ نقل و نقل کے طور پر اس عبارت سے  
استفادہ کیا ہے لہذا میدان تحقیق میں یہ کوئی ایسا علمی اضافہ نہیں کہ اس کو بہت بڑی تحقیق شمار  
کیا جاسکتا ہو ورنہ ان میں سے بعض حضرات نے تو سرے سے امام صاحب کی تصنیف

ہونے سے بھی ان کا کیا ہے لہذا اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں فلاں امام بھی اس بات کا قائل ہیں (جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن نے ارشاد فرمایا ہے) درست نہیں ہے نوٹ: اسی تحقیق کے دوران انٹرنیٹ سے بھی جب سرچ کی گئی تو وہاں ایک بڑا مفصل مقالہ دریافت ہوا جس کا اصل موضوع ہے

کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ اکبر کون سی ہے آیا وہ جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے یا وہ جس کو امام حماد نے روایت کیا ہے اس سلسلے میں اس مقالہ نگار کا سارا زور اس بات پر ہے کہ چونکہ دونوں نسخوں میں روایت کرنے والے راوی مجروح ہیں لہذا ان سے اس بات پر استدلال کرنا کہ وہ امام اعظم کے عقائد کا مجموعہ ہیں کسی طور بھی صحیح نہیں ہے باقی اس میں موجود اہم باتوں کو یہاں نقل کر دیا ہے اور بعض باتوں جو قابل رد تھیں ان کو پہلے ہی رد کیا جا چکا تھا، اور حنا بلہ کی تائید میں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بھی قبل ازیں واضح کر دیا گیا ہے

اب کوئی خاص بات ایسی نہیں جس کو یہاں پیش کیا جاسکے

وللہ الحمد یارب کما ینبغی لجلالک

## پانچواں اعتراض:

### مسئلہ عبارات کی عدم دستیابی

علامہ قونوی نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان اباحنیفة سئل : ما تقول فی الخوارج المحکمة ؟

فقال ؛ ہم أخبث الخوارج ؛

قال ابو مطیع قلت تکفرهم ؟

قال لا ولكن نقاتلهم علی ما قاتلهم الائمة من اهل الخیر علی

بن ابی طالب و عمر بن عبد العزیز “

(مجموعہ الفقہ الاکبر: ۱۳۴)

”امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ خوارج محکمہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ

نے جواب دیا: یہ خوارج کی بدترین قسم ہیں۔

تو پوچھا گیا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ کافر نہیں کہا جائے گا۔

لیکن چونکہ وہ ائمہ حق حضرت علیؑ اور عمر بن عبدالعزیزؓ سے قتال کرتے تھے لہذا ان کے

ساتھ قتال کیا جائے گا“

یہ عبارت بھی ابو مطیع والے نسخے میں ہے، دوسرے نسخہ یعنی حماد بن ابی حنیفہ والے نسخے

میں موجود نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کی فقہ اکبر کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے نہ کہ ملا علی

قاری والا ؟

واقعی یہ بات صحیح ہے اور مذکورہ عبارت فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع میں موجود ہے لیکن فقہ

اکبر مرویہ امام حماد بن ابو حنیفہ میں موجود نہیں ہے۔ اس میں ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ دونوں نسخے امام ابو حنیفہ کی تصانیف ہیں؛ ایک کی روایت ابو مطیع اور دوسرے کی روایت حماد بن امام اعظم نے امام اعظم سے کی ہے البتہ دونوں کا موضوع جدا ہے ایک کا موضوع علم عقائد اور دوسرے کا موضوع علم کلام ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد کرتے ہوئے دوسرے کو قبول کرنے کے دعوے دار نہیں ہیں، نیز ہم تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام صاحب سے ان کی مذکورہ کتب کے متعدد نسخے منقول ہیں جیسے فقہ اکبر از امام حماد والی کتاب میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہم آئندہ مسئلے میں وضاحت کریں گے؛ اسی طرح فقہ اوسط میں متعدد نسخوں سے عبارات کا فرق ہمارے طبع شدہ نسخے میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ہماری تحقیق سے طبع شدہ نسخہ ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے، اسی طرح مجلس علمی کراچی سے طبع شدہ فقہ اکبر روایہ ابو مطیع بلخی والے نسخے میں مسئلہ استوی علی العرش بیان نہیں کیا گیا البتہ حاشیے میں نقل کیا گیا ہے۔

جہاں تک مسئلہ اہل خوارج کا ہے۔ تو یہ فرقہ حضرت امام صاحب کے زمانہ میں بڑے زوروں پر تھا مگر سوال یہ کہ ایک نسخے میں اس کا ذکر ہونا اور دوسرے میں اس کا تذکرہ نہ ہونا، اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے اور وہ نہیں؟ جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں اور بے شمار فرقے تھے جن سے امام صاحب کے مناظرے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام صاحب کو قتل کرنے تک کے پروگرام بنائے، اور ان کا تذکرہ تک امام صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہیں کیا، تو کیا اس کے بارے میں یہ رائے رکھی جائے گی کہ جس کتاب میں ان کا تذکرہ ہے وہ تو امام صاحب کی تصنیف ہے لیکن دوسری کتاب جو اس کے علاوہ ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، یہ تو ایسا اصول ہے کہ جس قاری کی نظر سے وہ عبارت گزری ہے اسی کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اسی عبارت کو جو ان کی نظر میں تھی اس کو دلیل بنا دیا ہے جب کہ یہ اصول نہ عقلاً اور نہ نقلاً قابل اعتناء ہے کیونکہ ایک بات کا میرے علم میں ہونا اس کے وجود کی دلیل نہیں اور

میرے علم میں نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ حقائق تو اپنی جگہ حقائق ہوتے ہیں دیکھا یہ جاتا ہے کہ مدعی نے آیا یہ نسخہ دیکھا ہے اور اس کی نوعیت..... اور..... بیان کیا ہے، یا اپنے طور پر ایک نسخہ دیکھا اس میں ایک بات دیکھی اور اسی بات کو دعویٰ کی دلیل بنا دیا؟

علم عقائد میں امام اعظم کی کتب کی نوعیت:

دیکھا جائے تو فقہ اکبر میں حضرت امام صاحب صرف دعویٰ کرتے ہیں جس کے ساتھ دلیل کبھی ذکر نہیں فرماتے، پوری کی پوری کتاب دعویوں کا مجموعہ ہے اب فقہ اہل سنت پر نظر ڈالی جائے تو وہ دلائل کا مجموعہ ہے اسی طرح العالم والمعتلم بھی دلائل کا مجموعہ ہے اب ان دونوں میں فرق یہ ہے فقہ اہل سنت میں عموماً نقلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں کبھی قرآن سے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے، اور العالم والمعتلم میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں وہ بالعموم عقلی نوعیت کے ہیں، مگر یہ بھی میرا دعویٰ ہے کہ جو اس کتاب پر مشتمل ہے ورنہ بعض اوقات فقہ اہل سنت میں عقلی اور العالم والمعتلم میں نقلی دلائل بھی ذکر کر دیتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر امام صاحب کی وہ کتاب ہے جو صرف دعاوی پر مشتمل ہے۔ اور اسمیں امام صاحب نے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کو اجمالاً بلا تذکرہ دلیل ذکر کر دیا ہے۔ اسی کتاب کو جب امام صاحب کے شاگردوں نے دوران تعلیم، مطالعہ کیا تو ذہنوں میں سوال و جواب پیدا ہوئے تاکہ اس بات کو سمجھا جاسکے اور ان سوال و جواب کو بعض تلامذہ نے محفوظ کر لیا، اور بعض نے محفوظ نہ کیا۔

ہمارے پاس جو سوال و جواب کی صورت میں محفوظ کلام ہے وہ یا تو فقہ اہل سنت اور یا العالم والمعتلم کی شکل میں ہے اور کچھ کام ہے جو تاریخ کی کتب میں بکھرا پڑا ہے اور اس کام کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی امام صاحب کی مجلس میں آتا ہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی بات سنتا اور چلا جاتا اور بعد میں کسی کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور اس کا یہ بیان تاریخ کی کتب میں محفوظ ہو گیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا مگر فقہ اکبر میں اول سے آخر تک جنہوں نے امام صاحب سے علم حاصل کیا اور اس کو لکھا وہ کئی احباب تھے مگر جن کا کلام مجموعہ کی شکل میں ہم تک پہنچا وہ

صرف دو حضرات ہیں ایک امام ابو مطیع بلخی اور دوسرے امام ابو مقاتل سمرقندی ہیں، اور ایک کی کتاب فقہ اوسط ہے اس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے اور دوسری کتاب العالم والکامل ہے اور اس ساری تفصیل کو بہترین اجمالی انداز میں امام بزودئی نے اپنی کتاب اصول الدین کے مقدمہ میں ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے:

و کان یعلم اصحابہ فی الابتداء ، وقد صنف فیہا کتبا وقع بعضها  
الینا ، و عامتها محاہا و غسلها اهل البدع و الزیغ

(اصول الدین: ۴)

یعنی ابتداء میں امام صاحب اپنے شاگردوں کو علم کلام سکھایا کرتے تھے اور علم کلام میں متعدد کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں بعض تو ہم تک پہنچ گئی ہیں اور امام صاحب کی عام کتب اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو کر مٹا دیں اور یوں وہ ضائع ہو گئی ہیں۔

اور اگر ابو مطیع نے یا ابو مقاتل نے امام صاحب سے سوال و جواب کر کے ان کو تحریر کیا ہو تو وہ کتاب اسی امام کی سمجھی جائے گی جس کا وہ کلام ہے اور اہل علم کی اصلاح میں اس کو امالی کا نام دیا جاتا ہے؛

یہ طریقہ تعلیم تو آج تک بھی سکول و کالج اور مدارس اسلامیہ میں رائج ہے؛ اور اسی طرح حضرت امام صاحب کے امالی مرتب کئے گئے؛ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دھوکہ جس عبارت سے ہوا وہ الفقہ الاوسط کی عبارت ہے جس میں امام ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں:

سألت ابا حنیفة نعمان بن الثابت عن الفقہ الاکبر فقال.....

میں نے امام اعظم ابو حنیفہ سے الفقہ الاکبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے

جواب دیا.....

چونکہ یہ ایک مجمل سوال ہے اس لئے کہ فقہ اکبر متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو فقہ اکبر کے بارے میں دریافت کرنا کئی معنوں میں ہو سکتا

ہے۔



- (۱) یہ کہ فقہ اکبر کس علم کو کہا جاتا ہے؟  
 (۲) یہ کہ فقہ اکبر جو آپ کی تصنیف ہے وہ کیا ہے؟  
 (۳) یہ کہ میں فقہ اکبر مطالعہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے ان کے بارے میں میں نے امام صاحب سے پوچھا؟  
 سوال اول پر امام صاحب کا اسی قدر کہہ دینا کافی تھا ایمانیات کی بنیادی باتیں مانی جائیں اور اس کی تفصیل جس طرح فقہ اکبر میں ہے کہ:

اصل التوحید وما یصح الاعتقاد علیہ یجب ان یقول : آمنت  
 باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت والقدر خیرہ  
 وشرہ من اللہ تعالیٰ والحساب والمیزان والجنۃ والنار حق  
 کلہ؛

اصل توحید اور وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی کے اعتقادات کے صحیح ہونے کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ آدمی پر واجب ہے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر، اور اس کے تمام رسولوں پر، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور انسانوں کے اعمال کے محاسبہ پر، اور اعمال کے تولے جانے والے میزان پر، اور جنت اور جہنم پر، یہ کہ یہ سب کچھ حق اور سچ ہے؛

جبکہ فقہ ابط میں فرمایا کہ:

لانکفر احدا بذنبہ ، ولانفی احدا من الایمان ؛ وان تامر  
 بالمعروف وتنہی عن المنکر ؛ وتعلم ان ما اصابک لم یکن  
 لیخطئک ، وان یخطئک لم یکن لیصیبک ؛ ولانتبرء من  
 اصحاب رسول اللہ وررضی عنہم ، ولانتوال احدا دون احد ؛  
 وان نرد امر عثمان وعلی الی اللہ وهو عالم السر والخفیات .

ہم کسی شخص کی اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے؛ اور نہ کسی کے ایمان کے اس سے نفی کرتے ہیں اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا؛ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا مقدر میں ہے وہ مل کر رہتا ہے اور جو ملنا مقدر میں نہیں ہے وہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا؛ اور اصحاب رسول میں سے ہم کسی سے برائت کا اعلان نہیں کرتے؛ اور نہ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں اور حضرت عثمان و علی کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہ ذات ہے جو سارے چھپے راز اور مخفی بھید جانتی ہے۔

فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں کہ ایمانیات کا بنیادی تعارف کس صورت میں صحیح اور بہتر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اور دوسرے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے سائل پوچھ رہا ہے آپ کی تصنیف فقہ اکبر کی نوعیت کیا ہے یا وہ کون سی ہے؟ جواب میں اگر اس کا نام یا مضامین کا خلاصہ پیش کر دیا گیا تو کافی تھا مگر پوری تصنیف میں جا بجا سوال کرتے چلے جانا اور امام صاحب کا تفصیل سے اس کا جواب عنایت فرمانا کسی اور بات کی نشان دہی کرتا ہے؛

اور وہ بات یہی ہے جو ہمارا مدعا ہے کہ اصل کتاب کی خواندگی کے دوران پیدا ہونے والے اشکالات یا سوالات کے بارے میں امام صاحب سے جب دریافت کیا گیا تو امام صاحب کی طرف سے اس کے جوابات ملے؛ اور ان کو جب تحریر میں لایا گیا تو ایک امالی کی شکل اختیار کر گئی اور اسی کا نام فقہ اوسط ہے۔

اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے: فقہ اکبر کے بعض مضامین ہیں جن کی تفصیل فقہ اوسط میں ہے اور اگر دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے تو یوں لگتا ہے فقہ اوسط امالی اور نوٹس ہیں فقہ اکبر پر اور فقہ اکبر متن ہے فقہ اوسط کے لئے اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے؛ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

امام صاحب نے ایک رسالہ علم عقائد میں تحریر فرمایا جس کا نام فقہ اکبر اور اس کی

روایت امام صاحب سے ملا علی قاری نے فرمائی ہے؛

اس رسالہ کی تعلیم و خواندگی کے دوران اس پر پیدا ہونے والے اعتراضات جو اس موضوع کی مناسبت سے بڑی اہمیت کے حامل تھے ان کو کئی تلامذہ نے تحریری شکل میں جمع کیا اکثر ان میں سے ضائع ہو گئے اور ان میں سے جو ہمارے ہاتھ لگے وہ دو اشخاص (۱) ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی کے فقہ اہل حق کے نام سے؛ اور (۲) ابو مقاتل حفص بن سلیمان سمرقندی کے العالم و المتعلم کے نام سے محفوظ ہیں؛

علمائے عصر حاضر کا فقہ اکبر کے بارے میں رویہ۔

(اول) موجودہ زمانے میں بھی یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ جو عبارت ہماری رائے سے موافقت نہ کرتی ہو ہم اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس پر اس نوعیت کی تنقید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس تحقیق کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اس میں قاضی سجاد بخاری صاحب کی کتاب اقامۃ البرہان کے صفحہ: ۲۷۰ کی مثال موجود ہے مفتی عبدالشکور ترمذی نے میت میں قبر کے اندر اعادہ روح کی بات کرتے ہوئے ایک عبارت فقہ اکبر سے نقل کی

واعادة الروح الى الجسم في قبزه حق فقہ اکبر: ۱۴

قبر میں روح کا میت کے جسم میں لوٹنا باجنا حق ہے

اس کے جواب میں قاضی سجاد بخاری فرماتے ہیں

”باقی رہا ترمذی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ اکبر میں امام صاحب نے قبر میں اعادہ روح کو تسلیم کیا ہے (صف ۱۹) تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ فقہ اکبر جس کی شرح ملا علی قاری اور ابوالمنتهی نے لکھی ہے وہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے جسے غلطی سے اشتراک کنیت کی وجہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا، امام صاحب کی فقہ امام ابو مطیع بلخی کی روایت سے ہے اور سب سے پہلے اس کی شرح امام اہل سنت امام ابو منصور ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ نے لکھی ہے یہ شرح دائرة المعارف حیدرآباد دکن

کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اس فقہ اکبر میں اعادہ روح کا نام و نشان تک نہیں،  
اور قاضی صاحب اس بارے میں دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

چونکہ امام طحاوی نے عقیدہ طحاویہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے  
معتقدات کو جمع کر کے لکھا تھا ”مگر اس رسالے میں انہوں نے قبر کے اندر اعادہ روح کا کوئی  
ذکر نہیں فرمایا اگر یہ مراد فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہوتی تو امام طحاوی اس کے دیگر  
مندرجات کے ساتھ ساتھ اعادہ روح کے عقیدے کو بھی ضرور اس رسالے میں درج فرماتے  
(اقامۃ البرہان: ۲۷۱)“

سوال یہ ہے کہ

- (۱) کیا عقیدہ طحاویہ امام صاحب کے تمام معتقدات کا مجموعہ ہے؟
  - (۲) اور یہ کہ کیا شرح فقہ اکبر واقعی امام ابو منصور ماتریدی کی تصنیف ہے؟
  - (۳) اور کیا ابو حنیفہ بخاری نام کے شیخ کی فقہ اکبر نامی کوئی کتاب دنیائے تاریخ  
کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے لکھی ہے؟
- ہمارا جواب ان تینوں سوالات کے لئے ہے:

(۱) نہیں

(۲) نہیں

(۳) نہیں

(دوم) اسی طرح جب میں نے مجموعہ الفقہ الاکبر کی پہلی اشاعت کے وقت اس کو  
مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ کی خدمت میں کچھ کلمات لکھنے کے  
لئے عرض کیا چونکہ مفتی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ملا علی قاری والی فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی  
تصنیف ہے، امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے، اور اس کے بارے میں انہوں نے بعض  
اعتراضات اٹھائے تھے ان کا مختصر انداز میں اسی مجموعہ کے مقدمے کی چھٹی فصل میں جواب  
دیا گیا تھا۔ اس مجموعہ پر جو تقریظ مفتی صاحب نے تحریر فرمائی۔

وہ تحریر حاضرین کی خدمت میں درج ذیل ہے:

”..... لاسیما الامام الاعظم ابو حنیفة نعمان بن ثابت قداملاء علی تلامذہ من عقائد الاسلام من اصول الدین و اساسہ کیف لا و هو امام فی الکلام و اول مناظر فی الاسلام فکتبوا عنہ حسب ما تقتضیہ المجالس و الازمان فوق التفاوت و اختلعت العبارات و المقاصد فی النقل . و صار لكل واحد نسخة و اخونا فی اللہ الفاضل اللوذعی المولوی المفتی رشید احمد العلوی وفقہ اللہ تعالیٰ لما یحبہ و یرتضیہ اراد لتلك النسخ المنتشرة ان یجمع و لدرر المنتشرة المسماة بفقہ الاکبر ان یعقد و ینظم فأفاد شیئا لا یمکن استفاد و قصد امر الا یکاد و یراد فی منهج التعلیم و حسن الترتیب مع بیان التخریج و التبویب . الا ان الجامع قد تصدی لتقویة الضعاف اسنادا و متنا و جعل جمیع الاملاء ات کلها سواء ا بسواء لم یفرق بینهما مع ان بعضها صحیح و بعضها ضعیف و بعضها اضعف فرفع شیئا قد تنزل و اصعد امر ا قد تساقط و لکن الثمرة تجتنی و الشوكة تجتنب فتلقى مع هذا لا تخلوا هذه المجموعة عن فائدة.....“

امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو عقائد اسلام اور دین کے اساسی اصول املاء کروائے تھے کیونکہ آپ علم کلام کے بھی امام تھے اور باطل کے خلاف اسلام کے پہلے مناظر بھی تھے اور ان کے تلامذہ نے امام صاحب کا علم نقل کیا ہے اور ان تمام نقل کرنے والوں نے اسے ایک ایک نسخے میں مرتب کر دیا تھا..... نے ان منتشر نسخوں کو فقہ اکبر کے نام سے یک جا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس سے فائدہ ممکن ہو سکے لہذا اس کو بڑی عمدگی کے ساتھ انہوں نے جمع

کیا ہے اس میں تعلیمی انداز، عمدہ ترتیب، اور تخریج احادیث کے ساتھ ساتھ تبویب مسائل بھی کر دی گئی ہے، لیکن جامع اس میں سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف باتوں کو قوی کرنے میں کوشاں ہیں اور اس ساری کوشش میں انہوں نے تمام امالی کو یک جا جمع کر دیا ہے اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا اس میں قوی اور ضعیف کیا ہیں؟ حالانکہ ان میں بعض مسائل صحیح اور بعض ضعیف اور بعض اضعف ہیں، اسی طرح انہوں نے بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے اور بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے لیکن پھر بھی اس سے استفادہ ممکن ہے۔

مذکورہ عبارت پر تبصرہ:

حضرت مفتی صاحب کی اس پوری عبارت میں قابل بیان اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک مجموعہ امام اعظم کی امالی کا جمع کیا گیا ہے جس میں امام اعظم کے دریکتا کو جمع کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں دوسری باتیں بھی ہیں لیکن اس میں اہم ترین بات جو مفتی صاحب نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ اس مجموعہ میں بعض باتیں ضعیف اور بعض باتیں اضعف نوعیت کی یک جا جمع کر دی گئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کا اعتراض یقیناً اس بات پر ہے کہ راقم نے ملا علی قاری والی فقہ اکبر کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا۔ ان کے خیال میں راقم نے ضعیف روایات پر اعتماد کر کے فقہ اکبر (ملا علی قاری والی) کو حضرت الامام کی تصنیف قرار دیا۔ یقیناً ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اس کتاب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں یا یہ بھی مراد نہیں ہے کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے نہج سے ہٹ کر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ علم کلام میں ضعیف روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ دوسرے فقہ اکبر میں کوئی مسئلہ اہل سنت کے نہج کے خلاف نہیں ہے۔

## چھٹا اعتراض:

### مسئلہ ایمان والدین مصطفیٰ رحمہ اللہ علیہما

کئی حضرات نے امام حماد والی فقہ اکبر کو تسلیم نہ کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی تلاش کیا ہے کہ اس نسخے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان نہیں تھے:

اور خاص طور سے علامہ ابن حجر المکی نے اپنے فتویٰ میں فرمایا: کہ جو فقہ اکبر مشہور ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری کا نسخہ ہے، اور امام صاحب کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے کیونکہ اس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر پر مرنے والی بات نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے اس بات پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا ہے کہ مجھے فقہ اکبر کا اصل نسخہ کیسے مل گیا ہے، اور اگر یہ اصل نسخہ ملا علی القاری ہروی کو مل جاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں ہرگز وہ بات نہ کہتا جو اس نے کہی ہے۔

جواب:

جہاں تک علامہ ابن حجر المکی کی بات کا تعلق ہے:

یہ تو مشکل کو دیکھ کر بھاگنے والی بات ہے:

اصل بات یہ ہے کہ جس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ایمان کی بات ذکر کی جاتی ہے اس کے دنیا میں متعدد نسخے مروجہ ہیں؛ اور یہ بات کسی نہ کسی طرح فقہ اکبر کے اس نسخے میں ہے جس کو حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے؛ جبکہ وہ فقہ اکبر (یا فقہ اوسط) جس کو امام اعظم کے تلمیذ اور حدیث کے راوی امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے اس

میں تو سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں ہے، اسی لئے کسی محقق نے اس کتاب میں اس مسئلے کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث بھی نہیں کی ہے؛

اس مسئلے میں فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ:

اگر امام اعظم کی اس فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے جو امام صاحب سے ان کے صاحب زادے امام حماد نے روایت کیا ہے اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان نسخوں میں مذکور مندرجہ ذیل مختلف متون ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱): ووالدا رسول اللہ ما تا علی الایمان؛

(یہ نسخہ اصل میں نسخہ زید کا محرف شدہ نسخہ ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پر فوت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو یقیناً ایک مضحکہ خیز جملہ بن جاتا ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں بھلا اس مسئلے کی ضرورت کیا ہے اور وہ کون ہے جس کے اعتقادات اس کے خلاف ہو سکتے ہیں ایسی بات تو کوئی عام آدمی بھی تصور نہیں کر سکتا کجا یہ کہ وقت کا کوئی امام اس قسم کی بات کہے یا اس قسم کا دعویٰ کرے، نیز اس نسخے کا دعویٰ علامہ زاہد الکوثری نے مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا اور انہوں نے اس کی تصحیح کا دعویٰ کیا تھا)

(۲): ووالدا رسول اللہ ما تا علی الکفر؛

(علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے اسی نسخے کو اختیار کیا ہے)

(۳): ورسول اللہ ما تا علی الایمان

اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح کہا ہے

(۴): ووالدا رسول اللہ ما تا علی الکفر

اس کو ملا علی قاری نے اپنی شرح میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں

اختیار کیا ہے۔



(۵): والد رسول اللہ ماتا علی الفطرة

یہ وہ نسخہ ہے جس کے بارے میں ائمہ احناف نے امام اعظم کے اس مسئلہ میں سکوت کا دعویٰ نقل کیا ہے:

(۶): ووالدی النبی علیہ السلام ماتا علی الکفر ثم ماتا علی

الایمان؛

نسخہ نور ظلم تحقیق احمد المرزوقی، جو کابل سے طبع شدہ ہے

(۷) اور بعض نسخے اس مسئلے کے بیان سے مکمل طور پر خاموش ہیں ان میں اس

عبارت کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا گیا ہے؛

اس مسئلے کے بارے میں ہمارے سامنے کل سات آراء آتی ہیں جن کو ہم قدرے

تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

پہلا نسخہ:

اس نسخہ کی حقیقت یہ ہے کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدعا کے عین مطابق ہے اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی ہے جس کی وجہ سے علامہ ابن حجر مکی اور وکلی احمد سکندر پوری کو یہ کہنا پڑا کہ یہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں؛ کیونکہ اس عبارت کی صورت میں اس نسخے میں والدین رسول اللہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں۔ جب اعتراض ہی دور ہو گیا تو ابن حجر کے ان کار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی اس لئے ہم امام ابن حجر اور سکندر پوری کی خدمت میں یوں عرض پرداز ہیں کہ صاحب جو بات آپ کے لئے فقہ اکبر کی کتاب کے ان کار کرنے کا باعث بنی، یہاں وہ بات تو نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے کہ رسول اللہ کے والدین ایمان کی حالت میں فوت ہوئے تھے۔

دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ امام ابن حجر کی اپنی رسائی کسی نسخے تک نہیں ہوئی اور نہ

ہی ان کی نظر سے یوں لگتا ہے کہ کوئی دوسرا نسخہ گزرا ہوگا سوائے ایک سنے سنائے اعتراض

کے جو علماء کی مجالس میں سینہ بہ سینہ نقل ہوتا آرہا تھا، سکندر پوری اور ابن حجر نے اسی کو من و عن نقل کر دیا ہے،

یہی اعتراض حضرت قبلہ مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب نے ہماری تحقیق شدہ مجموعہ فقہ اکبر کے نسخے پر کیا تھا کہ اس نسخے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کی نسبت کر دی ہے، اور تقریظ کی وہ عبارت من و عن اس سے قبل ایک اعتراض کے جواب میں نقل کر دی گئی ہے، اب جب یہ مسئلہ ہی درمیان سے ہٹ گیا ہے تو ان تمام حضرات کے نزدیک اس کتاب کے امام صاحب انتساب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا نسخہ:

اس نسخے میں رسول اللہ کے بذات خود ایمان پر مرنے کی بات نقل کی گئی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس شبہ کا امکان ہی نہیں ہے تو وضاحت کی کیا ضرورت۔ لہذا ایک ہی بات رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ: اس نسخہ میں سے (والدین) کا لفظ نسخ سے ساقط ہو گیا تھا اور لکھنے میں نہیں آیا اور ایسا اکثر کتابوں سے ہو جایا کرتا ہے کہ لکھائی کے دوران میں ایک آدھ لفظ رہ جاتا ہے اور یہ نسخہ مذکور بالا کا محرف نسخہ ہے، اس طرح ان دونوں نسخوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں رہتا بلکہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں؛ اور وہی ہماری مراد ہے۔

تیسرا نسخہ:

اس نسخے کے نقل کرنے والے علامہ ابن عابدین شامی نے در المختار میں، اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اپنی کتاب المعتقد المعتقد میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس میں اصل یوں تھی:

والدارسول اللہ ما ماتا علی الکفر؛

اور عبارت میں تحریف کر دی گئی ہے، اور یہ تحریف بد نیتی کی بناء پر نہیں ہوئی، بلکہ غلط فہمی

کا ہے یعنی اسلام بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے نہیں پائے جاتے؛ اور اس کی مثال کمر اور پیٹ کے آپس میں تعلق کی مانند ہے یعنی بغیر کمر کے پیٹ، اور بغیر پیٹ کے کمر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

عقیدہ نمبر (۸۳):

اور دین نام ہے اسلام اور ایمان دونوں کے مشتملات کے ساتھ ساتھ احکامات شرعیہ پر عمل کرنے کا، ان مذکورہ سب باتوں یا کیفیات کو ملا کر ایک جگہ کر دیں تو ان سب کے مجموعے کا نام دین بن جاتا ہے۔

## باب شانز دہم:

# اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس سے متعلق عقائد کا بیان

عقیدہ نمبر (۸۴):

ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت انسانی کوشش کی آخری حد تک پہنچاتے ہیں؛ اور ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات خود اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں؛ اور ان تمام صفات کے مطابق ہی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۸۵):

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص ایسی عبادت کر سکتا ہے جس کا حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ اہل ہو لیکن ہم اس کی عبادت صرف اس کے احکامات کی تکمیل کے لئے کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسولوں کی سنت کے ذریعے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۶):

تمام مومن معرفت الہی، یقین کامل، توکل علی اللہ، محبت باری، اللہ تعالیٰ کی رضا، خوفِ خدا، اور اللہ تعالیٰ سے پُر امید ہونے میں برابر ہیں؛ جبکہ ایمان لانے کے بعد باقی تمام فرائض شرعیہ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لحاظ سے ان میں فرق مراتب ہوتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۷):

اور اللہ تعالیٰ بندوں پر فضل فرمانے والے ہیں؛ اور بندوں کے ساتھ ان کے ہر معاملہ میں انصاف کرنے والے ہیں؛ اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے تھوڑے عمل پر اپنے

فضل کی وجہ سے زیادہ اجر دے دیتے ہیں؛ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے عدل کے پیش نظر گناہ گاروں کو سزا دیتے ہیں اور کبھی ان پر فضل اور مہربانی فرماتے ہوئے ان کو معاف فرمادیتے ہیں۔

نوٹ: ہر شخص پر لازم ہے کہ مذکورہ صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ان میں ترقی کرے؛ ان صفات میں اگر کسی شخص کی حالت ہمیشہ ایک سی رہتی ہے تو وہ خطرے میں ہے بلکہ ان منازل میں آگے بڑھتا چلا جائے اور ان میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں پہنچ کر یہ سمجھا جائے کہ اس کی ذمہ داری پوری ہو گئی ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے احکامات پورا کرنے کے بعد ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے؛ اور یہ ایمان کے علاوہ اسلام کے ظاہری احکامات سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عبادات، اچھے معاملات؛ اب کوئی شخص غریب ہے تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے جبکہ امیر شخص پر زکوٰۃ فرض ہے؛ اسی طرح مریض پر روزہ لازم نہیں صحت مند پر لازم ہے؛

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ متقی اپنے تقویٰ یا محبت کے مقامات میں ترقی کرتا جائے تو وہ مرتبہ میں عامۃ الناس کے برابر ہے؛ اس عبارت میں امام صاحب کا یہ مقصد نہیں اور اس قسم کی رائے رکھنا جہالت ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان مقامات میں آگے بڑھنا یا ان مقامات کا انسان کے ذمہ ہونا ہے، وہ صحت مند ہو یا بیمار، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر ہر ایک کے ذمہ ہے کہ وہ ان مقامات کے حصول کی کوشش کرتا رہے؛ اور باقی اعمال کے بجالانے میں فرق سے ایمان کے مراتب کے لحاظ سے فرق پڑ جائے گا۔

## باب ہفتم:

### انبیاء اور صلحاء کی شفاعت کا بیان

عقیدہ نمبر (۸۸):

انبیاء کرام علیہم السلام کا قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اپنی امت کے گناہ گاروں کی شفاعت کرنا حقیقت پر مبنی اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۹):

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گناہ گار مومنوں کے لئے شفاعت کرنا خواہ وہ گناہ گار کبیرہ گناہوں کے مرتکب یا ایسے گناہوں کے مرتکب ہوں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب بنتے ہوں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت حقیقت پر مبنی اور ثابت ہے

عقیدہ نمبر (۹۰):

قیامت کے دن سارے انسانوں کے اعمال کا وزن اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزان پر وزن کیا جانا حق اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر (۹۱):

برایں طرح جب جنتی جنت کی طرف جائیں گے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر اس کا استقبال کریں گے اور حوض کوثر پر سب سے پہلے ان کی مہمان نوازی ہوگی، یہ سب باتیں درست اور حقیقت پر مبنی ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۲):

دنیا میں جس قدر جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں قیامت کے دن ہر زیادتی کرنے والے کو

اس کی زیادتی کا بدلہ چکانا پڑے گا؛ اور یہ ہی حق اور درست ہے؛

عقیدہ نمبر (۹۳):

اور انسان سے نیکیاں لیکر جس سے زیادتی کی ہوگی اس کو دیدی جائیں گی؛ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کی برائیاں لے کر زیادتی کرنے والے کو دے دی جائیں گی؛ اور یہ بات حق اور درست ہے اور عقائد اہل السنّت و الجماعت کی رائے کے عین مطابق ہے۔

نوٹ: یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کا تولا جانا ان کی کثافت کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں وہ کیسے ہوگا؛ مگر آج کے دور میں یہ بات بڑے آرام سے سمجھ آ جانے والی ہے؛ مثلاً کمپیوٹر (computer) ڈسک میں دکھائی کچھ نہیں دیتا مگر اس پر دوبارہ لکھائی کرنا، اس پر کوئی اور کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی لکھائی کرنے لگیں تو کمپیوٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ کی ڈسک یا فلاپی (Disk or Floppy) میں مزید جگہ نہیں ہے اب اس پر کچھ اور لکھنا ممکن نہیں؛ جبکہ اس کو دیکھا جائے تو اس پر کچھ بھی لکھا نظر نہیں آتا؛ اسی طرح کمپیوٹر میں ریم (RAM) اور ہارڈ ڈسک (Hard Drive or HDD) کو دیکھ کر مانا جاسکتا ہے کہ واقعی دنیا میں ایسا (system) موجود ہے جس کو دیکھا نہیں جاسکتا؛ اور اس سے کہیں بہتر نظام جو اس نظام کے خالق کے خالق کا ہے بھلا اس سے کوئی عمل کیسے محفوظ ہونے سے رہ سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

ووجدوا ما عملوا حاضراً

کل قیامت کے دن تم اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر باش پاؤ گے اور کوئی

بات چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔

## باب ہشتم:

### جنت اور دوزخ کے دوام کا بیان

عقیدہ نمبر (۹۴):

جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیدا کی ہوئی ہیں جو آج بھی موجود ہیں اور وہ کبھی فنا نہیں ہوں گی۔

عقیدہ نمبر (۹۵):

جہنم پر بنا ہوا جس کو پل صراط کہتے ہیں وہ بھی حق ہے اور وہ اس وقت بھی موجود ہے؛ اور جنت کی حوروں کو کبھی موت نہ آئے گی؛ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی

عقیدہ نمبر (۹۶):

اور اللہ تعالیٰ جس شخص کو آخرت میں سزایا جزاء دیں گے، یا اس کو ثواب و عقاب دیں گے اور جس شخص کو ثواب و عقاب کبھی فنا نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کا ثواب ہمیشہ اور دائمی طور پر پہلی سی حالت میں رہے گا۔

نوٹ: بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دوام اور ہمیشگی نہیں ہے بلکہ یہ ایک وقت ناجب موجود نہیں تھیں اور پھر ان کو وجود بخش دیا گیا تھا اور اسی طرح ایک وقت آئے گا جب الہ کو ختم کر دیا جائے گا۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لئے فقہ اوسط میں ابو مطیع بلخی کے سوال نمبر ۶۸ اور سوال نمبر ۶۹ اور اس پر حضرت امام اعظم کا جواب ملاحظہ فرمائیے:



## باب نوزدہم:

# انسانوں کی ہدایت اور ان کی گمراہی کا بیان

عقیدہ نمبر (۹۷):

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس پر اپنا فضل فرماتے ہوئے اس کو ہدایت عطا فرمادیتے ہیں؛ اور جس کو چاہتے ہیں اس کے لئے اپنے عدل کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کو گمراہ کر دیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۸):

اور کسی بھی شخص کا گمراہ ہونا، اس وقت ممکن ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس شخص سے اپنی رضا اور مرضی کا ہاتھ ہٹا لیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۹):

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کسی بندے سے بدل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندے سے صادر ہونے والے کام اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں؛ اور یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے ہوتا ہے؛ اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو اور گناہ و معاصی کا ارتکاب کرتا ہو گا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۰):

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ہمیں یہ بات کہنا جائز نہیں کہ شیطان نے جبراً اور طاقت آزمائی کرتے ہوئے بندے سے ایمان چھین لیتا ہے؛ لیکن ہم یوں کہیں گے کہ اللہ

تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہونے کی وجہ سے بندے نے ایمان چھوڑا اور یوں شیطان نے اس بندے سے ایمان سلب کر لیا۔

نوٹ: شیطان کے پاس از خود اہل ایمان کے ایمان سلب کر سکنے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اس قابل ہے کہ بندے سے اس کا ایمان چھین سکے؛ اور ایمان کیفیت قلبی کا نام ہے جس پر شیطان کو کوئی دسترس نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ انسان از خود نہ چھوڑ دے؛ مگر یا اس اور ناامیدی نے شیطان کی مرضی پوری کر دی انسان کے ایمان چھوڑنے کی وجہ بن گیا اور شیطان بندے کے ایمان سلب کرنے کی وجہ بن گیا۔

## باب ہستم:

# قبر اور اس کے لوازمات کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۱):

قبر میں مردہ دفنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دو فرشتے منکر و نکیر کا آنا اور انسان سے سوال ان کی توحید و رسالت کے بارے میں سوال کرنا حق اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۲):

انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح کا قبر میں جسم کی طرف لوٹا یا جانا درست اور عین حقیقت پر مبنی بات ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۳):

اور تمام کفار کے لئے اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لئے قبر میں تنگی، اور اس کا عذاب تمام کفار کو دیا جانا، اور بعض مسلمان گناہگاروں کو دیا جانا حق اور درست ہے۔

نوٹ نمبر: احادیث میں آتا ہے قبر میں بندے سے تین سوالات کئے جاتے ہیں

(۱) من ربک یعنی تیرا رب کون ہے؟ (۲) ما دینک یعنی تیرا دین کیا ہے؟

(۳) من نبیک یعنی تیرا نبی کون ہے؟

اور مؤمن درست جواب دے گا کہ (۱): اللہ ربی؛ میرا رب اللہ (۲) والا سلام دینی

اور میرا دین اسلام ہے (۳) و محمد نبی محمد میرے نبی ہیں؛ جبکہ کافر ہر سوال کے جواب میں

تعجب سے دائیں بائیں دیکھے گا مگر کوئی جواب نہ دے سکے گا اور یہ سارا واقعہ اسی دنیاوی قبر

میں پیش آئے گا جو قبرستان میں بنائی جاتی ہے؛ اور جس میں مردہ کو رکھا جاتا ہے۔

(اس موضوع پر امام صاحب نے جامع المسانید میں حدیث نقل فرمائی ہے)  
نوٹ نمبر: عذاب و ثوابِ قبر کا مسئلہ: دین کے ان مشکل اور مختلف فیہ مسائل میں سے ہے جس کو سوائے دلائل نقلیہ کے ثابت نہیں کیا جاسکتا البتہ عقلی دلائل کے لحاظ سے صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ: بنیادی طور پر انسانی جسم کے تین حصے ہیں

(۱): روح: جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل الروح من امر ربی، یعنی روح میرے پروردگار کے امر کا ظہور ہے؛ اس سے زیادہ روح کے بارے میں شریعت میں معلومات نہیں دی گئیں؛ البتہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے بنایا ہے؛ اس کو انگریزی میں (spirit) کہا جاتا ہے

(۲) اور انسانی جسم میں دوسری چیز نفس (soul) ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے

(۱): نفس امارہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جو ہمہ وقت انسان کو برائی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان النفس لأمارۃ بالسوء یعنی نفس امارہ انسان کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔

(۲) نفس لوامہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جو انسان کو برائی پر ملامت کرتی ہے اور اچھائی کے صادر ہونے پر فرحت اور خوشی کا اظہار کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ولا أقسم بالنفس لوامہ، یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں نفس لوامہ کی

(۳) نفس مطمئنہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جس کے ظاہر ہو جانے سے انسانی طبیعت میں برائی سے طبعی نفرت اور نیکی سے طبعی رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا ایتھا النفسُ الْمُطْمَئِنِّہ: یعنی اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف

(۴) نفس ملہمہ خیر و شر: یہ وہ نفس ہے جو اچھی صحبت کی وجہ سے اچھائی اور برائی سے آگاہ رہتا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و ما سوأھا فالہمھا فجورھا و تقوھا یعنی اور وہ نفس جس کو نیکی اور بدی پر متنبہ کرنے کی صلاحیت دے کر پیدا کیا گیا ہے

اور یہ چاروں اقسام کی نفوس مختلف انسانوں میں مختلف انداز سے اثر انداز ہوتے ہیں؛ اس کو عیسائی علم العقائد میں (soul) کہتے ہیں، اسی کا نام ہندو علم العقائد میں کرشن اور یورپی (Metaphysical philosophy) فلاسفی میں (super ego) کے نام سے اور اسی کو سر محمد اقبال نے اپنی شاعری میں (خودی) سے تعبیر کیا ہے؛ اور عامۃ الناس اسی کو دل یا خواہش کہتے ہیں

(۳) اور تیسری چیز انسان میں اس کا مادی جسم ہے اور یہ جسم چار اجزاء کا مجموعہ ہے آگ پانی مٹی اور ہوا؛ بقول امام عبید اللہ سندھی اگر ہر جزو کے تین حصے فرض کئے جائیں  $(81 = 3 \times 3 \times 3 \times 3)$  اقسام کے انسان سامنے آجاتے ہیں یہ کم از کم اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات دوسرے سے مختلف ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی؛ ان میں سے ہر ایک کی خاصیات دوسرے سے منفرد ہیں؛ جسم میں ضروریات اور خواہشات کا پیدا کرنا؛ اور ان کو پورا کرنے کی راہ نفس دکھاتا ہے اور انسان میں شعور و ادراک پیدا کرنا روح کا کام ہے؛ اور اس دنیا کی غذائیت سے لطف اندوز ہونا جسم کا کام ہے۔

### موت و حیات کی حقیقت:

انسانی موت اور حیات کی حقیقت بڑی عجیب ہے؛ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا؛ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے اندر سے نفس نکال لیتے ہیں جب اس کو موت دینا مقصود ہو، اور اگر نفس واپس بھیج دیں تو یہ نیند ہوتی ہے، جبکہ روح ابھی اسی کے اندر موجود رہتی ہے، لہذا انسانی موت و حیات کی نوعیت کچھ یوں بنتی ہے کہ اس میں شعور ہوتا ہے مگر اس کی موجودگی سے دنیا کے عارضی اسباب و لوازمات، میں استفادہ ممکن نہیں ہوتا اگرچہ شعور و ادراک اس میت میں مکمل طور پر موجود ہوتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات دنیا کے مقابلے میں وہ شعور و حیات زیادہ واضح اور عیاں ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ: المیت یعذب بئذاب بنکاء اہلہ (بخاری) یعنی میت کو اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے؛ اگر موت

انسان کو پتھر کی طرح بنا دے تو اس کو عذاب دیئے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں؛ اور ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں کفار کی میتوں کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اهل وجدتم ما وعد ربکم حقا، کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتا ہوا پایا لیا ہے؟

تو صحابہ کرامؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی کیا یہ آپ کی آواز سنتے ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیا ارشاد فرمایا کہ: ہم اسمع منکم یعنی وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ مراد یہ تھی کہ اب ان میں شعور اور احساس پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے تو ان کو کیوں نہ سنائی دے گا۔

### مخفی زندگی کی ایک اور مثال:

انسان کے کلام کی حقیقت یہ ہے کہ: اس کے کلام میں تین چیزیں یک بارگی استعمال ہوتی ہیں، پہلی: انسانی زبان سے استعمال ہونے والے الفاظ؛ دوسری: ان الفاظ کی تراکیب؛ اور تیسری: ان تراکیب میں استعمال ہونے والا نور یا ظلمت جو ایک انسان دوسرے انسان کے باطن میں منتقل (transfer) کرتا ہے؛ اور انسان کو اس بات کا اکثر احساس نہیں ہوتا اسی وجہ سے نیک لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے سے قلبی اطمینان اور دل میں سکون ہوتا ہے؛ اور بعض لوگوں کی بات سننے سے طبیعت میں ارتعاش (disutrbence) ہوتی ہے؛ اس نور و ظلمت کا دنیا میں پتہ نہیں چلتا؛ البتہ مرنے کے بعد اس کی حقیقت انسان پر کھل جاتی ہے؛ اسی طرف بات کی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (الفاطر) یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو سنا تا ہے مگر وہ از خود نہیں سن سکتے؛ وجہ یہ ہے کہ: انسان کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا غیبی نظام حرکت میں آ جاتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم اور مرضی کے تابع ہوتا ہے، کسی زندہ شخص کو اس کی حقیقت قطعاً معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اس ساری بحث کا عام قاری کی سمجھ میں آنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لئے اللہ

تعالیٰ نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ولکن لا تشعرون، یعنی تمہارے شعور کی رسائی وہاں تک نہیں؛ چونکہ عام آدمی کے شعور کی اس مقام تک رسائی کی نفی کی گئی ہے، عین ممکن ہے کوئی شخص اپنے شعور کو بلند کر لے تو اس کو مرنے کے بعد کی زندگی کچھ معلوم ہونے لگے؛ جیسا کہ بعض لوگ کشف القبور کے ذریعے بعض باتیں جاننے لگتے ہیں؛ مگر یہ قوت مقصودِ اصلی نہیں؛ اور اس کے حاصل کرنے اور اس کی تک و دو کرنے سے حاصل وصول کچھ نہیں ہوتا؛ اسی لئے قبر میں عذاب ہونا، انسانی روح کا اسی قبر میں لوٹایا جانا، اسی قبر کا انسان کی پسلیاں دبانا حق ہے۔

نوٹ: روح کو لوٹائے جانے سے مراد یہ ہے کہ: انسان کی موت کے ساتھ انسانی نظام میں تبدیلی کر دی گئی ہے؛ اور اب وہ دارالجزا میں چلا گیا ہے وہاں اس کو زندہ کیا جاتا ہے تاکہ باور کروایا جائے کہ دنیا میں کیا کرتا رہا اور اس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے، یہ مختصر بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس مترجم پر کھولا اور نہ اصل حقیقت اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس کا حقیقی علم مرنے کے بعد ہوگا۔

نوٹ: یہ مسئلہ فقہاء اور صوفیاء کے درمیان متنازع ہے کیونکہ فقہاء ظاہر نص کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں جبکہ صوفیاء کے ہاں ظاہر کے ساتھ اس کے باطن کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے؛ اس دنیا کے نزاع لفظی میں پڑنے کی بجائے اپنی آخرت کی تیاری میں محنت کرنی چاہئے جہاں کی کامیابی اصل کامیابی اور ناکامی اصل ناکامی ہے؛ اور اللہ سے ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ وہاں کی کامیابی سے سرفراز فرمائے اور ناکامی سے محفوظ فرمائے۔

## باب بست ویکم:

### عربی زبان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۴):

اللہ تعالیٰ کی وہ تمام صفات جو علمائے فارسی نے بیان کی ہیں جو ذات باری اور صفات عالی کے بارے میں ہیں ان تمام کا اپنی زبان سے اقرار کرنا درست ہے؛ سوائے یہ (دست) کو فارسی زبان میں استعمال کرنے کے لہذا (روئے خدا) کہنا درست ہے مگر اس میں بھی تشبیہ اور کسی کیفیت کا احتمال نہ ہوگا۔

عقیدہ نمبر (۱۰۵):

اللہ تعالیٰ کا کسی چیز سے قرب اور دوری، مسافت اور فاصلے کے لحاظ سے مراد لی جاتی ہے

عقیدہ نمبر (۱۰۶):

بلکہ اس سے مراد ذلت اور عزت یا قدر و منزلت ہوتی ہے۔ لہذا مطیع اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے؛ مگر یہ قرب بے کیفیت ہے؛ اور نافرمان اور گناہ گار شخص بلا کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے؛ اور مطیع کا قرب اور نافرمان کی دوری بلا کیفیت اور بلا تشبیہ ہوتی ہے؛ دنیا میں قریبی یا دوری کے معنوں میں مراد نہیں لی جاسکتی۔

عقیدہ نمبر (۱۰۷):

اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کا بعد اور کسی کی طرف متوجہ ہونا یہ مناجات کرنے والے پر وارد ہونے والی کیفیات میں سے ایک کیفیت کے انداز میں ہوتا ہے؛ اور اس میں اللہ تعالیٰ



کی ہمسائیگی، اور جنت میں اس کے سامنے ٹھہرنا بھی اللہ تعالیٰ کی بے کیفیت صفات میں سے ایک صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فارسی یا کسی اور زبان میں جو صفات ذکر کی گئی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اگر کسی صفت کے ذریعے ذاتِ باری تعالیٰ میں نقص وارد ہونا لازم آئے تو وہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے (۲) اس کے علاوہ تمام صفات جن سے ذاتِ باری تعالیٰ میں نقص اور عیب لازم نہ آتا ہو ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست ہوگی؛ جیسے فارسی زبان میں *ید اللہ* کا ترجمہ 'دستِ خدا' لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں؛ مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے، مگر یہ سامنا بلا تشبیہ اور بلا کیفیت ہوگا (دستِ خدا) یا (اللہ کا ہاتھ) وغیرہ جیسے کلمات اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔

## باب بست دوم:

# حقیقت قرآن اور آیات کی فضیلت کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۸):

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ پر نازل ہوا ہے، یہ وہی قرآن کریم ہے جو ایک صحف کی شکل میں لکھا گیا اور ہمارے سامنے موجود ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۹):

اور تمام قرآنی آیات کلام ہونے کے لحاظ سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں؛ اور عظمت و فضیلت کے لحاظ سے سب قرآنی آیات برابر ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۱۰):

اور ہاں: بعض آیات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر کے لحاظ سے فضیلت ہے؛ اور بعض آیات کو اس آیت میں ذکر کئے گئے مضمون کی وجہ سے فضیلت ہے۔

جیسے آیت الکرسی کی مثال ہے کیونکہ اس میں فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس میں ذات باری تعالیٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی وجہ سے فضیلت و عظمت ہے اور اس کی صفات کا اجمال ہے؛ اس لحاظ سے اس آیت میں دو فضیلتیں جمع ہو گئی ہیں ایک ذکر کی فضیلت اور دوسرا مذکور یعنی ذات باری تعالیٰ کی فضیلت۔

ورنہ عام آیات میں سے بعض میں صرف ذکر کی فضیلت ہوتی ہے اور مذکورہ شخصیت کی فضیلت بالکل نہیں ہوتی؛ مثال کے طور پر قرآن کریم میں بعض مقامات پر کفار کا تذکرہ ہے اس میں صرف ذکر کی فضیلت ہے وہ اس طرح کہ یہ آیت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر

فرمائی ہیں؛ اس میں مذکورہ شخصیت کو کوئی فضیلت اور مرتبہ نہیں کیونکہ وہ لوگ تو طبقہ کفار میں سے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۱۱):

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور اس کی تمام صفات، عظمت اور فضیلت میں برابر ہیں اور ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے؛ اور نہ ہی کسی میں کمتری یا برتری پائی جاتی ہے۔

نوٹ: اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کی وجہ سے تمام صفات ایک مقام و مرتبہ کی حامل ہیں البتہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے بعض کاموں میں بعض صفات کی فضیلت زیادہ ہے اور بعض کی کم ہوتی ہے۔

اسی طرح آیات قرآنیہ میں بھی بعض آیات کی فضیلت اپنے مذکورہ مضمون کے لحاظ سے کم ہے اور بعض کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے۔

## باب بست و سوم :

# رسول اللہ کے والدین اور اولاد کا بیان

عقیدہ نمبر ۱۱۲:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں نہیں بلکہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۱۳:

اور آپ کے چچا اور حضرت علی المرتضیٰ کے والد ابوطالب کی وفات کفر پر ہوئی ہے، اور انہوں نے آخر وقت تک ایمان قبول نہیں کیا تھا۔

عقیدہ نمبر (۱۱۴):

آپ کے قاسم، طاہر اور ابراہیم؛ رضوان اللہ علیہم بیٹے تھے۔

عقیدہ نمبر (۱۱۵):

اور حضرت فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم اور زینبؓ یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں۔  
نوٹ: یاد رہنا چاہئے کہ: امام صاحب سے فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر چھ مختلف متن ملتے ہیں؛  
(۱) ایک رائے یہ ہے کہ: والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے؛ اور اس رائے میں نہ تو کوئی شک ہے؛ اور نہ ہی اس پر کوئی ایسا اعتراض کہ اس کا جواب نہ ہو؛ کیونکہ آپ کی ولادت سے قبل جو لوگ فوت ہوئے اگر وہ اپنے قبیلے یا قوم کی طرف مبعوث کئے گئے نبی پر ایمان لائے تھے تو انہیں بلا کسی شک و شبہ مؤمن سمجھا جائے گا؛

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ: والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت فطرت پر ہوئی؛

فطرت کی وضاحت امام اعظم ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

۲۱: کل مولود یولد علی فطرة

خلق اللہ تعالیٰ الخلق سلیمان کفر و الایمان؛ ثم خاطبہم

وامرہم ونہاہم

یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اسلام اور کفر سے سالم پیدا کیا ہے، اور پھر ان کو

امر و نواہی کے احکامات دئے؛ تو گویا فطرت نام ہے کفر اور ایمان سے ورے ہونے کا۔

جب کہ اسلام بذات خود دین فطرت کا نام ہے، لہذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی

پر عمل کرے یا دین فطرت پر ہو تو وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس زمانے کے لئے

باقاعدہ کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تھا اور ہر قبیلہ اور قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا اس زمانے کے

لوگوں کا اسی پر ایمان لانا ان لوگوں کے ایمان دار ہونے کی دلیل تھی؛ جیسے کہ حدیث میں آتا

ہے: کل مولود یولد علی فطرة؛ یعنی ہر پیدا ہونے والا اس کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے

پھر ماحول، اس کا خاندان، اس کے رسم و رواج، اس کو ایک ڈگر پر چلاتے ہیں اور وہ اسی پر چل

نکتا ہے؛ اس ساری بات کے پیش نظر ان کے بارے میں اسلام کی رائے قابل قبول اور

قابل عمل ہے۔

(۱): وفي النسخة ” ووالدا رسول اللہ ماتا علی الفطرة“

والفطرة هو السلامة من الشر والاستعداد للخير؛ فمعناه مات

علی الاسلام كما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مولود

یولد علی فطرة الاسلام والنسبة بین الایمان والاسلام عموم

وخصوص من وجه، و ابوکم ابراہیم ہو سماکم المسلمین من

قبل وفي هذا. و ابوہما صلی اللہ علیہ وسلم كانوا مؤمنین علی

دین الحنیف وهو غیر المنسوخ حتی اتی دین النبی فی اخر

الزمان.

(۳) تیسری رائے یہ کہ والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کفر پر ہوئی۔  
اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ: جس نسخہ کی یہ عبارت ہے اس میں تحریف ہوئی ہے  
؛ جیسا کہ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

وما فی الفقه من ان والدیہ ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام  
یہ جو مسئلہ کہ فقہ اکبر میں ہے حضور کے والدین کی موت کفر پر ہوئی ہے یہ متن میں  
تحریف ہے جب کہ اصل عبارت اور طرح ہے۔

شیخ ابراہیم قوتلانی اپنے مقالے (الامام علی القاری) میں نقل کرتے ہیں:

وانی بحمد اللہ رأیت لفظ 'مَامَاتَا' فی نسختین بدار الکتب  
المصریة قديمین وعلی القاری بنی شرحه علی النسخة  
الخاطئة

میں نے الحمد للہ دارالکتب مصریہ میں دو نسخے دیکھے جن میں (ماماتا) کے الفاظ تھے؛ اور  
یہ تحریف کا قصہ یوں ہوا کہ شیخ مرتضیٰ الزبیدی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد احمد بن  
مصطفیٰ الحلبی کے ہاتھ سے فقہ اکبر کے اس مقام پر لکھا ہوا دیکھا:

ان الناسخ لما رأی تکرر ما فی ماماتا ظن ان احدهما زائدة

فحذها فذاعت نسخة الخاطئة

یعنی لکھنے والے نے [مَامَاتَا] کے دو [ما] دیکھ کر اندازہ لگایا کہ ایک [ما] زائد ہے لہذا  
اس نے ایک [ما] حذف کر دیا اور یہ غلطی والا نسخہ دنیا میں پھیل گیا؛ ملا علی القاری اور دوسرے  
شارحین نے نسخوں کی تصحیح میں زیادہ محنت نہیں کی جس سے یہ نسخہ عام ہو گیا؛  
اور اس کو تسلیم کرتے ہوئے ملا علی القاری نے شرح فقہ اکبر میں نسخہ زید کا متن اسی طرح  
نقل فرمایا ہے کہ:

والدارسول الله ماتا علی الایمان

مگر اس مقام پر انہوں نے ترجیح اسی بات کو دی کہ آپ کی فوتگی کفر پر ہوئی؛ جب بعد میں مسئلہ ان کے لئے واضح ہوا تو اپنی آخری تصنیف شرح الشفاء میں آپ خود فرماتے ہیں:

و ابوطالب لم یصح اسلامہ ؛ و ابویہ ففیہ اقوال ؛ و الا صح

اسلامہما علی ما اتفق علیہ الاجلۃ من الامۃ

والدین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤمن ہونے میں متعدد اقوال ہیں؛ مگر صحیح ترین رائے یہ ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی ہے اور امت کے جلیل القدر آئمہ کی رائے بھی یہی ہے؛ اور جب ملا علی القاری کا پہلا موقوف تھا تو انہوں نے اپنے موقوف کی تائید میں ایک رسالہ [أدلة معتقد أبي حنيفة الامام في ابوی الرسول علیہ السلام] بھی لکھا مگر بعد میں حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد اپنا موقوف بدل لیا؛ اور شرح الشفاء میں اس کی وضاحت بھی لکھ دی؛ اور بالفرض والحال اگر ملا علی کی کفر والی رائے کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے ان کی مراد کفر لغوی ہوگا یعنی اپنے زمانہ نبوت نہیں پایا اور یوں اسلام عرفی معنوں میں آپ پر صادق نہیں آتا اور آپ ویسے مسلمان نہیں ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایمان لانے والے تھے۔ جب کہ حق بات وہ ہے جو متن میں مذکور ہوئی کہ آپ کے والدین کی وفات ایمان پر ہوئی؛ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب الشفاء عن والدی المصطفیٰ میں دیکھی جاسکتی ہے

نوٹ: اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل التشیع حضرات کی کتب متفق ہیں مگر اہل تشیع سیدہ فاطمہ کے علاوہ ساری اولاد کو نبوت سے پہلے کی اولاد مانتے ہیں اور اسی کو سب اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ فضیلت قرار دیتے ہیں۔ جب کہ اصل حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ فاطمہؑ کے والد اور ام کلثومؑ، رقیہؑ اور زینبؑ کے والد ہونے میں تو شک نہیں اور آپ کا اعلان نبوت تو چالیس برس کی عمر میں ہوا؛ جبکہ آپ تو اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كنت نبياً و آدم منجدل بين الماء و الطين

یعنی جب آدم پانی اور مٹی کی شکل میں تھے میں اس وقت بھی نبی تھا؛ لہذا: وقتی تخصیص یا فضیلت سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہے؛ البتہ حضرات شیعہ کے ہاں دوسری وجہ فضیلت فاطمہؑ کا علیؑ سے نکاح ہونا ہے؛ چونکہ ان کے نزدیک سارے صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر اصل فضیلت حضرت علیؑ کی ہے؛ اسی طرح انہوں نے اصل فضیلت کو فاطمہؑ کے اندر بند کر دیا اور ان فضیلتوں کی وجہ سے دوسروں سے ان کا رک دیا؛ اور یہ ان کی کم ہمتی ہے ورنہ کسی کو تو کسی ایک وقت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جھگڑا سرے سے نہیں رہے گا۔



## باب بست و چہارم:

### عقائد میں تفویض کا راستہ اختیار کرنے کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۱۶):

اگر کسی شخص پر علم تو حید یا علم عقائد کی باریکیوں میں سے کوئی بات سمجھنا مشکل ہو جائے؛ یا کوئی اور مسئلہ جیسے صفات باری کا مسئلہ سمجھ نہ آ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ فی الحال جو بات درست طریقے سے سمجھ میں آتی ہو اس کو مان لے؛ اور یہ عقیدہ رکھے کہ: جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح اور درست ہے اس پر میرا ایمان ہے؛ اور وہی عقیدہ ہے اور بعد میں جب کوئی ایسا عالم ملے جو اس کی تسلی و تفسیح کر سکتا ہو تو اس سے پوچھ کر اپنی رائے درست کر لے۔

عقیدہ نمبر (۱۱۷):

اس مسئلہ کے معلوم کرنے میں ہرگز دیر کرنا درست نہیں ہے؛ اور اگر کوئی شخص اس پر توقف اختیار کر لے تو اس کا یہ عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہ ہوگا؛ اور اس عقائد کے مسئلہ پر توقف کر لینے سے شریعت اسلامیہ میں اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے۔

نوٹ: ہاں! شرعی مسائل کی مندرجہ ذیل صورتوں میں توقف اختیار کرنا درست ہے

(۱) اگر کسی مسئلہ میں جانبین کے دلائل برابر ہوں

(۲) کسی مسئلہ کا درست جواب معلوم نہ ہو سکتا ہو

(۳) یہ کہ: وہ مسائل اصول سے تعلق رکھتے ہوں؛ ان مسائل کے جواب میں فوری

طور پر یہ کہنا چاہئے کہ: جیسے اللہ کے ہاں درست بات ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں؛ مگر

جیسے ہی کوئی درست بتانے والا عالم ملے اس سے پوچھ کر اپنی تصحیح کر لینی جانی چاہئے؛ جیسا

کہ خود امام صاحب سے بارہ مسائل میں توقف ثابت ہے؛ اور کسی نے ان مسائل میں سے

بعض کو نظم کرتے ہوئے یوں کہا ہے:

من قال لا ادري عالم يدريه فقد اقتدى في الفقه بالنعمان

في الدهر والخنثى كذاك جوابه ومحل اطفال ووقت ختانه

اور ایک دوسرے امام نے ان مسائل کو یوں لکھا

وورعاً للامام الاعظم النعمان سبب التوقف في جواب عان

سور الحمار ؛ بفاضل جلاله ؛ وثواب جنى على الايمان ؛

والدهر ؛ والكلب المعلم ؛ ثم مع ذرية الكفا ؛ ووقت ختان

یعنی جو شخص ایسی بات میں لا ادری کہے جس کو وہ نہیں جانتا تو وہ فقہ میں امام اعظم کی

اقتدا کر رہا ہے؛ کیونکہ انہوں نے بھی کئی مسائل کا جواب دینے کی بجائے توقف اختیار کیا

(۱) یعنی اگر کوئی یہ بات کرے کہ میں اتنے دہر میں فلاں سے بات نہ کروں گا تو اس

دہر سے کتنا زمانہ مراد ہے؟

(۲) خنثی مشکل: یعنی ایسا ہیجڑا جو اپنی دونوں شرم گاہوں سے برابر پیشاب کرے اس

کو وراثت کے مسائل میں آدمی جانا جائے یا عورت کا حکم لگا کر وراثت کا حق دار قرار دیا جائے؟

(۳) کفار اور مشرکین کے فوت شدہ نابالغ بچوں کے بارے میں کیا رائے رکھی جائے

کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں،

اس مسئلہ پر بعد میں امام نے اپنی رائے تبدیل فرمائی تھی؛ اور فرمایا یہ بچے جنت کے

غلمان ہوں گے؟

(۴) ختنہ کس عمر تک کر سکتے ہیں؟

دوسرے شعر میں کچھ مسائل تو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں اور باقی مسائل کی

تفصیل یہ ہے؟

(۵) آیا گدھے کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک؟

- (۶) گندگی کھانے والی مرغی کتنے دن بند رکھنے سے پاک سمجھی جائیگی؟
- (۷) جنات کے ایمان لانے سے ان کو ثواب ہوگا یا نہیں ہوگا؟
- (۸) کلب معلم یعنی سکھلایا ہوا کتا کس کو سمجھا جائے؟
- اور کچھ مسائل جو اسکے علاوہ ہیں، اور بعض ائمہ نے انکو ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل ہیں؛
- (۹) فرشتے انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں؟
- (۱۰) والدین مصطفیٰ ایمان پر فوت ہوئے یا کفر پر؟ اس کی وضاحت متن فقہ اکبر میں کردی گئی ہے اور تفصیل کے لئے وہاں دیکھنا چاہئے؛
- (۱۱) یزید بن معاویہ کو برا کہنا چاہئے، یا اچھا؟
- (۱۲) اگر کوئی شخص ایسا کلمہ کفر بولتا ہو جس کی تنانوے توجیہات کفر کی اور ایک توجیہ ایمان کی ہو اس پر کفر کا فیصلہ دینا چاہئے یا نہیں؟

## باب بست و پنجم:

### معراج نبوی کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۱۸):

معراج کی خبر جس نے دی اور جس سے ہم تک پہنچی ہم اس کے تصدیق کرتے ہیں؛ یہ واقعہ حقیق اور سچ ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

نوٹ: سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسمانی تھا یا روحانی؟ بعض آئمہ اس کے روحانی ہونے کے قائل ہیں؛ مگر حق اور صریح بات یہ ہے: معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی تھا؛ ورنہ روحانی معراج تو کئی انبیاء اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار ہوا ہے؛ اور آپ کا خاصہ معراج جسمانی ہے یعنی آپ نے اپنے جسم اطہر سمیت ساتوں زمین اور ساتوں آسمانوں اور پھر جنت اور دوزخ کو دیکھا اور اپنے اللہ سے ہم کلام ہوئے اس کا نام معراج ہے

مسئلہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اطہر سمیت بھی چونکہ اس قدر زیادہ احادیث میں مذکور ہے جو درجہ تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں اس لئے امام اعظم نے اس کو بھی علم عقائد کے اساسی مسائل میں ذکر فرمایا ہے۔

## باب بست و ششم:

# علامات قیامت و نزول مسیح علیہ السلام

عقیدہ نمبر ۱۱۹: دجال کا مشرق سے نکلنا، حق اور سچ ہے  
 عقیدہ نمبر ۱۲۰: اور یا جوج ما جوج کا نکلنا یا ظاہر ہونا؛ حق اور سچ ہے۔  
 عقیدہ نمبر ۱۲۱: اور مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہونا یہ سب حق اور سچ ہے  
 عقیدہ نمبر ۱۲۲: حضرت مسیح علیہ السلام کا قیامت کے قریب آسمان سے اترنا؛ حق اور سچ ہے  
 عقیدہ نمبر ۱۲۳: اور دیگر تمام علامات قیامت جو صحیح احادیث میں وارد ہونے سے معلوم ہیں  
 حق اور سچ ہیں؛ اور وہ سب قیامت سے پہلے یقیناً واقع ہو کر رہیں گی؛  
 عقیدہ نمبر ۱۲۴: اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف  
 ہدایت دیتا ہے اور توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے  
 پہلی بحث حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں:

اس بحث کو مسئلے کی وضاحت کی غرض سے تین حصوں میں بیان کیا جائے گا

پہلا حصہ قرآن کریم میں حیات مسیح:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة

يكون عليهم شهيدا (النساء: ۱۵۹)

اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان نہ

لائے اور وہ قیامت کے دن ان کے گواہ بن کر پیش ہوں گے۔

دوسرا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں چالیس اصحاب نبی سے زیادہ افراد نے روایات نقل فرمائی ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:

لينزلن ابن مريم فيكم حكما عدلا فيقتلن الدجال وليقتلن  
الخنزير وليكسرن الصليب وتكون سجدة واحدة لله رب  
العالمين

یقیناً تم میں ابن مریمؑ ایسے حاکم بن کر نازل ہوں گے جو عدل کو عام کر دیں گے دجال کو قتل کر دیں گے خنزیر کے انسانی استعمال کا خاتمہ ہو جائے گا اور صلیب کی پرستش چھوڑ دی جائے گی اور پوری دنیا میں صرف ایک اللہ رب العالمین کے لئے سجدہ کیا جانے لگے گا۔

تیسرا حصہ حضرت مسیح کے بارے میں اجماع الامہ:

امام ابن حبان نے فرمایا:

واجمعت الامة على ما تضمنه الاحاديث المتواتر من ان عيسى

في السماء حيٌّ وانه ينزل في آخر الزمان (تفسير بحر المحيط)

اس بات پر امت کا اجماع ہے اور احادیث متواترہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں آسمانوں میں ہیں اور آخر زمانہ میں آپ کا نزول ہوگا۔ اور صاحب جامع البیان کا فرمان:

والاجماع على انه حي في السماء ، وينزل ، ويقتل الدجال ،

ويؤيد الدين

اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت مسیح آسمانوں میں زندہ ہیں اور آپ نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور دین کی تائید فرمائیں گے

# پانچواں حصہ

اُردو ترجمہ

## الفقہ الابسٹ

تالیف:

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ

راوی و مسائل

ابو مطیع حکم بن عبداللہ تعالیٰ بلخوی

ولادت: ۱۱۵ھ.....وفات: ۱۹۹ھ

معہ حواشی مفیدہ

الشیخ علامہ زاہد الکوثری

ترجمہ و تشریح

مفتی رشید احمد العلوی





## مقدمہ مترجم

تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جو تعریفوں کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ تعریفیں اسی ذات بے مثل سے شروع ہو کر اسی پر منتہی ہو جاتی ہیں؛ اور بے شمار رحمتیں اور برکتیں اس کی طرف سے بھیجے گئے آخری رسول کے لئے مختص ہو کر اہل دنیا کے لئے آرام اور راحت کا باعث ہوں، جو اس عارضی دنیا میں امن و آشتی کا دائمی پیغام لے کر عارضی قیام کے لئے وارد ہوئے؛ مگر اہل دنیا کو دائمی مسرتوں، خوشیوں، لذتوں کا ہر وہ بنا گئے، اور آپ کی پاکباز روز قیامت تک جاری رہنے والی آل دنیا اور اہل دنیا کے لئے چراغ ہدایت آپ کے اصحاب کرام؛ دنیاوی زیب و زینت کا باعث آپ کے اہل بیت؛ اور آپ کی نجی زندگی کے امین اور عام لوگوں کے لئے زندگی میں تعلیم و تعلم کے گلہائے گوہر فشاں امہات المؤمنین، نور نبوت کی پوری کائنات میں بکھری ہوئی کرنوں کو اپنے دامن میں سمیٹے اہل دنیا کی نئے انداز سے شیرازہ بندی کرنے والے ائمہ مجتہدین؛ اور ان میں خاص اور اماموں کے سردار مقام اجتہاد میں اولیٰ اور مصداق بشارت سید المرسلین حضرت امام الائمة سراج الامة ابوحنیفہ نعمان بن الثابت الکوئی الکابلی، جن کی ہر رائے کتاب اللہ تعالیٰ و سنت نبویہ علیہ التحیۃ والثناء کے منوال پر پوری اتری ہوئی ہے؛ اور قیامت تک اخلاص کے ساتھ آپ کی اتباع کرنے والوں پر لا تعداد رحمتیں اس ذات کی طرف سے نازل ہوں؛ جس کے خزانوں میں اس ساری تقسیم کے بعد بھی رائی کے دانے برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ اپنے زمانے کے امام الائمہ، اور حدیث نبوی کے مطابق سراج الائمہ تھے؛ آپ کی تصانیف کی تعداد تو تیس سے زیادہ ہے مگر امام صاحب سے نقل کی گئی کتاب ﴿الفقہ الاکبر﴾ کے دنیا میں کئی نسخے پائے گئے ہیں؛ بنیادی طور پر اس نام کی دو مختلف کتابیں ہیں: مندرجہ ذیل میں امام اعظم کے شاگرد ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کا نقل

کردہ نسخہ کئی راویوں کے ذریعے منقول ہے؛ اور ان نسخوں میں قدرے اختلاف بھی ہے؛ لہذا متعدد نسخوں کو سامنے رکھ کر اس نسخے کی تکمیل کی کوشش کی گئی ہے؛ اس میں اگر کوئی اچھائی ہے تو اس نسخہ کے اصل مصنف حضرت امام اعظم، یا محض اللہ تعالیٰ کے دائمی فضل کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی کمی یا نقص دیکھنے کو ملے تو بلا کسی بحث و تکرار اس کا ذمے دار یہ عاجز ہے؛

عَاذَنَا اللَّهُ جَلَّ وَعَلَا مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسَانَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا حَتَّى  
نَرَى رَبَّنَا وَهُوَ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِينُ وَآخِرُ دَعْوَانَا إِنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ  
الْعَالَمِينَ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد  
وآله وصحبه اجمعين

یہ نسخہ سعید یہ ہے جو اس سے قبل حیدرآباد ہندوستان سے مولانا علامہ المحقق ابو اوفاء  
رئیس جمعیت احیاء المعارف العثمانیہ کی تحقیق سے طبع ہوا تھا  
سند اول: شیخ زاہد الکوثری فرماتے ہیں کہ؛ الفقہ الاہلبط کو ابو بکر محمد بن محمد الکاسانی سے روایت  
کیا ہے انہوں نے ابو بکر علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی سے انہوں نے ابو معین میمون بن محمد  
مکحول نسفی سے انہوں نے ابو زکریا یحییٰ بن مطرف نے نصر بن یحییٰ سے اور انہوں نے حکم  
بن عبداللہ البلیخی سے روایت کیا ہے؛

جبکہ متن میں مطبوعہ سند یوں ہے کہ ابو المعین میمون بن محمد بن معتمد مکحول النسفی کو؛  
ابو عبد اللہ حسین بن حسین الکاشری نے (جو الفضل کے لقب سے معروف ہیں) انکو: ابو  
مالک نصران بن نصرتم الختلی نے ان کو ابو حسین علی بن حسین بن محمد غزالی نے بیان کیا  
؛ اور انہوں نے ابو حسین احمد بن موسیٰ فارسی سے؛ اور انہوں نے نصر بن یحییٰ فقیہ سے؛ اور  
انہوں نے ابو مطیع حکم بن عبداللہ البلیخی سے سنا کہ: وہ فرماتے ہیں

سند دوم: مصطفیٰ (۱۲۱۹ھ) عاشر سے منقول فقہ اکبر کے نسخے پر سند یوں منقول ہے:

یہ منقول ہے حسین بن محمد بن حسین میسی بصری سے، انہوں نے باو طاہر محمد بن ابراہیم

کورنی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے خیر الدین زملی سے انہوں نے محمد بن سراج  
 عمر حانوتی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے محبت محمد جرباش سے انہوں نے ابوالخیر  
 محمد بن محمد رومی سے انہوں نے ابوالفتح محمد بن محمد حریری سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں  
 نے قوام اتقانی سے انہوں نے حسین سغناقی سے انہوں نے محمد بن محمد بن نصر بخاری سے  
 انہوں نے شمس الائمہ کردری سے انہوں نے صاحب ہدایہ سے انہوں نے ضیاء یرسوخی سے  
 انہوں نے علاء سمرقندی سے انہوں نے ابو معین نسفی سے انہوں نے حسین بن علی کاشغری  
 سے انہوں نے نصران بن نصر ختلی سے انہوں نے علی بن حسین بن محمد غزال سے انہوں نے  
 علی بن احمد فارسی سے انہوں نے نصیر بن یحییٰ سے انہوں نے ابو مطیع بلخی سے انہوں نے امام  
 اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت کی ہے

سند سوم: اور شیخ الاسلام سے عالم و متعلم پر ایک سند اور مذکور ہے جو ابو معین بن محمد نسفی اسی  
 سند کے ساتھ اپنے والد سے اور انہوں نے عبدالکریم بن موسیٰ بزدوی سے انہوں نے ابو  
 منصور ماتریدی سے انہوں نے احمد بن اسحاق جوزجانی سے انہوں نے ابو سلیمان جوزجانی  
 سے انہوں نے محمد بن مقاتل رازی سے اور آخری دونوں نے ابو مطیع بلخی اور عصام بن  
 یوسف سے ان دونوں نے ابو مقاتل سے انہوں نے امام اعظم سے روایت نقل کی ہے:

## باب اول :

# علم فقہ کی اہمیت و عظمت کا بیان

(۱) ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں:

میں نے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے پوچھا کہ فقہ اکبر کا مطلب کیا ہے اور یہ کس فن کو کہتے ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں خواہ وہ ابتداء ہوں یا انتہاء؛ ظاہراً ہوں یا باطناً اور توحید کے لحاظ سے ہوں یا بزرگی و عظمت کے لحاظ سے، اور عقیدہ کے لحاظ سے یا حقیقت کے لحاظ سے؛ یا تشریحی اصولوں کے لحاظ سے ہوں، یہ سب کی سب تعریفیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہیں۔

اور تمام تعریفیں اسی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بندوں کے تصور و خیال سے بھی پہلے تعریفات کا مستحق ہے اور درود و سلام ہوں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر۔

اور فرمایا: فقہ اکبر اس کو کہتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کسی شخص کو کافر نہ کہا جائیگا؛ اور نہ ہی ارتکاب گناہ کی وجہ سے کسی شخص کے ایمان کی اس سے نفی کی جائے گی۔

اور یہ کہ اچھے کاموں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنے کو لازم پکڑا جائے۔

اور اس بات پر یقین رکھا جائے کہ اگر کسی شخص کے مقدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پہنچنا ہے وہ چوک نہیں سکتا (غلط نہیں ہو سکتا) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کر دیا جائے وہ کبھی بندے کو نہیں مل سکتا۔

اور ہم اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی سے بھی برائت کا اعلان نہیں کرتے اور ان سے دل و جان سے راضی ہیں اور نہ ہی ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے۔  
 اور ہم حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں کیونکہ وہی ذات ہے جو مخفی اور پوشیدہ احوال کو جانتی ہے۔  
 شیخ کوثری فرماتے ہیں یہاں فقہ سے مراد ایسا علم ہے جس کو علم عقائد کہتے ہیں اور وہ عقائد کی تصحیح کا ذریعہ بنے جو ایسا علم ہوگا وہ امام اعظم کے نزدیک افضل فقہ قرار دیا جائے گا، ورنہ فقہ سے مراد امام اعظم کے نزدیک ایسا علم ہے جو پورے عقائد، سارے عمل اور اخلاقیات تینوں کو شامل ہوتا ہے، اسی لئے توفیق کی تعریف بہت خوبصورت پیرائے میں یوں فرمائی ہے۔

هو معرفة النفس مالها وما عليها  
 علم فقہ نفس اور لوازمات نفس کے تقاضوں کا نام ہے۔

## باب دوم:

# فقاہت اور دانائی اور اس کی حقیقت

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ فقہ اور دانائی دو طرح کی ہوتی ہے

(۱) دینی معاملات میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا۔

(۲) احکام شرعیہ فرعیہ میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا۔

اور ان میں اول الذکر زیادہ نفع بخش اور سود مند ہے کیونکہ اس سے آدمی یہ جان لیتا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کیسے کرے اور اس کا قرب کیسے حاصل کرے، جب کہ شریعت کا علم زیادہ حاصل کرنے سے صرف زیادہ معلومات جمع ہو سکتی ہیں۔

(۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ یہ فرمائیں سب سے زیادہ نفع مند فقاہت و دانائی کس کو کہتے ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

دانائی اور فقاہت کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ انسان صاحب ایمان (fatheful) ہو اور عالم بالا ایمان بھی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ شریعت کا لازمی اور بقدر ضرورت علم بھی رکھتا ہو، اور اس کی شرعی حدود سے مکمل آگاہی بھی ہو (جس سے حلال حرام، جائز ناجائز، پاک اور ناپاک سے آگاہ ہو جائے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے جو راہ سنت متعین کی ہے اس سے بھی آگاہ ہو، تاکہ اس کو دین کی پیروی کرنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے اور ہر تنبیح دین کو دین کی حدود اور نبی علیہ السلام کا سنت طریقہ معلوم ہو سکے؛

اور سب سے اہم بات یہ کہ آئمہ امت کے اختلافی مسائل کا علم بھی اس کو ہوتا ہے کہ کسی نئے پیش آمدہ حالات میں ان مسائل سے صحیح رہنمائی حاصل کی جاسکے اور ان کے آپس میں اختلافات کی وجہ سے ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی سے بچا جاسکے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے:

### اختلاف الامۃ رحمة

امت کا مسائل دینیہ میں آپس کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب ہوتا ہے۔  
حضرت امام اعظم نے فقہت کی عظمت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کے ساتھ حج بیت اللہ کیا جب کہ میری عمر سولہ سال کی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر دس سال کی تھی۔  
جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور میں نے ایک بہت بڑا لوگوں کا حلقہ دیکھا، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میں نے ایک شیخ کو دیکھا جس کے پاس بہت سارے لوگ جمع تھے۔

میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ شیخ کون ہیں یا یہ کس کا حلقہ علمی ہے؟  
انہوں نے فرمایا: یہ ایک ایسے شخص کا علمی حلقہ ہے جو صحابی رسول کے شرف سے بار یاب ہیں اور ان کا اسم گرامی عبد اللہ بن حارث بن جزء زبیدی ہے  
میں نے پوچھا: ان کے پاس کونسا علم ہے؟  
انہوں نے جواب دیا کہ نبی علیہ السلام کی وہ احادیث ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہوئی ہیں۔

میں نے اپنے والد سے کہا مجھے بھی ان کے قریب کر دیں تاکہ میں بھی ان سے وہ احادیث سن لوں؟

میرے والد نے مجھے صحابی رسول کے قریب کرنا شروع کیا اور درمیان میں جو لوگ

آتے تھے انکو ہٹاتے جاتے تھے یہاں تک کہ میں ان کے بالکل قریب ہو گیا۔  
جب میں ان کے قریب ہوا تو میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اور ایک روایت میں  
یوں ہے کہ میں نے ان سے بنا۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ کے دین میں فقہت حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے غموں میں اس کے  
لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اس کو وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں  
ہوتا۔ جامع المسانید



## ایمان کی حقیقت اور اس کی علامات

(۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ مجھے ایمان کی اہمیت کے بارے میں کچھ بتائیے؟

امام اعظم نے فرمایا:

حدیث اول:

مجھے علقمہ نے یحییٰ بن یعمر سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ میں نے ایک بار حضرت

ابن عمرؓ سے کہا تھا:

مجھے دین کے بارے میں بتائیں اس کی کیا حقیقت ہے؟

ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ پر ایمان سے متعلقہ ضروری باتیں سیکھنا لازم ہے اور جب تم

انکو سیکھ لو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ دین اور ایمان کی کیا حقیقت ہے یا ایمان کی اصل کیا

چیزیں ہیں؟

یحییٰ ابن یعمر فرماتے ہیں میں نے پوچھا ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے اس کا جواب دینے سے پہلے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک

عمر رسیدہ بزرگ آدمی کے پاس لے گئے اور مجھے ان کی ایک طرف بٹھا دیا۔

اور وہ ان سے کہنے لگے کہ یہ شخص ایمان کی حقیقت کے بارے میں دریافت کرنا

چاہتا ہے؟

حضرت ابن عمرؓ نے بتایا کہ: یہ شیخ بھی شرکائے غزوہ بدر میں سے تھے اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی ایک جانب میں تھا اور یہ بزرگ دوسری جانب میرے ساتھ تھے؟

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہمارے پاس ایک ایسا شخص داخل ہوا جس کے خوبصورت لمبے بال؛ سر پر عمامہ باندھے ہوئے تھا، ہم یہ سوچ رہے تھے کہ وہ اجنبی شخص کسی دیہات سے آیا ہوگا کیونکہ اس کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا، وہ لوگوں کے کندھے پھلانگتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا بیٹھا اور کہنے لگا:

نو وارد: یا رسول اللہ ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

حضور: ایمان اس بات کا نام ہے کہ بندہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں؛ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؛ اور تمام ملائکہ پر ایمان لانا؛ اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں؛ اس کی طرف سے بھیجے گئے رسولوں؛ اور ہر نیک و بد کے فیصلے کیلئے آخرت کے دن پر؛ اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان لانا؛

نو وارد: آپ نے سچ فرمایا!

ابن عمر: ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے جیسے یہ سب کچھ جانتا ہے؛

نو وارد: اسلام کی نشانیاں اور اس کے لوازمات کیا ہیں؟

حضور: نے ارشاد فرمایا کہ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اور غسل جنابت کرنا۔

ابن عمر: اس نو وارد نے پھر اس کی تصدیق کی جس کی وجہ سے ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے؛ گویا آپ کو تعلیم دے رہا ہے۔

نو وارد: احسان کیا چیز ہے؟

حضور: احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے عمل (اور ایک روایت کے مطابق

عبادت) ایسے کیا کر جیسے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر ایسے نہیں ہو سکتا تو اس کی عبادت ایسے کیا کر جیسے وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

نو وارد: آپ نے سچ کہا ہے؛ اچھا اب آپ یہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟  
حضور: نے فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔

ابن عمر: اس کے بعد وہ شخص اٹھا اور چلا گیا؛  
جب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں وہ کون شخص ہے لیکن اتنے میں ہی وہ شخص غائب ہو چکا تھا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرف چلا گیا ہے؟  
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی کہ اس نو وارد کے بارے میں تجسس کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ جبریلؑ تھے جو تمہارے لئے دین کے بنیادی ارکان سکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے تھے؛

(۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جو شخص اس بات پر مکمل یقین رکھتا ہو اور ایمانیات کی ان تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو، تو کیا وہ شخص مؤمن کہلائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

ہاں جب کوئی شخص اسلام کے تمام ارکان کو ماننا ہو، اور اس کی تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو تو وہ پکا مؤمن ہے؛

تخریج حدیث اول: حدیث اول بہت سارے محدثین نے نقل فرمائی ہے اور سب میں الفاظ کا تھوڑا بہت فرق ضرور ہے البتہ مفہوم سب کا ایک جیسا ہے۔

اس حدیث کو امام خوارزمی نے اس سند سے نقل کیا ہے، عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اور یہاں متن میں امام ابو حنیفہ براہ راست علقمہ سے اور وہ یحییٰ بن یعمر سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو بخاری نے اور احمد

نے ابن عمر سے۔ طبرانی نے کبیر میں، بیہقی نے حیاة الانبیاء میں اصفہانی نے ترغیب میں، دیلمی نے فردوس میں، محمد نے آثار میں، حاکمی نے مسند میں، بخاری اور بزار نے انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے۔ مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ نے کبیر سے روایت نقل کی ہے اور امام نے جامع المسانید میں سعید بن منصور نے طبرانی، ترمذی، ابو نعیم نے الحلیہ میں، نسائی نے سنن کبریٰ میں ابی یعلیٰ نے مسند میں، احمد نے تعظیم قدر الصلوٰۃ میں تاریخ و اوسط میں حلیۃ الاولیاء میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

نوٹ: احسان کو قرآن کریم میں تزکیہ؛ احادیث میں زہد؛ یا اخلاص اور ائمہ تصوف اسی کو تصوف کہتے ہیں؛ اور اس کا نتیجہ یا اثر جو انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتا ہے وہ حدیث مذکورہ میں پتہ چلتا ہے کہ اس سے دنیا میں انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آخرت میں رویت باری حاصل ہوتی ہے؛ شیخ کوثری کو کہنا ہے کہ اس حدیث جبریل کے متعدد طرق جو معمولی الفاظ کے فرق سے امام اعظم سے ان کی مسانید وغیرہ میں منقول ہیں۔

نوٹ: امام ابو مطیع کی طرف سے کئے گئے سوال کے جواب سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایمان کے صرف دو ارکان ہیں (۱) زبان سے اقرار کرنا (۲) اور دل سے تصدیق سے کرنا۔ اور ضروری ہے کہ یہ دونوں چیزیں یک بارگی اور اکٹھی ہوں، ان کی تقدیم و تاخیر یا ایک کی عدم موجودگی اور دوسری کی موجودگی ایمان کی صحیح کو معنوں میں موجودگی میں خلل کا باعث ہوگی؛ اور رہا یہ مسئلہ کہ عمل ایمان کا حصہ ہے یا نہیں اس میں اہل السنن میں اختلاف ہے اس بارے میں حضرت امام صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ عمل کو ایمان کا جزو نہیں مانتے اور یہی رائے اہل السنن ماترید یہ کی ہے اور یہی حق ہے۔

## باب چہارم:

### عقائد سے لاعلمی، جہالت یا

### اس میں شک، تاویل کا قائل ہونا

(۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص ایمانیات کی کسی چیز کا انکار کرے یا کسی چیز کے بنانے والے کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہے کہ میں نہیں جانتا اس کا خالق کون ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اللہ خالق کل شیء (الزمر: ۶۱)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والے ہیں

اور اس شخص کی لاعلمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے اور یہ بات صریحاً کفر ہے؛ اور اس طرح کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کی گئی باتوں کا انکار کر رہا ہے، جیسا کہ سورۃ زمر کے حوالے سے اوپر ایک آیت مذکور ہوئی ہے۔

اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو یہ بات کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر نماز، روزہ اور زکوٰۃ، فرض کی ہیں؟ وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں بیان کر دئے گئے ہیں، اور کسی بھی ایسے منصوص عمل کا انکار کرنا کفر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ (الحج: ۷۷)

تم سب لوگ نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہا کرو

اللہ تعالیٰ کا رمضان کے روزوں کے بارے میں ارشاد ہے:

کتب علیکم الصیام (البقرہ: ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سب لوگوں پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون و لہ الحمد فی

السّمواتِ و الارضِ و عشیّاً و حین تظہرون (الروم: ۱۷)

تو تم اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کرو جب شام کا وقت ہو اور صبح کا وقت ہو، اور اسی کے

لئے ساری حمد ہوتی ہے تمام آسمانوں اور تمام زمینوں میں، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہوتی

ہیں جب شام کا وقت ہوتا ہے اور جب دوپہر ہوتی ہے

اور جو شخص پانچ نمازوں کے فرض ہونے (۱) میں شک کرنے کی بناء پر ان کا کر رہا ہے

اس لئے وہ کافر ہے۔

(۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان مذکورہ آیات پر تو کامل ایمان رکھتا ہوں مگر اس کی

تفسیر اور تاویل کو اچھی طرح نہیں جانتا، تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ ان آیات کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل

ہونے پر ایمان رکھتا ہے اگرچہ وہ ان کی تاویل اور تفسیر میں غلطی کرنے والا ہے۔

(۱) نوٹ: پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن کریم میں اگرچہ صراحتاً اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا مگر

مختلف آیات میں سے اس کا ثبوت مل جاتا ہے اور ایک آیت تو اپنے مفہوم میں بڑی واضح

ہے اور پانچ نمازوں کے ثبوت میں بڑی واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حافظوا علی الصلوة و الصلوة الوسطی (البقرة)

تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور ان میں خاص طور سے درمیانی نماز کی حفاظت کرو  
اس آیت کے مفہوم کو صحیح طور سے سمجھنے اور اس سے پانچ نمازوں کے ثبوت کے لئے  
پہلے تین ضابطے جاننا ضروری ہے

پہلا ضابطہ: یہاں ابتدائے آیت میں لفظ ﴿صلوة﴾ جمع ہے اور عربی زبان میں جمع کا لفظ  
کم از کم تین افراد کے لئے بولا جاتا ہے؛ لہذا اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ﴿الصلوة  
الوسطی﴾ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر اتنی نمازیں فرض ہیں جن کی مقدار کم  
از کم تین ہے؛

دوسرا ضابطہ: الصلوة الوسطی کے علاوہ باقی نمازیں مجموعی طور پر جفت ہونی چاہئے؛ کیونکہ  
عدد جفت دو برابر حصوں میں تقسیم ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے؛ اور ان دونوں حصوں  
کے درمیان میں ﴿الصلوة الوسطی﴾ کو رکھنے سے آیت کا مفہوم پورا ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اگر  
یہاں تین نمازیں ہوں جو کم از کم جمع کے لئے ضروری ہے تو ان کا درمیان کوئی نہیں  
ہوتا اور اگر درمیان بنائیں ایک طرف اور ایک دوسری طرف تو باقی نمازوں کی تعداد جمع  
نہیں رہتی بلکہ صرف دو باقی رہ جاتی ہے اور اس پر صیغہ جمع کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور اگر کل  
فرض نمازوں کی تعداد چار سمجھی جائے تو اس صورت میں ﴿الصلوة الوسطی﴾ کوئی نماز نہیں رہتی  
کیونکہ دو حصے برابر ہو جاتے ہیں اور دو عدد کا درمیان نہیں ہوتا لہذا ضروری ہے کہ یہ کل طاق  
عدد ہوں تاکہ ان کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنے سے ﴿الصلوة الوسطی﴾ باقی بچ جائے؛

تیسرا ضابطہ: الصلوة الوسطی نکال کر باقی اتنی نمازیں انسان کے ذمے واجب الاداء ہونی  
چاہئیں کہ ان پر صیغہ جمع کا اطلاق ہو سکے اور ﴿الصلوة الوسطی﴾ اپنی جگہ وسطی ہی  
رہے؛ اور یہ کم از کم پانچ کا عدد ہے کیونکہ اگر نمازوں کی اس سے زیادہ تعداد میں یہ ضابطہ  
پورا ہوتا ہو تو وہ ہمارا مقصود اصلی نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لئے احکام القرآن لخصاص

ملاحظہ فرمائیں۔

اجماع امت: اور پوری امت کا اجماع بھی پانچ نمازوں کی فرضیت پر ہے؛ اس سے زیادہ  
فرائض کا کوئی شخص قائل نہیں ہوا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ فرض  
نمازوں کی تاکید ملتی ہے

اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ یہاں ﴿والصلوة الوسطی﴾ میں (و) جمع کے لئے ہے؟

جواب: اس صورت میں ﴿والصلوة الوسطی﴾ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا؛ کیونکہ صلوة جمع میں  
سے ایک نماز وسطی بھی معلوم ہو جاتی ہے اور وہ تین یا چار نمازوں میں سے بھی ہو سکتی ہے  
، البتہ یہاں (و) ترتیب کے لئے ہے اس صورت میں اس آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔  
یعنی لفظ صلوة جمع میں وسطی کو جمع کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں یہ صلوة کا لفظ جمع ہی رہے  
گا، مفرد یا تثنیہ نہ بنے گا اور یہ ہی اس بحث میں ہمارا مقصود اصلی ہے؛ اسی بناء پر کہا گیا کہ  
پانچ نمازوں کا ان کا رکفر ہے۔



## باب پنجم:

# دار الحرب یا دار الکفر میں ایمان لانے کا حکم

(۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص دار الحرب میں قیام رکھتے ہوئے ایمانیات کی تمام باتوں کا اقرار کرے، البتہ فرائض اسلامیہ، اور احکامات شرعیہ سے بالکل ناواقف ہو، اور نہ ہی کتاب اللہ کے احکامات میں سے کچھ جانتا ہو، اور نہ ہی ایمان کے لوازمات کو جانتا ہو؛ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس پر ایمان کا اقرار کرتا ہو، اگر ایسا شخص مرجائے تو کیا وہ مؤمن ہو گا یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

ہاں وہ مؤمن ہی ہوگا کیونکہ اس نے اقرار اور تصدیق کی ہے۔

(۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے کہا کہ نہ تو اس نے علم حاصل کیا اور نہ عمل کیا، سوائے اس کے کہ ایمان کا اقرار

کیا ہے، اگر وہ مر گیا کیا پھر بھی مؤمن ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: ہاں بالکل وہ مؤمن ہے۔

## خلاصہ مباحث ایمان

(۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے امام ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایمان یہ ہے کہ: تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے بارے میں گواہی دے اور اس کی کتابوں کے بارے میں؛ اس کے رسولوں کے بارے میں اس جنت اور دوزخ کے بارے میں؛ قیامت کے دن کے بارے میں؛ اور ہر اچھی اور بری چیز کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی گواہی دینا ایمان کی بنیادی باتیں ہیں۔

اس موضوع کی تشریح میں امام ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

جان لو! کہ ایمان کی تکمیل کے دو اعضاء ہیں دل اور زبان کیونکہ جو شخص دل سے یہ پہچانتا ہے کہ اللہ ایک ہے، مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا ہے وہ شخص کافر ہے اور جو شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے مگر دل سے تصدیق نہیں کرتا وہ منافق ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان لانا صرف دل کا معاملہ ہے زبان کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے وہ شخص فرقہ کرامیہ سے تعلق رکھتا ہے؛ تفصیل اس اجمال کی امام صاحب کی کتاب الوصیہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

حقیقت ایمان کے بارے میں اختلاف

اور لوگوں میں ایمان اور عمل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے:

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے

اعمال کے ہونے کا نام ہے اور یہ رائے اہل بدعت کی ہے

(۲) بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق کا نام ہے اور وہ لوگ کہتے

ہیں کہ زبان سے اقرار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ فرقہ جہمیہ اور اہل تجسیم (مجسمہ) اور اس دور کے بعض جاہل صوفیاء کی رائے ہے

(۳) اور اس بارے میں درست ترین رائے یہ ہے کہ: خالی زبان سے اقرار جس میں دل کی تصدیق شامل نہ ہو منافقت ہے؛ اور اس کے برعکس خالی دل کی تصدیق جس میں زبان کا اقرار نہ ہو کفر ہے؛ جبکہ دونوں رکن یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار، ایمان کی صحیح شکل ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ جسے چتکبر اگھوڑا ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر گھوڑا سفید ہو تو اس کو سفید (اشعب) کہتے ہیں اگر سیاہ ہو اس کو سیاہ (ادھم) کہتے ہیں اور اگر اس میں سفیدی اور سیاہی دونوں ہوں اس کو (ابلق) یعنی چتکبر کہتے ہیں؛ اور اسی طرح یہاں ایمان کی صورت حال ہے کہ زبان سے اقرار، دل کی تصدیق کے بغیر نفاق ہے؛ دل سے تصدیق ہو یا نہ ہو زبان سے اقرار نہ ہو تو کفر ہے؛ زبان سے اقرار دل سے تصدیق دونوں ہوں تو ایمان ہے؛ ایمان کی کامل تعریف: یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے ایسا اقرار اور دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ ایک اکیلا وحدہ لا شریک ہے؛ اس کی کیفیت جانی نہیں جاسکتی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی مناجات کے جواب میں فرمایا کہ: اے موسیٰ دو باتیں تو جان سکتا ہے اور دو باتیں نہیں جان سکتا،

(۱) تو یہ جان سکتا ہے کہ: میں معبود برحق ہوں مگر میری کیفیت کو تو نہیں جان سکتا  
(۲) تو یہ جان سکتا ہے کہ: میں رزاق ہوں مگر تو یہ نہیں جان سکتا کہ کہاں سے اور کیوں رزق دیتا ہوں۔

یہ تفصیل بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔  
شیخ کوثری 'ارض اہل شرک' سے مراد یہ لیتے ہیں اہل شرک کا ایسا علاقہ جہاں ابھی تک دعوت توحید نہ پہنچی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لئے تو عقلی دلیل کافی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ

بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف نہیں کرے گا جس نے اس کے ساتھ شرک کیا۔  
مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اس حکم ربانی میں کوئی زمانی یا مکانی قید نہیں لگائی گئی اور یہ  
ایک بین الاقوامی اور دائمی صداقت ہے اس کا خلاف کبھی بھی قابل قبول نہ ہوگا اور جہاں تک  
مسئلہ احکام شرعیہ کا ہے اس کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ جس شخص کو وہ احکامات ملے ہوں  
اس نے اگر ان کے موافق عمل نہ کیا وہ اس کی سزا کا مستحق ہے اور جس کو وہ احکامات نہیں ملے  
اس کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔

## اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کا بیان

امام اعظم نے فرمایا:

تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال کسی کے سپرد نہیں کئے کہ جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ان سے پوچھنے والا نہ ہو۔ بلکہ تمام لوگ اپنے تخلیقی مقصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور ہر شخص تقدیر کی طرف سے جاری کئے گئے پروگرام کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہے۔

(۱۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص ان تمام باتوں کا اقرار کرے لیکن وہ یہ کہے کہ مشیت اور مرضی میری ہی چلتی ہے اگر میں چاہوں ایمان لاؤں اور اگر نہ چاہوں تو ایمان نہ لاؤں اور وہ اپنے اس دعوے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کرے:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکھف: ۲۹)

بس تم میں سے جو شخص چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے

تو ہم اس شخص کے استدلال کا کیا جواب دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا:

یہ شخص اپنی سوچ میں جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

(المدثر: ۵۶۴)

یاد رکھو! بے شک یہ نصیحت کہ بات ہے، بس جو شخص چاہے اس سے نصیحت حاصل

کرے اور اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (التکویر: ۲۵)

جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے، تمہاری چاہت کسی کے کام نہیں آتی ہے۔

اعتراض کا جواب:

اور ان کا مندرجہ بالا استدلال جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ (الکھف: ۲۹)

بس تم میں سے جو شخص چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے

سے اخذ کیا تھا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو وعید اور ڈراوادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے مستغنی ہیں ان کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو کفر اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے؛ اور اسی بناء پر اس مذکورہ شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی اس آیت کو رد نہیں کیا البتہ اس کی تفسیر اور تاویل میں اس کو غلطی لگی ہے، اور وہ درست مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کر سکا۔

(۱۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر جو مصیبت آتی ہے وہ میرے اپنے شامت اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا اللہ کی طرف سے ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اللہ نے مجھے اس میں مبتلا کیا ہے تو کیا اس قسم کی سوچ رکھنے والے شخص کافر کہا جائے گا یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

(۱۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوری: ۳۰)

جس شخص کو بھی کو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے  
یا تمہارے اپنے گناہوں کی شامت اعمال ہوتی ہے  
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ  
نَفْسِكَ (النساء: ۷۹)

ہر وہ مصیبت جو اچھائی کی شکل میں تم پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے؛ اور وہ  
مصیبت جو برائی کی صورت میں ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے گناہوں کا وبال ہوتا ہے اور اللہ  
تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے مقدر کرنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: تو وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (المدثر: ۳۱)

اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔

اس کا کیا مطلب ہوگا؟

امام اعظم نے فرمایا: یہ بات اپنی جگہ درست ہے، مگر تعبیر اور تاویل کی غلطی اور اس  
کا درست مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَتُحَوَّلُ بَيْنَ الْمَرْأِ وَقَلْبِهِ (الانفال: ۲۴)

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے

امام اعظم نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن اور کفر کے درمیان  
اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور جو عمل اللہ تعالیٰ بندے کو نہ کرنے  
دینا چاہتے ہوں اس سے روک دیتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مؤمن کو کفر اختیار نہیں کرنے دیتے اور کافر کو

ایمان نہیں قبول کرنے دیتے۔

نوٹ: اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ إِلَّا بِأَهْلِهِ

برائی کرنے والے کی طرف اس کی برائی چلائی جائے گی

شیخ کوثری: اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

ذات حکیم وخبیر کا منشا اور مقتضی یہ ہے کہ اس نے بندوں کو جن احکامات کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، ان میں ان کو آزاد چاہت اور اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ازلی مشیت بھی ان افعال کو شامل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت انکو آزاد یا خود مختاری کے حکم سے خارج نہیں کر دیتی ورنہ اشیا کی حقیقت ہی سرے سے بدل جاتی اور ایسا ہونا مشکل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بہت سارے احکامات ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ بندے کی آزادی کو بھی بیان کر رہے ہیں اور دونوں میں کوئی چیز مانع نہیں ہے جیسا کہ فرمان الہی ہے:

لَا يَكْفُلُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

نہیں مکلف بنایا جاتا کسی انسان کو مگر اسی کی طاقت و وسعت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

اور نہیں کوئی چاہت سوائے اللہ تعالیٰ کی چاہت ہے

اور یہ نصوص کو جمع کر کے ان کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ ہے

اور اسی طرح امام اعظم سے زید بن علی شہید نے سوال کیا تھا:

سوال: کیا اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لئے گناہ مقدر کیا تھا؟

جواب: تو کیا کوئی انسان جبراً بھی گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے، یعنی کیا جبراً بھی کوئی

گناہ، گناہ ہی ہوتا ہے بلکہ وہ تو جبر ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کی مشیت اور اس کا علم ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس

میں بھی تقدیر اور مشیت باری اللہ تعالیٰ کے علم میں مندرج ہو جاتے ہیں:



## توفیق عمل، وقوع عمل میں توافقی

نسخہ دکنیہ مطبوعہ حیدرآباد دکن: میں عبارت یوں منقول ہے:

امام اعظم نے فرمایا:

بے شک وہ استطاعت اور طاقت جس کے ذریعے انسان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یہ وہی استطاعت ہوتی ہے جس کو اطاعت خدا کی بجا آوری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؛ ہر آدمی سے اللہ تعالیٰ اسی استطاعت کے استعمال پر پوچھ گچھ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت بندوں میں پیدا کر کے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کریں، نہ کہ گناہ اور نافرمانی کے کام سرانجام دیں، اور اگر کوئی انسان گناہ کے کام کرے گا تو اس گناہ کا بدلہ اسی کے کرنے والے کو ملے گا، نہ کہ اس گناہ کے عمل کو استطاعت کی طرف منسوب کیا جائے گا؛

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ عمل کی انجام دہی کی طاقت، عمل کے ساتھ ہی ہوتی ہے نہ عمل سے پہلے اور نہ ہی عمل کی انجام دہی کے بعد اس لئے کہ عمل کا ہر جز استطاعت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جب عمل کرنے کی طاقت ملتی ہے تو انسان سے وہ عمل صادر ہوتا ہے؛

نسخہ حسینیہ مطبوعہ حیدرآباد دکن: میں حضرت امام اعظم سے عبارت یوں منقول ہے:-

ہر شخص کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فعل کے صادر ہونے کی توفیق دونوں طرف

سے برابر ہے نہ فعل سے پہلے ہے اور نہ فعل کے صادر ہونے کے بعد؛ اب جو شخص یہ کہے کہ

توفیق عمل، وقوع عمل سے پہلے ہوتی ہے وہ فرقہ جبریہ سے تعلق رکھتا ہے؛ اور جو یہ کہتا ہے کہ

عمل کا صادر ہونا پہلے ہوتا ہے اور اس عمل کی توفیق بعد میں حاصل ہوتی ہے وہ فرقہ قدریہ

سے تعلق رکھتا ہے؛

(۱۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ارتکاب گناہ کو کیوں لازم کرتے ہیں اور پھر اس بناء پر ان کو سزا بھی دیتے ہیں یہ تو سراسر زیادتی ہے، ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو جواب دیتے ہوئے آپ کہیں کہ کیا انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت نہیں دی کہ وہ اپنی ذات کے لئے برائی اور اچھائی یکساں طور پر سرانجام دے سکتا ہے؟ اگر وہ شخص کہے کہ نہیں اور اس نہیں کی وضاحت یوں پیش کرے کہ ہر انسان نفع اور نقصان میں تو مجبور ہے؛ مگر اطاعت اور معصیت میں مجبور نہیں ہے۔

تو آپ اس سے پوچھو کیا شر اور برائی کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے پیدا کیا ہے؟

اگر وہ شخص کہے کہ شر کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے؛ تو اس شخص نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے کیونکہ اگر شر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو معصیت کا اظہار اسی شر کا نتیجہ ہوتا ہے؛ اور اگر کہے کہ شر اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا، تو اس اقرار کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (الفلق: ۲۱)

اے نبی آپ کہہ دیجئے میں اپنے اس پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں جو صبح کو پیدا کرتا ہے اور اس کی پیدا کردہ ہر چیز کے شر سے بھی اسی کی پناہ میں آتا ہوں۔

(۱۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی پوچھے کہ کیا تم یہ نہیں کہتے کہ اللہ کی مشیت میں کفر اور ایمان دونوں شامل ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: ہم کہیں گے کہ ہاں بات تو ایسے ہی ہے۔  
سوال: اگر وہ شخص یہ کہے کہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول تو یہ ہے

هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (المدثر: ۵۶)

وہ اللہ تعالیٰ تقویٰ کا بھی مالک ہے اور مغفرت کا بھی مالک ہے

جواب: ہم کہیں گے ہاں بات ایسے ہی ہے۔

(۱۷) ابو مطیع بخنی نے پوچھا:

وہ شخص یہ کہے کہ، کیا وہ کفر کا بھی مالک یا اہل ہے یا نہیں ہے؛ تو ہم اس کو کیا جواب

دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو یوں کہنا کہ: اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کو اطاعت نصیب فرمانے  
کا تو مالک اور اہل ہے مگر جس کے لئے نہیں چاہتا اس کے لئے گناہ اور کفر کا اہل اور مالک  
نہیں ہوتا ہے۔

نوٹ: امام ابو مطیع کے سوال نمبر: ۱۵ اور اس کے بعد کے کلام میں امام اعظم ان لوگوں کا رد  
فرما رہے ہیں جن کا خیال ہے کہ خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور شر یا برائی اللہ تعالیٰ  
کی طرف سے نہیں ہوتی، اصل میں یہ عقیدہ عیسائیت سے اسلام میں داخل ہوا ہے اور  
مسلمانوں میں سے متعدد فرقوں نے اس کو اختیار کر کے اہل السنّت والجماعت کے راستے  
سے ہٹ گئے تھے،

اس لئے یہاں اس بات کی مکمل وضاحت فرمادی گئی ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق  
اللہ تعالیٰ ہے اور خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی استطاعت ملنے کے بعد بندے سے صادر  
ہوتے ہیں اسی لئے ہم عقائد کی کتابوں میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں:

وَالْقَدْرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ

کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ (العلوی)

شیخ کوثری کا اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ

کہ استطاعت کو کسی سے چھین لیا جانا اس کا مطلب یہ ہے کہ استطاعت اصل میں بندے کے مکلف بننے میں اصل مدار و محور ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے استطاعت بندے کے ہاتھ میں دے دی ہے لہذا اس کے بعد ہم یہ بات کہنے کے مجاز نہیں نہیں ہیں کہ بندہ مجبور محض بنایا گیا ہے اس لئے کہ اس کو استطاعت اعمال میں ہم آزاد مانتے ہیں۔

## باب ہشتم:

# اللہ تعالیٰ کی قدرت، مشیت کا بیان

(۱۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ ان پر جھوٹ بولا جائے تو ان کو کیا جواب دیا جائے؟

امام اعظم نے فرمایا:

تو اسے کہو کہ کیا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا کلام یا بول چال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر جرات ہے یا نہیں؟

(۱۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر وہ شخص جواب دے کہ ہاں یہ تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جرات کی بات ہے۔

امام اعظم نے فرمایا:

سوال: تو اس سے پوچھو کہ آدمؑ کو تمام اسماء کا علم کس نے دیا تھا؟

جواب: اگر وہ جواب دے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا؟

سوال: تو ان سے پوچھو کہ کیا کلمات کفر اسی کلام کا نتیجہ ہوتے ہیں یا کسی اور کلام کی

وجہ سے ہوتے ہیں؟

جواب: اگر کہے ہاں اسی کلام کی وجہ سے ہے۔

سوال: تو ان سے پوچھو کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کافر کو کفر یہ کلام کرنے کی طاقت کون

دیتا ہے؟

جواب: اگر وہ شخص کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں؛ تو وہ شخص خود اپنے ہی کلام میں الجھ گیا

ہے، کیونکہ شرکیہ اور کفریہ کلمات بھی بولنے اور کلام کرنے سے پیدا ہوتے ہیں؛ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس کو بولنے کی طاقت ہی نہ دیتے۔

(۲۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آدمی کی اپنی مرضی ہے چاہے تو کوئی عمل کرے چاہے تو کوئی عمل بھی نہ کرے، اور اگر چاہے تو کچھ کھائے؛ اگر چاہے تو کچھ بھی نہ کھائے؛ اگر چاہے تو کچھ پیئے؛ اگر چاہے تو کچھ بھی نہ پیئے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایسے شخص سے یہ پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ سمندر پار کر جائیں اور فرعون کے لئے یہ بات مقدر کی کہ وہ غرق ہو جائے؟

(۲۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں کہتا ہوں کہ کیا فرعون کی قدرت میں یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور اپنے ساتھیوں سمیت غرق نہ ہو؟

امام اعظم نے فرمایا:

اگر وہ لوگ جواب ہاں میں دیں، کہ ہاں اس کو اس بات کی قدرت تھی کہ وہ خود اور اس کے ساتھی غرق ہونے سے بچ جاتے، تو اس طرح کا کلام کر کے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں۔

اور اگر وہ لوگ جواب ان کار میں دیں کہ فرعون کو اس بات کی قدرت نہیں تھی کہ وہ خود اور اپنے ساتھیوں کو غرق ہونے سے بچالیتا تو وہ اپنی ہی بات کے خلاف بات کر رہے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات کی قدرت کے قائل ہو کر شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، اور ساتھ ہی اس کا ان کار بھی کر رہے ہیں۔

حدیث دوم:

ابو مطیع نے فرمایا:

کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی بھی شخص کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ ہر انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے چالیس دن تک نطفہ شکل میں ماں کے پیٹ میں رہتا ہے؛ پھر وہ اتنے ہی عرصہ کی مقدار علقہ (لوٹھڑا) بنتا ہے؛ پھر وہ اسی قدر وقت کے بعد مضغہ (مجسم صورت) بن جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس کا (۱) رزق (۲) عمر؛ (۳) اور اس کا بد بخت (۴) اور خوش قسمت ہونا لکھتا ہے؛ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے بغیر کوئی معبود نہیں آدمی جہنمیوں والے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جہنم اور اس کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی کتاب سبقت لے جاتی ہے؛ اور وہ شخص جنت والا کوئی کام کرتے ہوئے مر جاتا ہے اور جنت کا حق دار بن جاتا ہے؛ اور بعض آدمی جنتیوں والے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ شخص جہنمی لوگوں والا کوئی کام کرتے ہوئے مر جاتا ہے اور سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

### تخریج:

اس حدیث کو امام خوارزمی نے امام صاحب سے انہوں نے یزید بن عبدالرحمن سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چالیس راتوں تک نطفہ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد چالیس راتوں تک علقہ بن جاتا ہے، اس کے بعد چالیس راتوں تک مضغہ بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو تخلیق کے دوسرے دور میں داخل فرماتے ہیں۔

اس دوران ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کے پاس آ کر سوال کرتا ہے کہ اے اللہ یہ مذکر ہوگا یا

مؤنث ہوگا، خوش بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا، اس کی موت کیسے ہوگی اس کا رزق کیسے اور کتنا ہوگا، اس کی عمر کتنی ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ملائکہ کو معلوم ہوتا ہے اس کو لکھ دیا جاتا ہے اور فرمایا: خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بد بخت تو اپنی بد بختی ماں کے پیٹ میں سے لیکر آتا ہے اور ایک روایت میں الفاظ یوں ہیں: زیادہ بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے بد بختی لے کر پیدا ہوا، اور خوش بخت وہ ہے جو اوروں سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔

اس باب میں ایک روایت امام حماد سے بھی منقول ہے لیکن وہ مرسل ہے لیکن اس حدیث کی اسناد صحیح جدا ہیں۔

اس حدیث کو امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں اور بخاری نے مسلم نے ابو داؤد نے ترمذی نے رزین نے اور ابن ماجہ نے اور طیالسی نے اعمش عن زید بن وہب عن ابن مسعود کے طریق سے اور خطابی نے نقل کیا ہے۔



## تقدیر باری اور امر معروف و نہی منکر

(۲۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو پہلے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اور اس عمل کے ذریعہ لوگ اس پر اعتماد کرنے لگیں اور وہ شخص لوگوں میں اعتماد پیدا ہو جانے کے بعد ان لوگوں کو جماعت کے اجتماع کے خلاف بغاوت پر اکسانے لگے، اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آیا اس کا یہ عمل جائز ہے؟  
امام اعظم: فرمایا کہ اس کا یہ عمل بالکل جائز نہیں۔

(۲۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کاموں کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور برائی سے روکا ہے اور یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو ہر شخص کو ادا کرنی لازم ہے؟

امام اعظم: بات تو آپ کی بالکل درست ہے، لیکن امر بالمعروف کے ذریعہ جو فساد وہ لوگ برپا کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی اصلاح احوال کی کوشش سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے؛ کیونکہ جب فساد برپا کیا جائے گا تو اس میں خون بہایا جائے گا اور حرام کو حلال جانا جائے گا۔

اس مسئلہ میں ایک طرف تو وہ واجب کی ادائیگی کی کوشش کر رہے ہیں جس کی بناء پر ان کی تعریف کی جانی چاہئے اور دوسری طرف وہ معاشرہ میں فساد کا ذریعہ بن رہے ہیں جس پر ان کی مدد نہیں کی جانی چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے کام کرنے والوں کے لئے نہ تو کفر کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے فاسد عمل پر جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے؛  
اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَت  
إِحْدَاهُمَا عَلَى الْآخَرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

(الحجرات: ۹)

اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان مصالحت کرادو اور اگر ایک جماعت دوسرے پر چڑھائی کر دے تو زیادتی کرنے والی جماعت کے خلاف لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں واپس آجائیں۔

(۲۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا ان میں سے باغی گروہ کے ساتھ تلوار سے جنگ کی جائے گی؟

امام اعظم: ہاں ان کو پہلے اچھائی کا حکم دیا جائے گا اور برائی سے روکا جائے گا، اگر وہ لوگ اس طرح نصیحت قبول کر لیں تو بہت بہتر ہے، ورنہ ان سے اس وقت تک لڑائی کی جائے گی تا وقتیکہ بغاوت کا راستہ چھوڑ کر درست عمل اختیار کر لیں اور راہِ عدل پر چلنے والی جماعت سے مل جائیں اور اس سارے طریقہ کار میں امام المسلمین کے ظالم ہونے کی پرواہ نہیں کی جائے گی

حدیث سوم:

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَضُرُّكُمْ جَوْرُ مَنْ جَارٍ وَلَا عَدْلٌ مَنْ عَدَلَ لَكُمْ أَجْرُكُمْ وَعَلَيْهِ وِزْرُهُ  
ظلم کرنے والے کا ظلم اور حدود سے تجاوز کرنے والے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا تمہارے لئے کسی قسم کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔ اگر تم اچھائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے اجر پاؤ گے اور ظلم و زیادتی کرنے پر اس کا بدلہ اور سزا کے مستوجب بنو گے۔

حدیث سوم:

امام اعظم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر کوئی شخص دنیا میں ارتکاب گناہ کرتا ہے اور اس کو دنیا میں اگر سزا دے دی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ آخرت میں اس کی سزا نہیں دیتے، اور اگر کوئی شخص دنیا میں کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ستاری کرتے ہوئے اس کو معاف فرمادیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہیں کہ جس گناہ کو وہ معاف فرمادیں اس کی آخرت میں دوبارہ اس کو سزا دیں اس کو خوارزمی نے نقل کیا ہے۔

نوٹ: اہل السنّت والجماعت کے نزدیک امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ اس منصب پر فائز شخصیت فاسق و فاجر ہو البتہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے مکمل اجتناب ضروری ہے کیونکہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے بندہ اس منصب کی اہلیت سے گر جاتا۔

اور یہ وہ منصب ہے جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

## باب دہم:

### فرقہ خوارج اور ان کے عقائد کا بیان

(۲۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:-

آپ کی ایسے خوارج کے بارے میں کیا رائے جو:

(ان الحکم الا للہ تعالیٰ)

ہمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی حکومت و حاکمیت قابل قبول و قابل تسلیم نہیں ہے  
کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام کی برائی کرتے ہیں۔

ان کو خوارج محکمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ تحکیم کے پیش آجانے کے بعد حضرت علیؑ  
سے بغاوت کر گئے تھے، اور ان کا مشہور نعرہ تھا

(ان الحکم الا للہ)

حکم صرف اللہ کا چلنا چاہئے اس کے علاوہ کسی اور کا نہیں چلنا چاہئے

امام اعظم: اس فرقہ کے لوگ اہل خوارج میں سب سے بڑے درجہ کے خبیث ہیں؛

(۲۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا؟

امام اعظم: نہیں ان کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن ان کو راہ راست پر لانے کے لئے

ضرورت کے وقت ان سے جنگ ضرور کریں گے؛ کیونکہ ہمارے ائمہ خیر نے ان کے ساتھ

خود جہاد کیا ہے لہذا ان کی اتباع کرتے ہوئے ہم بھی ضرورت کے وقت ایسا ہی کام کریں

گے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے ان کے ساتھ جہاد کریں گے، اور ان ائمہ خیر میں

خاص طور سے حضرت علیؑ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ شامل ہیں۔

(۲۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اہل خوارج اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں تکبیر بھی کہتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں، کیا پھر بھی ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا؟

امام اعظم: نے فرمایا کہ کیا آپ کو ابو امامہ کی حدیث یاد نہیں جب وہ دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوئے وہاں فرقہ خوارج کے چند مقتولین کے سر پڑے ہوئے تھے۔

ابو امامہ: ابو غالب حمصی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! اے ابو غالب! کیا یہ آپ کی سرزمین کے لوگ نہیں ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھوں کہ آپ کی رائے میں یہ کیسے لوگ ہیں؟

ابو غالب: یہ سب لوگ آگ کے کتے ہیں! آگ کے کتے! اور آج تک آسمان کے نیچے جتنے لوگ قتل کئے گئے ہیں ان میں سب سے بدترین مقتول یہ لوگ ہیں؛ اور یہی باتیں کرتے ہوئے ابو غالب رونے لگے۔

ابو امامہ: آپ کیوں رورہے ہیں؟

ابو غالب: یہ لوگ تو پہلے مسلمان تھے۔

ابو امامہ: بڑے تعجب سے بولے کہ یہ بات جو میں سن رہا ہوں کیا آپ ان

لوگوں کے بارے میں فرما رہے ہیں؟

ابو غالب: کیا آپ وہی بات نہیں کہو گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌُ فَاَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ

اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَاَمَّا الَّذِينَ

اَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(العمران: ۷، ۱۰۶)

ایک دن ایسا ہے جس میں بہت سارے چہرے خوش بخت اور سفید چمک دار ہونگے

، اور بہت سارے چہرے سیاہ اور بد بخت ہوں گے اور جو چہرے سیاہ ہوں گے اس کی وجہ کیا

ان کا ایمان لانے کے بعد کفر کرنا نہیں ہے، پھر ان کو چاہئے کہ کفر کرنے کی وجہ سے عذاب

میں مبتلاء ہوں اور جو سفید چہروں والے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور اس اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

ابو امامہ: کیا آپ نے خود یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی؟

ابو غالب: سبحان اللہ! ایک بار، دو بار، حتیٰ کہ سات بار تک اسی طرح کہا۔

امام اعظم: نے فرمایا

فرقہ خوراج کو کافر کہا جانا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات کئے لیکن یہ لوگ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرنے لگے تھے۔

نوٹ: کفرانِ نعمت سے مراد یہ ہے اللہ نے ان پر کئی نعمتیں نازل کیں، انبیاء کے ذریعے مکمل دین اور صحابہ کرام کے ذریعے مکمل راہِ عمل اور ان کے لئے کامل کتاب اور اس کتاب کو بیان کرنے والے نبی؛ اور ان کے متبع صحابہ کرام کی ایک جماعت جس کی توثیق پر حضور اکرمؐ نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے:

بایہم اقتدیتم اہتدیتم

یعنی ان میں جس کی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے

اور خوراج کا کفر کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کی وجہ سے کہ اب اتنی بڑی نعمت کا ان کا رکیا اور یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

## تأویل یا انکار سے غلط کام کرنے کا حکم

(۲۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر فرقہ خوراج کے لوگ عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کریں، اور جنگ و جدل اور غارتگری کا بازار گرم کریں اور ایسا کرنے کے بعد وہ ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو جائیں، تو کیا ان کی طرف سے کی ہوئی سابقہ کارستانیوں کی ان کو سزا دی جائے گی؟

امام اعظم نے جواب دیا کہ:

دوران جنگ جن جرائم کا وہ ارتکاب کر چکے ہیں اس کا کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا؛ اور اسی طرح دوران بغاوت ان سے صادر ہونے والے افعال جو شرعی حد کا موجب ہوں ان پر کوئی حد جاری نہ کی جائے گی اور دوران بغاوت کسی کو ناحق قتل کرنے کی بناء پر ان سے قصاص بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۲۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کے جرائم پر کوئی حد یا قصاص بھی جاری نہ کی جائیں؟  
امام اعظم نے فرمایا:

اس کی وجہ وہ حالات تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں میں پیدا ہوئے تھے؛ وہ یہ کہ ایک جماعت مطالبہ کرتی تھی کہ ان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور دوسری جماعت اس عمل کی مخالف تھی۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس بارہ میں اجماع منعقد ہو گیا کہ

(۱): جو شخص تاویل سے کسی کا خون بہائے اس پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔

(۲): اور جو شخص تاویل کرتے ہوئے کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اس پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی۔

(۳): اور اسی طرح جو شخص کسی کا مال تاویل سے جائز سمجھتے ہوئے ہتھیالے اس پر اس مال ہتھیانے کے جرم کی حد نافذ نہیں کی جائے گی۔

ہاں اگر ہتھیانے والے کے پاس اصل مال برآمد ہو جائے تو وہ اس سے لیکر اصل مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔



## باب دوازدهم :

### کافر کے کفر کی کیا حدود ہیں؟

(۳۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں کافر کو کافر نہیں جانتا، اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم: وہ بھی اس کافر کی طرح کافر ہو جائے گا؛

(۳۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ کافر کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ یعنی انجام کے لحاظ

سے کافر کہاں جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ کافر کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ شخص اس کے ٹھکانہ کے بارے میں شک میں ہے اور اس

کے جہنمی ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔

## باب سیز دہم:

# ایمان کی حقیقت پر حضرت معاذؓ و ابن مسعودؓ کی حدیث

(۳۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس سے سوال کیا جائے کہ کیا آپ مؤمن ہیں یا نہیں؟ تو وہ جواب دے کہ (اللہ اعلم) اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا: وہ شخص ایمان میں شک کرنے والا ہے۔

(۳۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ یہ فرمائیں کہ کیا کفر اور ایمان کے درمیان نفاق کے علاوہ کوئی اور درجہ بھی ہے، جہاں اس شک کرنے والے کو فائز کیا جائے؟  
امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص تین مرتبوں میں سے کسی ایک پر لازماً فائز ہوگا کیونکہ ان تین مراتب کے علاوہ کوئی چوتھا مرتبہ نہیں ہے یعنی یا تو وہ شخص

(۱): مؤمن (۲): یا کافر (۳): اور یا منافق ہوگا۔ اور جو شخص اپنے ایمان میں

شک کرے وہ منافق نہیں ہو سکتا بلکہ کافر ہوگا

(۳۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ والی حدیث کی بناء پر جس کی تفصیل یوں ہے۔

### حدیث چہارم

جو مجھے امام حماد نے بیان فرمائی کہ حارث ابن ملیکہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس علم حاصل کیا کرتے تھے جب حضرت معاذ بن جبل کی موت کا وقت قریب ہوا، تو حضرت حارثؓ رونے لگے؛

معاذؓ: اے حارث تیرے رونے کی کیا وجہ ہے؟

حارثؓ: مجھے یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ کی آخرت کی زندگی، دنیا سے بدرجہا بہتر ہے لیکن میں سوچتا ہوں آپ کے بعد کونسا عالم ہے جس کی خدمت میں رہ کر میں علم حاصل کر سکوں گا؟

معاذؓ: کوئی بات نہیں صبر کرو اور میرے بعد تم عبداللہ بن مسعودؓ پاس چلے جانا ان سے علم حاصل کر لینا۔

حارثؓ: مجھے کوئی وصیت فرمادیجئے اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے چاہے وہ اس کی مرضی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے مجھے وصیت کی اور دوران وصیت یہ بھی کہا کہ اہل علم کی علمی لغزش سے ڈرتے رہنا۔ اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور حارث کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے طلباء میں آ کر شامل ہو گئے اور علم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک دن جب اذان ہوئی تو حارث نے سب لوگوں سے کہا: اس سچی دعوت یعنی اذان کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ ہر مسلمان جو اذان سنے اس کو اس کا جواب دینا واجب ہے؛ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں نے ان کی طرف خاص نظروں سے دیکھا اور ان سے کہا کہ کیا یہاں صرف تمہی مؤمن ہو؟

حارثؓ: ہاں میں واقعی مؤمن ہوں!

یہ بات سن کر ابن مسعودؓ کے سارے شاگرد حارثؓ کو کن اکھیوں سے یوں تاڑنے لگے کہ شائید اس نے کوئی غلط بات کر دی ہو؛

حادث: نے پریشانی میں اپنا سر جھکا لیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس دوران حضرت معاذ کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے جاتے تھے؛

اسی دوران یہ ساری بات حضرت ابن مسعودؓ کو بتادی گئی؛ ملاقات پر انہوں نے حادث سے پوچھا کہ کیا تو یہ کہتا کہ تو مؤمن ہے؟

حادث: ہاں میں واقعی مؤمن ہوں۔

ابن مسعودؓ: کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو جنتی لوگوں میں سے شمار کرتا ہے؟

حادث: اس کا جواب دینے کی بجائے اپنے استاد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت کی دعاء کرنے لگے؛ کیونکہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی: کہ عالم کی بھول چوک سے ڈرنا اور یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ بلا وجہ کسی کے بارے میں منافق ہونے کا فیصلہ نہ صادر کر دینا۔

ابن مسعودؓ: کیا تو نے کوئی غلطی دیکھی ہے؟

حادث: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی تین قسموں کے علاوہ بھی کوئی قسم تھی؟

(۱): ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن (۲) ظاہر و باطن کے لحاظ سے کافر (۳) باطنی لحاظ سے منافق اور ان تین میں آپ کسی گروہ میں ہیں۔

ابن مسعودؓ: اب جبکہ آپ نے اللہ کی قسم دی ہے: تو میرا جواب سنو اور وہ یہ کہ میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن ہوں۔

حادث: پھر آپ نے میری (انہی لمؤمن) کہ میں واقعی مؤمن ہوں والی بات کہنے پر ملامت کیوں کی؟

ابن مسعودؓ: کوئی بات نہیں یہ میری غلطی سمجھ لو؛ اور میرے پاس ہی اس کو دفن کر دو؛ اور اس کو یہیں بھول جاؤ پھر انہوں نے بھی حضرت معاذؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعاء کی؛

حدیث چہارم:

امام اعظم نے اسی حدیث کو کئی اور طرق سے بھی نقل فرمایا ہے مثلاً خوارزمی نے جواب تیمی سے انہوں نے حارث بن سوید نقل کیا کہ ایک آدمی حضرت معاذ کی خدمت کیا کرتے تھے جب ان کو موت آگئی تو وہ حضرت عبداللہ کے طلباء میں شامل ہو گئے ایک دن حضرت عبداللہ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم سچے مؤمن ہو؟

اس نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کی تین ہی اقسام تھیں:

- (۱) تصدیق کو ظاہر کرنے والا اور اسی کو دل میں بھی رکھنے والا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل ایمان کے نزدیک ایمان والا شمار ہوتا تھا۔
- (۲) اپنی ظاہر اور باطن کے ساتھ ایمان کو جھٹلانے والا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مؤمنوں کی نظر میں کافر شمار ہوگا (۳): اپنے ظاہر میں ایمان والا اور باطن میں کفر چھپانے والا، ایسا شخص منافق ہے

حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے ایمان کا دعوے دار ہوں

## باب چہار دہم :

# اپنے یا کسی زندہ شخص بارے دعوائے جنت یا جہنم کرنا

نسخہ حسینیہ میں منقول ہے:

امام اعظم نے فرمایا:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور دوران گفتگو کہنے لگا اے ابن عباس:-

انا مؤمن ان شاء اللہ تعالیٰ

اگر اللہ نے چاہا تو میں مؤمن ہوں؛ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا:

ثكلتك امك اتؤمن بالله تعالیٰ وبما جاء من اللہ تعالیٰ

تیری ماں تیری موت کا بوجھ اٹھائے اور تیرے مرنے پر روئے کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس ایمان کے بارہ میں کہہ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ: ہاں؛

جس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم یہ کہا کرو کہ میں سجا مؤمن ہوں، اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی:

﴿انما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا﴾

(الحجرات: ۱۵)

بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر پھر اس میں کسی قسم کے شک میں مبتلا نہیں ہوئے

یعنی وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی شک میں مبتلاء ہوئے اور نہ اس کے رسول

کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہوئے، اور نہ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی کسی بات میں شک کیا، کیونکہ کسی ایک بات کا استثناء ایمان کو باطل کر دیتا ہے یعنی سارے ایمان میں سے ایک بات کا بھی ان کا رد یا تو گویا سارے ایمان کا ان کا لازم آئے گا۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ

میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا دعوے دار ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

قیامت کا دن ضرور آئے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

تو ایسا شخص بلا کسی تردد کے خود بخود کافر ہو جائے گا۔

اور ہم یہ کہتے ہیں جس طرح فارسی زبان کے کسی جملے میں استثناء سے حکم ثابت نہیں

ہوتا ایسے ہی عربی میں بھی کسی جملے کے استثناء کا حکم ہوتا ہے۔

اور اس کی صاف ستھری مثال فقہ میں یوں سمجھو کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مخاطب کرتے

ہوئے کہتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تجھے طلاق ہے! یا اپنے غلام کو کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ

نے چاہا تو میری طرف سے تو آزاد ہے! یا کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں نے فلاں

شخص کا اتنے پیسوں کا مقروض ہوں! یا وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں نے بیچ دیا یا

میں نے خرید لیا!

تو ان تمام صورتوں میں کچھ بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ جملے میں استثناء کی وجہ سے

سارے مسائل کا حکم ہی باطل ہو گیا ہے جب مسائل کی یہ حالت ہے کہ استثناء کی وجہ سے اس

میں سے حکم باطل ہو جاتا ہے تو ایمان کا معاملہ تو اس سے زیادہ حساس ہے لہذا وہاں بطریق

اولیٰ استثناء سے حکم بدل جائے گا۔

امام اعظم نے فرمایا:

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ یوں کہا کرے میں سچا مؤمن ہوں کیوں کہ ایمان کے اظہار میں

کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ایمان ملائکہ کے ایمان کی طرح ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: ہاں ایسا کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ایمان لانے کے لئے ایمانیات

میں سب برابر ہیں۔

(۳۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

خواہ اس شخص کے عمل بہت تھوڑے ہوں پھر بھی وہ سچا مؤمن ہوگا؟ اس سوال کا جواب

دینے کے لئے؛

حدیث پنجم:

امام اعظم:۔ نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا نبی علیہ السلام نے

ایک معروف صحابی حضرت حارثہ سے پوچھا

(کیف اصبحت؟)

رسول اللہ اے حارثہ تو نے صبح کس حال میں کی ہے؟

حارثہ: میں نے سچا مؤمن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے؛

رسول اللہ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر حق بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے

تو تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

حارثہ: اے اللہ کے رسول! میرا نفس دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو گیا، یہاں

تک کہ میرا دن بیتابی اور رات بیداری میں گذرتی ہے؛ اور میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ

کا عرش واضح اور ظاہر طور پر دیکھتا ہوں؛ اور میں جنتی لوگوں کو جنت میں ایک دوسرے کی

زیارت کے لئے آتے جاتے، اور جہنمی لوگوں کو جہنم کی آگ میں غوطے کھاتے دیکھ

رہا ہوں۔

رسول اللہ فرمایا تو ایمان کی حقیقت تک پہنچ گیا ہے، اس پر قائم رہنا، اور یہ جملہ تین



مرتبہ ارشاد فرمایا؛

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص چاہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے اس کو چاہئے کہ وہ حارثہؓ کو دیکھ لیا کرے۔

حارثہؓ: یا رسول اللہ! میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔

رسول اللہ نے ان کے لئے شہادت دعا کی؛ اور اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت حارثہؓ کو شہادت نصیب ہوئی۔

(۳۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی مؤمن جہنم میں داخل نہیں ہوگا؛ اس شخص کا کیا جواب ہے؟  
امام اعظم: اس کو جواب دو کہ قیامت کے دن جہنم میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔

(۳۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

تو اس دن کافروں کا کیا معاملہ ہوگا؟

امام اعظم: وہ سب لوگ اس دن ایمان والے ہو جائیں گے؛

(۳۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

امام اعظم: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

فَلَمَّا زُووا بِأَسْنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ

مُشْرِكِينَ فَلَمْ يَكْ يَنْفَعَهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بِأَسْنَا (الغافر: ۸۵)

جب وہ لوگ ہماری آزمائش اور عذاب کو دیکھیں گے تو فوراً کہیں گے ہم اللہ وحدہ

لا شریک پر ایمان لاتے ہیں، اور ہم جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے ان کا ان کار

کرتے ہیں؛ اگرچہ ان کو عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لانا کوئی نفع نہ دے گا

لہذا جو بھی جہنم میں جائے گا وہ پہلے ایمان لائے گا مگر ان کا اس وقت ایمان لانا ان کے لئے کوئی فائدہ مند ثابت نہ ہوگا؛

نوٹ: اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: اولئك هم المؤمنون حقا یعنی یہ ہی لوگ سچے مومن ہیں؛

اب جو شخص یوں کہیانا مومن ان شاء اللہ؛ تو اس سے پوچھا جائے کہ آپ کس لحاظ سے استثنائی کر رہے ہیں؛

(۱) اگر زمانہ ماضی کا استثناء کر رہے ہیں: تو یوں کہنا چاہتے ہیں کہ میں گذشتہ کل ان شاء اللہ مومن ہوں گا

(۲) یا یہ کہ زمانہ حال میں استثناء کر رہے اور کہے میں اس وقت مومن ہوں؛

(۳) یا یہ کہ زمانہ مستقبل میں استثناء کر رہے؛ تو یوں کہنا ہوگا میں کل آئندہ مومن ہوؤں گا؛ اگر تو وہ ماضی یا حال کے بارہ میں کہے کہ: میں گذشتہ کل یا موجودہ وقت میں انشاء اللہ مومن ہوں تو ان دو لفظوں کے ساتھ اس کا کفر لازم آئے گا؛ اور اگر مستقبل کے بارے میں استثناء کر رہے اور کہے کہ میں ان شاء اللہ کل مومن ہوؤں گا؛ یہ صورت درست تو ہے مگر بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یکن مؤمناً حقاً کان کافراً حقاً

یعنی یہ کہ جو شخص مومن سچا نہیں تو وہ کافر سچا ہوگا؛

شیخ کوثری۔ ایمان یقین محکم کا نام ہے لہذا کوئی ایسا عمل جو یقین محکم میں مانع ہو اس کی ایمان میں گنجائش نہیں ہے اس لئے ایمان کو ہم کامل ایمان ہی کہیں گے اور جو اس میں کمی یا زیادتی کا عنصر پایا جاتا ہے اس کی وجہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو ایمان لانے کے بعد بندوں کو مکلف بنائے جانے کے لئے حکم کئے جاتے ہیں اور جن حضرات نے اعمال کو ایمان کا ایک رکن قرار دیا ہے ان کو اپنے ایمان اور خوارج اور معتزلہ کے ایمان کے مفہوم میں فرق کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

خلاصہ کلام:

ایمان کا دعوے ایک اختلافی امر ہے بعض احباب کے نزدیک یہ کہنا کہ میں مؤمن ہوں گویا یہ کہنا ہے کہ میں جنتی ہوں جب کہ امام اعظم نے اس مقام پر اس بات کی مکمل وضاحت پیش کر دی ہے کہ دعوئے ایمان اور چیز ہے اور جنتی ہونا اور چیز ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ ساتھ کوئی شخص گناہ گار بھی ہو سکتا ہے اور اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کی سزا بھی دی جاسکتی ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک ایمان کے ساتھ جہنم کی سزا نہیں دی جاسکتی اسی لئے جب کسی نے یہ کہا کہ میں مؤمن ہوں تو فوراً اس سے یہ سمجھا گیا کہ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص کہتا ہے میں جنتی ہوں جس کی وجہ سے مسئلہ متنازع بنتا چلا گیا ہے

## باب پانزدہم:

# ایمان پر معاصی کے اثرات

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ:

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے، یا چوری کرے، یا ڈاکہ ڈالے، یا گناہ کے کام کرے، یا فسق و فجور کا راستہ اختیار کرے، یا زنا کرے، یا شراب نوشی کرے یا کوئی ایسی نشہ آور چیز استعمال کرے جس سے اس کو نشہ ہو جاتا ہو، تو اس کو مؤمن فاسق کہیں گے کافر نہ کہیں گے اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کا عذاب دیا جائے گا اور اس پر ایمان کی نسبت غالب آجانے کے بعد اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ

جو شخص ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے: میں نہیں جانتا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے یا نہیں تھے؟ تو وہ شخص کافر ہوگا؛

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کافر جنتی ہیں یا جہنمی ہیں؟

وہ اللہ تعالیٰ کے قول کا انکار کرنے کی وجہ سے خود کافر ہے۔ کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا

(فاطر: ۳۵)

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب جو مرنے

کے بعد ان کو دیا جائے گا

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ الْحَرِيقِ (البروج: ۱۰)  
 ان کفار کے لئے جہنم کا عذاب، اور وہ بھی ایسا عذاب جو جلانے والا ہے  
 ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ (الشوری: ۱۶)

ان کفار کے لئے شدید ترین عذاب ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب اور سزا کفار کے لئے ہے۔

اور جو شخص ان آیات کے بارے میں شک کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ان

آیات میں شک کرنے کی بناء پر ان کا کر رہا ہے لہذا وہ کافر ہے۔

اس بات کی دلیل وہ قول جو امام اعظم نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے جس کے

الفاظ یوں ہیں:

امام صاحب نے فرمایا:

مجھ تک حضرت سعید بن مسیب سے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص کافر کو کافر نہ جانے اور

ان کے جہنمی ہونے کا قائل نہ ہو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہوگا۔

(۴۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں مجھے بتائیں جو ایماندار تو ہے، مگر عبادات میں سے نہ

نماز، نہ روزہ، اور نہ ہی نیک اعمال میں سے کوئی عمل سرانجام دیتا ہے، کیا ایسے شخص

کو اس کا ایماندار ہونا مفید ہوگا یا نہیں ہوگا؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص بندہ مؤمن ہے مگر اس کی آخرت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے وہ چاہے تو اس

کو عذاب دے یا اس کے حال پر رحم فرماتے ہوئے اس کی بخشش فرمادے، اور جو شخص

ایمانیات اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کسی چیز کا صراحتاً انکار نہ کرتا ہو، وہ اہل ایمان میں

سے سمجھا جائے گا۔

## باب شانز دہم

# ایمان و عمل کا تعلق اور اس پر گناہ کے اثرات

حدیث ششم:

امام اعظم نے اپنی سند متصل کے ساتھ ایک حدیث نقل فرمائی ہے:  
 آپ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کے مشہور شہر حمص میں تشریف لائے تو بہت سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے ان زائرین میں سے ایک نوجوان نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند سوالات پوچھے:

سوال: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج بیت اللہ بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے، غلام بھی آزاد کرتا ہے اور اللہ کے راستے میں زکوٰۃ بھی دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک کرتا ہے کہ پتہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے بھی یا نہیں؟ معاذ بن جبلؓ یہ شخص جہنمی لوگوں میں سے ہے؟

سوال: اچھا تو اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو ایمان تو رکھتا ہو، مگر عمل صالح نہیں کرتا، یعنی نہ وہ نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھتا ہے، نہ حج کرتا ہے، نہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا اقرار کرتا؟ معاذ بن جبلؓ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ عذاب کا خوف بھی ہے۔

سائل: اے ابو عبد الرحمن! (حضرت معاذ بن جبل کی کنیت) آپ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ

جیسے اس شخص کو شک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح ایمان کے ہوتے ہوئے اس شخص کو کوئی گناہ اس کے ایمان کو نقصان نہیں دے سکتا، اور پھر وہ نوجوان اٹھا اور چلا گیا۔

معاذ بن جبلؓ اس وادی میں شائد اس نوجوان سے زیادہ فقیہ اور سمجھ دار کوئی اور شخص نہ

ہو۔

شیخ کوثری فرماتے ہیں:

لا ینفع مع الشک: کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جو عمل کی ایمان کے ساتھ ہونے سے نفی کی جا رہی ہے اس کا ایک خاص فائدہ ہے اور وہ یہ کہ ایمان کے بعد وہ شخص دائمی جہنمی ہونے سے بچ سکتا ہے اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا رسول اللہ کی رسالت کے بارے میں اپنے دل میں شک رکھتا ہو اس کو دائمی جہنمی ہونے سے نہیں بچایا جاسکتا اس لئے حضرت معاذ کے شاگرد نے ایمان بلا شک رکھنے والے کے لئے جہنمی ہونے کی نفی کر دی ہے اور جو ایمانیات میں شک کرتا ہو اس کے لئے سابقہ ساری نیکیوں کے ضائع ہونے کی بھی نفی کر دی گئی ہے

اور اسی طرح لا یضر مع الایمان: سے یہاں مراد ایک قسم کا ضرر خاص ہے، اور ضرر سے مراد ایسا ضرر ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے امید ختم کرنے کا باعث بنے جیسا کہ اوپر متن میں کزر چکا ہے لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو اور اس سے معافی کی امید نہ رکھتا ہو اس کے بارے میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور جو گناہوں کے بارے میں ڈرتا بھی ہو اور ایمان بھی اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہو وہ مؤمن ہے، اسی کے بارے میں حضرت معاذ کا قول ہے 'ارجولہ واخاف علیہ، یعنی اس کے بارے میں ایمان کی وجہ سے بخشش اور گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف رکھتا ہوں، اس کے دائمی جہنمی ہونے کا نہیں کہا اس لئے کہ اس کے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ہے۔

## باب ہفت دہم:

### مسئلہ استوی علی العرش کی حقیقت

امام اعظم نے فرمایا کہ  
اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں؟ تو وہ  
اپنے اس قول کی بناء پر کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

الرحمن علی العرش استوی (طہ: ۵)

اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہو گئے

جبکہ اللہ تعالیٰ کا عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے؛

(۴۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گئے، مگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا  
اللہ تعالیٰ کا عرش کہاں ہے؟ آیا آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟  
امام اعظم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص عرش معلیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ  
وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن کریم کی آیات کا انکار کر رہا ہے۔

کیونکہ قرآن کریم میں لفظ فوق استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب اوپر ہے، لہذا ہم اللہ  
تعالیٰ کے لئے اس سے بلندی کا مفہوم مراد لیتے ہیں، نہ کہ پستی کے لحاظ سے اس کا مفہوم مراد  
لیتے ہیں۔

شیخ کوثری نے اس موقع پر کافی مفصل حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو ان شاء اللہ اپنی فقہ اوسط  
کی شرح میں ملاحظہ فرمایا جاوے



## باب ہیر دہم:

# ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ:

ہم باغیوں کے ساتھ ان کے بغاوت کرنے کی وجہ سے لڑتے ہیں نہ کہ ان کو کافر سمجھنے کی وجہ سے بلکہ ہم ان کو مسلمان ہی جانتے ہیں؛ اور ہم عدل پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں؛ اگرچہ ان کا سربراہ اور بادشاہ نا انصافی تو کرے لیکن ایمان کی حدود میں قائم رہے، اور کفر کی حدود میں داخل نہ ہو چکا ہو؛

اور اسی طرح ہم ایسے باغی گروہ کا ساتھ نہیں دیتے جو ظلم اور فساد کو عام کرنے والا ہو خواہ وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہو؛ اور اس صورت میں صالح جماعت کی مدد کریں گے اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہوئے ان کی مدد کریں گے؛ اور جو حضرات حق پر قائم رہنے اور حق کو قائم کرنے میں تمہاری مدد کرنے والے ہوں ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے؛

اگر اہل سنت والجماعت کے لوگ بغاوت کا راستہ اختیار کر لیں تو ہم ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں؛ اور ان کی بجائے اہل حق کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے؛

اور یہ سب باتیں مندرجہ ذیل آیات کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الم تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعَةٌ فَتُهَاجِرُ فِيهَا (النساء: ۹۷)

کیا اللہ نے زمین کو بڑا وسیع نہیں کیا تا کہ تم اس کی طرف ہجرت کر جاؤ

اور دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے

اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاَيَايَ فَاَعْبُدُوْنَ (العنكبوت: ۵۶)

بے شک میری زمین بہت وسیع ہے لہذا اس میں میری ہی عبادت کیا کرو

حدیث ہفتم:

امام ابوحنیفہ نے امام حماد سے انہوں حضرت ابراہیم سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی سرزمین پر فتنہ اور معصیت اس انداز اور مقدار میں ظاہر ہو جائے کہ اس کو بدلنا ممکن نہ ہو، اور نہ ہی اس کے بدلنے کی کوئی صورت اور طاقت نظر آتی ہو تو مذکورہ بالا آیت پر عمل کرتے ہوئے تحویل کیا جائے، تاکہ انسانی معاشرہ اور ماحول اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تکمیل اور اس کے نواہی کی تعمیل کے لئے مستعد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غالب ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

حدیث ہشتم:

امام ابوحنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ مزفوعا نبی علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ایسی سرزمین میں تحویل (انقلاب) پیدا کرتا ہے جہاں لوگوں کے اسلامی احکامات کی بجائے فتنہ میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں (۷۰) ستر صدیقین کا اجر لکھتے ہیں۔

نوٹ: اور کسی مسلمان کو یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ: کوئی شخص اہل السنّت والجماعت کے اجماع کی مخالفت کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لا یجتمع امتی علی الضلالة

یعنی میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی

اور فرمایا: تمہارے لئے سواد اعظم یعنی اہل السنّت والجماعت کے راستے پر چلنا لازم ہے؛ اور جو شخص بھی سچے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کی حفاظت کرنا رسول اللہ کی سنت ہے اور رسول اللہ کی ایسی سنت کی حفاظت فرائض میں سے ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اطیوا اللہ تعالیٰ و طیعوا الرسول

یعنی فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور سنن میں اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا

جو دین کی باتیں تمہیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچے ان کی اطاعت کرو، اور جس بات سے وہ منع فرمائیں ان سے رک جاؤ۔

اور جان لو کہ نبی علیہ السلام نے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور جو شخص اس کی حفاظت نہیں کرتا اور بلا عذر اس کی پاسداری نہیں کرتا وہ مذکورہ دلائل کی بناء پر بدعتی ہے،

اس بارے میں حضرت امام اعظم نے اپنی سند متصل کے ساتھ فرمایا کہ

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من سل السیف علی امتی فان لجھنم سبعة ابواب ، باب منها

لمن سل السیوف (اخرجه ابو محمد البخاری والخوازمی)

جس شخص نے میری امت پر تلوار اٹھائی تو اس کو علم ہونا چاہئے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو میری امت پر تلوار اٹھانے والے ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں سند متصل کے ساتھ امام اعظم فرماتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس بشیء ممن عصی اللہ بہ عزوجل اعجل عقوبة من البغی

وما من شیء اطیع اللہ تعالیٰ بہ اسرع ثوابا من الصلۃ الرحم و

فی روایۃ قال کان اعجل الطاعة ثوابا صلۃ الرحم ، والیمین

الفاجر تدع الدیار بلاقع (اخرجه المنظر، ومحمد بن حسن، والاصفہانی)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سب سے جلدی جس بات کی سزا بندے کو دی جاتی ہے وہ بغاوت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے جلدی ثواب کا حق دار بنانے والی بات صلہ رحمی ہے، اور جھوٹی قسم تو شہروں کو بنجر اور بے آباد کر دینے کا باعث ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں امام اعظم سند مرسل صحابی ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

ما آسای علی شیء کما آسی علی ان لا اکون قاتلت الفئۃ

الباغیۃ و علی الصوم الہواجر (اخرجه المظفر و الخوارزمی)

مجھے کسی بات پر بھی اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کسی باغی گروہ سے قتال نہ کرنے، اور چھوڑے ہوئے روزوں پر جتنا افسوس ہے۔

نوٹ: تحول کا مطلب ہے تبدیل کرنا اور اس کے مترادف آج کل انقلاب کی اصطلاح عموماً استعمال ہوتی ہے اسی لئے شارح الفقہ الاکبر (الفقہ الاوسط) مولانا عبید اللہ العلویؒ کا ارشاد ہے کہ امام صاحب کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب برسر اقتدار حاکم سے ظلم عظیم ہونے لگے اور ناصح کی کوئی نصیحت اس پر اثر انداز نہ ہو تو ایک متبادل جماعت بنا کر وہاں انقلاب برپا کر دینا چاہئے ایسی صورت میں انقلابی کام کرنے والا شخص باغی نہ کہلائے گا۔

اور مولانا عبید اللہ سندھی سورۃ العصر کی تفسیر میں انقلاب یا تحول کے لئے چار درجات متعین فرماتے ہیں اور انہی چار درجات کی وجہ سے کسی جگہ تحول ممکن ہے؛

(۱) ایمان، نظریہ یا نصب العین: جس پر اس جماعت کا سارا دار و مدار ہوگا اعلیٰ نظریہ اعلیٰ کارکردگی اور ادنیٰ نظریہ ادنیٰ کارکردگی کا باعث ہوگا۔

(۲) لائحہ عمل: طریقہ کار، یا عمل صالح؛ جس پر چل کر انسان اپنے مقصود اصلی کو حاصل کر سکتے ہیں۔

(۳) نصیحت حق: جماعتی افراد کو بدنام کرنے ان کو معاشی یا معاشرتی نقصان پہنچانے کے

لئے باطل قسم کا پراپیگنڈہ کئے جانے کی صورت میں ہم جماعت ساتھیوں کو راہ حق پر جے رہنے کی ہدایت اور تلقین کرنا۔

(۴) وصیت صبر: اس پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر افراد کا جماعت کو یا نظریہ کو چھوڑنا یا معاشی نقصان پہچانے کے لئے اوجھے ہتھکنڈوں پر اتر آنے سے جماعتی نقصان یا جماعتی افراد کا جماعت سے وفاداریاں ترک کرنا یا بدلنا اس پر اپنے پکے ارکان کو صبر کی تلقین کرنا کیوں کہ جو شخص حوادث زمانہ سے اپنی وفاداری بدل لے یا جماعت کی مخالفت شروع کر دے وہ اصل میں محول یا انقلابی نہیں ہے؛

(انقلاب کے لئے انسانوں کی اقسام)

اور مذکورہ باب میں امام صاحبؒ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی ان کے احوال طبعی کے لحاظ سے تین اقسام ہیں:

(۱): وہ آدمی جو دل کا کمزور اور احوال زمانہ سے نابلد ہے اس کو چاہئے کہ اپنا تعلق جماعت عادلہ کے ساتھ رکھے مگر ظالم حکمران کے ساتھ ملا رہے اس کے خلاف کوئی سیاسی کارروائی نہ کرے بلکہ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔

(۲): وہ شخص جو دل کا قوی اور احوال زمانہ پر وسیع نظر رکھنے والا ہو اس کو چاہئے کہ ظلم سے عدل کی طرف تحول اور انقلاب کی جدوجہد کرے؛ اور اس مرتبہ کا اجر بہت زیادہ ہے جیسا کہ امام صاحب نے متن میں ارشاد فرمایا ہے؛

(۳): وہ شخص جس کی احوال زمانہ پر نظر تو بڑی وسیع ہو مگر طبیعت میں بہت کمزوری ہو اس کو چاہئے کہ اس علاقے سے ہجرت کر کے کسی دوسرے علاقہ میں چلا جائے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

نوٹ: صدیقیت ولایت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے جو انبیاء کے بعد ساری دنیا کے درجات ولایت سے افضل ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء  
والصالحین

یعنی یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان میں انبیاء بھی ہیں صدیقین بھی ہیں  
اور شہداء بھی ہیں اور صالحین بھی ہیں۔

## باب نوزدہم :

### عذاب قبر اور اس کے ان کار کا حکم

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں:  
جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں عذاب قبر کا قائل نہیں ہوں وہ ناپاک خبیث اور ہلاک ہونے  
والے طبقہ جہمیہ میں سے ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا ان کار کر رہا ہے؛  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

سُنْعَدْبِهِمْ مَرَّتَيْنِ (التوبة: ۱۰۱)

ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے

ایک بار قبر میں اور دوسری بار قیامت کے دن۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

وَانَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَاباً دُونَ ذَلِكَ (الطور: ۴۷)

بے شک جن لوگوں نے ظلم کئے ان کے لئے عذاب ہے، علاوہ اس عذاب کے

اور اس عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَنذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ (السجدة: ۲۱)

اور یقیناً ہم انکو ایک قریبی عذاب کا مزہ چکھائیں گے سوائے بڑے عذاب کے

یہاں قریبی عذاب سے مراد عذاب قبر ہے

(۴۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی یہ کہے کہ میں ان تمام آیات پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن ان کی تاویل یا

تفسیر پر ایمان نہیں رکھتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا:

اس کو کافر کہا جائے گا کیونکہ قرآن کی تاویل اور تفسیر یہ سب قرآن کے ہی اجزاء ہیں  
اگر ان کا انکار کرتا ہے تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس شخص کو کافر کہا جائے  
گا۔

نوٹ: اس پر اعتراض کرنا کہ قبر میں میت پتھر کی طرح ہوتی ہے اس کو جزاء و سزا کا کیا فائدہ  
ہے؟

تو جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک نظام بنایا ہے اسی کے ماتحت رہنے سے خاتمہ بالخیر  
اور اس سے سرمو تفاوت کرنے سے فائدہ نہ ہوگا؛

الستہ عذاب قبر کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل نقاط سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) یہ مادی دنیا ہے اس میں ہر چیز مادی ہے، لہذا اس سے مرتب شدہ اثرات بھی مادی  
ہوں گے؛ خواہ فائدہ ہو یا نقصان؛ روپیہ ہو یا پیسے، مال ہو یا دولت، گھر ہو یا گاڑی، یہ سب  
مادیت کی مثالیں ہیں، ان کے ملنے سے فائدہ، نہ ملنے سے سزا معلوم ہوتی ہے؛

(۲) مرنے کے بعد کی دنیا نفسانی دنیا ہے اس میں جزاء و سزا کا تعلق انسانی نفس سے ہو  
گا؛ اور انسانی نفس لذات اور خواہشات کا گرویدہ ہے، اور یہ لذات و خواہشات مادی نہیں  
ہیں؛ اگر کسی چیز ذائقے سے نفس مانوس ہو لیکن اس چیز کی شکل و صورت سے نہ مانوس  
ہو تو بدمزگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک چیز ایک شخص کو مزے دار دوسرے کو بدمزہ معلوم  
ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح قبر کی زندگی اور جزاء و سزا کا تعلق نفس سے ہوگا؛ اور جسم یا روح سے  
نفس کا تعلق اسی قدر ہوگا جس قدر مادی دنیا کا نفس کے ساتھ ہے؛ جب معاملہ اس طرح ہے  
تو جزاء و سزا کی نوعیت کا صحیح پتہ نہ چل سکے گا اس لئے ذات باری تعالیٰ کی طرف سے:

ولکن لا تشعرون

کی نوید سنادی گئی ہے۔



(۳) روح کا تعلق عالم حشر جنت و دوزخ سے ہے: جسے دنیا میں نماز پڑھنے سے مزا نہیں آتا آخرت میں اس کا بدلہ مزے اور لذت کی شکل میں ملے گا؛ اسی طرح روحانی لذت اور مزا تو اصل ہوگا مگر نفس اور جسم سے اسی قدر متعلق ہوگا جس قدر انسانی جسم کا دنیا میں نفس اور روح سے تعلق ہوگا؛ مگر لذات کا انداز بدل جائے گا اس لئے عذاب قبر کا ان کا کرنا، اور آخرت میں جنت و دوزخ خالص روحانی جاننے سے ان کی حقیقت کا ان کا لازم آتا ہے؛ اور یہی بات انسان کو کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

حقیقی بات یہ ہے کہ یہ تینوں جہان (عالم ارواح؛ عالم دنیا؛ عالم عقبی) اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ اور انسان جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اس کی لذات و منفعت کی نوعیت بدل جاتی ہے؛ یہ درست رویہ نہیں ہے کہ جو محسوس نہ ہو اس کا ان کا کر دیا جائے؛ کیونکہ ضروری نہیں جو محسوسات کی حدود میں نہ آئے وہ معدوم سمجھ کر رد کر دیا جائے، غیر محسوسات کا رد کر دینا اپنے حواس پر ماتم کرنے کے مترادف ہے؛ اس لئے کہ دنیا میں ہزار ہا اشیاء موجود ہونے کے باوجود محسوس نہیں ہوتیں؛

مثلاً ایٹم Atom ہم دیکھ نہیں سکتے؛ جراثیم Germs ہم محسوس نہیں کر سکتے؛ آواز ریڈیو کے ذریعے سن سکتے ہیں بغیر ریڈیو کے نہیں سن سکتے؛ تصویر ٹی وی کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں بغیر ٹی وی کے نہیں دیکھ سکتے؛ موبائل فون پر کسی سے بات کر سکتے ہیں مگر اس کے بغیر بات نہیں کی جا سکتی؛ یہ اور اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں جو اس بات کی شاہد عادل ہیں کہ محسوسات اور حواس بذات خود دھوکہ کھا جاتے ہیں؛ لہذا ان کی وجہ سے عذاب قبر یا ایمان کے دوسرے ارکان کا ان کا کرنا عقل کی بات نہیں ہے

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

انسانی جسم دنیاوی لذات کا رسیا ہے جبکہ انسانی نفس عالم نفس کا شیدائی اور روح عالم ارواح کے فراق میں بے تاب رہتی ہے۔

دنیا میں انسانی جسم ان تین اشیاء کا مجموعہ ہے؛ لیکن مادیت غالب ہونے کی وجہ سے

تمام اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں جنکا تعلق اس دنیا سے ہے؛ اور جب تعلق انسانی نفس سے ہو جائے تو ان کے اثرات عالم نفس یا قبر میں مرتب ہوتے ہیں مگر جسم اور روح وہاں بھی ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح جنت، دوزخ یا حشر میں جو اثرات مرتب ہوں گے وہ انسانی روح کے ذریعہ نفس اور جسم پر بھی ہوں گے مگر انسان روحانیت سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے دنیا میں مادیت کو اصل چیز سمجھتا ہے جبکہ یہ مادیت بچوں کے اخروٹ اور بلور اور انسانی سوچ و فکر سے بھی زیادہ عارضی ہیں۔

## باب ہستم:

# متاؤلین کون ہیں اور ان کا کیا حکم ہے

حدیث نہم:

ابو مطیع فرماتے ہیں:

مجھے حضرت امام ابوحنیفہ نے اپنی متصل سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے بیان فرمایا کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں

انی فی الجنۃ

کہ میں تو جنتی ہوں؛ جہنم میں ہرگز نہ جاؤں گا

حدیث دہم:

امام صاحب نے فرمایا کہ

میں تمہیں ابو ظبیاں سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں اور وہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کے متاؤلین پر افسوس ہے؟

کسی نے پوچھا اے اللہ کے نبی متاؤلین کون لوگ ہیں؟

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی طرف سے کہیں کہ فلاں شخص جنتی ہے

، اور فلاں شخص جہنمی ہے۔

حدیث یازدہم:

امام اعظم فرماتے ہیں کہ:

میں تمہیں نافع عن ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے بتاتا ہوں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ نہ کہا کرو کہ میری امت کے فلاں افراد جنت میں اور فلاں افراد جہنم میں ہیں، بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دو تا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ کرے۔

حدیث دوازدہم:

امام صاحب نے فرمایا حضرت حسن بصری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخلہ کا سرٹیفکیٹ جاری نہ کیا کرو، یہاں تک کہ قیامت کے روز میں ان کے درمیان فیصلہ کروں، اور ہر ایک کو اس کا مناسب اور صحیح ٹھکانہ دے دوں، اور جو کسی بھی شخص کا اصل مقام ہے اس مقام پر میں ان کو پہنچا دوں۔

نوٹ: آج کے دور میں یہ فتنہ عام ہو رہا ہے بعض لوگ تصوف کا جعلی لبادہ اوڑھ کر دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ ہم آپ کو بتاتے ہیں فلاں جنت میں اور فلاں جہنم میں ہے؛ اپنی جہالت تو ان کی ہے ہی مگر ساتھ ہی تصوف جیسے پاکیزہ چشمے کو ناپاک اور بدنام کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں؛ یاد رکھنا چاہئے کہ کشف قبور کے ذریعے اگر کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے تو وہ اس سے کم تر ہے جس پر کسی بات کی بنیاد رکھ کر دعویٰ کیا جاسکے۔ بعض اوقات کشف قبور کا عمل کرنے والے پر اس کا اپنا باطن کھلتا ہے؛ یا کسی مستقل عمل کی وجہ سے میت کے بارے میں فیصلہ کرنا کہ وہ جنت یا جہنم میں ہے سراسر غلط اور گمراہی ہے۔

اور بعض اہل تصوف میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کی میت کے جنازے میں کوئی

بزرگ شامل ہو گئے تو یہ اس کی بخشش کی نوید اور اگر وہ بزرگ کسی عذر کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے یہ اس میت کے لئے بدشگونی سمجھی جاتی ہے؛ بلکہ میت کے ایمان کے حال میں مرنے کے بعد حسن ظن رکھنا ایمان کا حصہ ہے؛ اور بدگمانی کرنا سرے سے غلط ہے، اچھا گمان کرو اچھے الفاظ سے یاد کرو اور میت کے لئے دعا کرتے رہو؛ اور ہرگز ہرگز اس کے بارہ میں دعویٰ کرنا کہ وہ جنتی یا جہنمی ہے غلط اور باطل ہے؛ اس لئے کہ اگر کوئی کیفیت معلوم ہو بھی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ کیفیت جہنمی ہونے کی ہے؛ تاہم اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام پر کسی کو دسترس نہیں ہے؛ اور انسان کے اس دنیا میں ہونے کی وجہ سے کسی کو ایک کیفیت سے مختلف معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کو اس اپنی کیفیت سے مشابہ معلوم ہوتی ہے لیکن انسان اپنی کم مائیگی اور غیبی نظام سے پوری طرح آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف سے حتمی فیصلہ کر لیتا ہے؛ یہ ایک قسم کی گمراہی ہے اس سے بچنا ہر اس شخص کے لئے لازم ہے چاہے یہ اشخاص سالکان راہ طریقت میں سے ہوں یا راہروان منزل حقیقت سے از حد ضروری ہے؛ اور بارگاہ ایزدی میں دست بستہ التجاء ہے راہ بیان و صادق و فاء میں ہماری حفاظت فرمائے اور اس بات کی تمنا ہے کہ اللہ ان آزمائشوں میں نہ مبتلا کرے کہ کیفیات خلط ہونے پر راہ گم گشتہ کار راہی بنا دے (آمین)

## باب بست و یکم

### اہل السنّت و الجماعت اور اہل بدعت کی امامت کا حکم

(۴۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کہ قاتل کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا:

امام چاہے نیک ہو یا بد اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس صورت میں تمہارے نماز کی ادائیگی کا تمہیں اجر ملے گا اور امام بننے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے امامت کے لئے آگے ہونے کا گناہ ملے گا۔

(نسخہ حسینیہ منقول ہے)

امام اعظم نے فرمایا:

ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ ہر فاسق و فاجر کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھے۔  
کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ يَرٍ وَفَاجِرٍ

ہر فاسق اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو؛

اس مسئلہ میں روافض کا ہمارے ساتھ اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک فاسق و فاجر کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک ہر گناہ گار آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے؛ بشرطیکہ وہ بدعتی نہ ہو کیونکہ ہمارے نزدیک بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی۔  
اور جو شخص فاسق و فاجر کے پیچھے نماز کی ادائیگی کو جائز نہیں سمجھتا وہ صحیح معنوں میں بدعتی

اس پر امام صاحب نے اپنی سند کے ساتھ امام مکحول شامی سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو مرض موت کے وقت کہا:۔

چار باتیں ایسی ہیں جو میرے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند متصل کے ساتھ پہنچی ہیں اور میں نے اب تک تمہارے سامنے بیان نہیں کیں مگر اب جبکہ میں اس دنیا سے جانے والا ہوں اس لئے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا ہوں ان کو دھیان سے سنو اور یاد رکھو اور وہ یہ کہ:

(۱) اہل قبلہ میں سے کوئی شخص اگرچہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، تو بھی اس کو کافر مت کہو۔

(۲) اور اہل قبلہ سے اگر کوئی شخص خواہ جتنے گناہ کر کے فوت ہوا ہو، اس پر نماز جنازہ ضرور پڑھو۔

(۳) اور ہر امام کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو، خواہ اس سے فسق و فجور کا ارتکاب ہی ہوا ہو۔

(۴) اور ہر امیر جو کفار کے ساتھ تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے جہاد کی دعوت دے تو اس کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جہاد ضرور کرنا۔

امام صاحب سے نسخہ حسینیہ میں یوں منقول ہے۔

اور کسی ایمان والے شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اہل السنۃ والجماعت کے راستے کی خلاف ورزی کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(۱) میری امت گمراہی کے راستے پر جمع نہیں ہو سکتی، لہذا تمہارے لئے لازم ہے کہ تم سواد اعظم کے راستے کو اختیار کرو۔

(۲) اور جو شخص عام مسلمانوں سے اپنا راستہ جدا کرتا ہے وہ حقیقی معنوں میں گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کے ساتھ جڑے رہنے اور اس کی حفاظت کا حکم نبی علیہ السلام کی

طرف سے دیا گیا ہے اور نبی علیہ السلام کی ایسی سنتوں کی حفاظت فرائض شرعیہ میں سے ہے۔ اور دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں آپ ارشاد فرمایا:

اطيعوا الله واطيعوا الرسول (محمد: ۳۲)

اطاعت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے فرائض کے پورا کرنے سے؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کی مقرر کردہ سنتوں کی ادائیگی سے لازم ہے؛ اور دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (الحشر: ۷)

جو بات رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہیں ملے اس کو لے لیا کرو اور جس بات سے وہ تمہیں منع کریں اس سے رک جاؤ۔

(۴۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے پوچھا کہ مجھے اس طبقہ کے بارہ میں بتائیں جو تلواریں لے کر لوگوں کے خلاف بغاوت کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔  
امام اعظم:

یہ لوگ خواہشات نفسانی کے بندے اور اہل بدعت میں سے ہیں اور ان کی مختلف اقسام ہیں سب کے سب جہنمی ہیں۔

حدیث سینر دہم:

امام ابو حنیفہ نے ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عنقریب میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے اور وہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے سواد اعظم کے اور وہ سواد اعظم ہی اہل السنۃ والجماعت ہیں۔

حدیث چہار دہم:

امام اعظم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ: رسول



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اسلام میں نئی نوبلی بات گھڑے گا وہ آخرت میں ہلاک ہوگا اور جو نئی بدعت ایجاد کرے گا وہ گمراہ ہوگا جو گمراہ ہو وہ جہنم میں جائے گا۔

حدیث پانزدہم:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا بدترین کام دین میں نئی نوبلی بات پیدا کرنا ہے اور ہر نئی بات (جس کو دین یا جزو دین یا لوازم دین سمجھ کر کیا جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

حدیث شانزدہم:

امام ابو حنیفہ نے احداث اور بدعت سے بچنے کا آسان نسخہ تجویز فرماتے ہوئے ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے اپنی سند متصل کے ساتھ بیان فرمائی:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی مجھے تعلیم دیجئے اور کچھ سکھائیے؟

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کی تعلیم حاصل کر؛

اس نے دوبارہ یہ ہی کہا؟

آپ نے پھر وہ ہی جواب دیا۔

حتیٰ کہ تین بار یہ جواب دینے کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا:

قرآن کی تعلیم حاصل کر، چوتھی بار جب اس نے کہا مجھے تعلیم دیجئے تو ارشاد فرمایا حق بات کو قبول کر، خواہ وہ حق بات کہنے والا شخص آپ کو محبوب ہو یا برا لگے؛ اور پھر فرمایا اور قرآن کی تعلیم حاصل کر اور قرآن کی تعلیم تجھے جدھر کو جھکائے ادھر جھک جا؛

نوٹ: اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

صلو خلف کل امام یرو فاجر لکم صلوتکم و علیہم الہم

یعنی ہر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ تمہارے لئے تمہاری نماز اور اس کے

لئے ان کا گناہ ہوگا اگر وہ امام بننے کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے امام بنے اس پر ان عمل پر اس کو گناہ ملنے کی وجہ وہ بذات خود ہے؛

نوٹ: کیونکہ ان کے نزدیک امام کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے؛ یہ ہی وجہ ہے ان کے آئمہ خواہ کتنے بھی سیاہ کار نامے سرانجام دیتے رہیں مگر ان کے نزدیک چونکہ امام معصوم ہوتے ہیں لہذا اس کو وہ گناہ نہیں جانتے؛ جبکہ ہمارے نزدیک چونکہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں

نوٹ: اور اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے دین پر (بلا کسی قید) مکمل ایمان رکھتے ہوں۔ اگر کسی ایک چیز کا ان کا ردے تو اہل قبلہ نہ رہیں گے؛ جبکہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے کفر میں داخل نہیں ہوتے۔

### علامات اہل السنّت الجماعت از مفتاح النجاة:

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں اور اہل السنّت والجماعت بھی وہی لوگ ہیں جو ان سات باتوں کو مانتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے وہ اہل السنّت والجماعت کی حدود سے باہر ہو جاتے ہیں۔

(۱) اہل قبلہ پر کفر یا شرک کی گواہی نہیں دیتے اور نہ ان کو منافق جانتے ہیں یہ تو ظاہری بات ہے؛

(۲) ان کے راز دل کی پوشیدہ باتیں اور مخفی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ فرمائے۔

(۳) اہل قبلہ میں سے کسی کے مرجانے پر ان کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔

(۴) پانچ نماز، جمعہ، جماعت کے ساتھ، اور ہرنیک و بد امام کے اقتداء میں پڑھ لیتے

ہیں۔

(۵) ہرنیک و بد خلیفہ مسلمین کی اقتداء کرتے ہوئے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے

لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

(۶) اپنے حکمرانوں اہل فتنہ کے خلاف تلوار کے ذریعہ بغاوت نہیں کرتے اگرچہ وہ ظلم کرنے کی عادت اختیار کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ان کی اصلاح اور عافیت کی دعا کے ساتھ انکو حفاظت کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہیں ان کی ہلاکت اور بڑے انجام کی دعا نہیں کرتے۔

(۷) ہر قسم کی خواہشات کو دباتے اور چھپاتے ہیں کیونکہ ہوا و ہوس ابتداء سے انتہاء تک باطل اور بے کار ہیں اور یہ بات عقل مند شخص کے لئے کافی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابو نصر احمد بن احمد الجامیؒ سے مفتاح النجاة میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا جو شخص اہل السنّت والجماعت کے راستہ پر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر دن کا اجر ایک ہزار انبیاء بنی اسرائیل کے اجر کے برابر دیں گے اور اس کے ہر ایک دن کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک شہر آباد کرتے ہیں؛ اور اس کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جاتی ہیں، اور اسی راہ اہل السنّت پر قائم رہتے ہوئے جو شخص نماز پڑھتا ہے باجماعت نماز پڑھتا ہے اس کو ہر رکعت کے بدلے میں ایک شہید کا اجر اور بدلہ دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام نے پوچھا کہ: آدمی کو کب اور کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اہل السنّت والجماعت کے راستہ پر قائم ہے یا نہیں؟ تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا جب اپنے دل میں دس باتیں دیکھے اور ان پر پوری دل و جان سے عمل پیرا ہو تو سمجھ جائے کہ وہ اہل السنّت کے راہ پر چل رہا ہے۔

(۱) جماعت کو ترک نہ کرے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو کسی صورت میں بھی چھوڑ کر

اپنی جماعت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

نوٹ: اور آج کل یہ فتنہ عام ہے ہر شخص چھوٹی چھوٹی بات پر نئی جماعت بنانا اور نئی پارٹی

بنانے کی فکر میں رہتا ہے اگرچہ ان کے اکثر مسائل ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ایک دو مسائل کے اختلاف کی وجہ سے ایک نئی جماعت معرض وجود میں آ جاتی ہے۔ ابتداء میں تو اخلاص ہوتا ہے لہذا لوگ محبت کے ساتھ اور اس فرق کو پیش نظر رکھ کر چلتے رہتے ہیں مگر سربراہ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تو بس ایک ایسا فرقہ بن جاتا ہے جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہماری غرض و غایت اور مقصد تخلیق کیا تھا۔ ہر گروہ کے احباب صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ جو ہماری جماعت میں نہیں وہ کافر، مشرک، منافق یا کم از کم بدعتی اور گناہ گار تو ضرور ہے۔ جبکہ یاد رکھنا چاہیے کہ چھوٹے موٹے علمی اختلافات کو علمی ہی رہنا چاہیے ذاتی نہیں بن جانا چاہیے اور نہ ہی ایک الگ فرقہ بن جانا چاہیے۔

(۲) یہ کہ کسی صحابی کو سب و شتم نہ کرے اور ان کی زندگیوں میں ہو چکی ہوئی بھول چوک کو بیان کر کے مورد طعن و تشنیع نہ بنائے اور خاص طور پر جن کے بارے میں اللہ نے خود فرمادیا:

اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم لتقویٰ لہم مغفرة و اجر عظیم

یعنی اس جماعت کو اللہ نے تقویٰ کا لباس پہننانے کے لئے آزمایا تو کامیاب پایا اسی لئے ان کو اجر عظیم کا انعام عنایت فرمایا مگر جدید دور کے پر فتن انداز میں جمہوریت اور اکثریت کا بے ہنگم راگ الاپ کر اللہ تعالیٰ کے کسی کام اور تخلق کو بھی مورد طعن و تنقید بنانا اور یہ جاننا کہ یہ ہماری آزادی کا حق ہے؛ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے کچھ حدود و قیود مقرر فرمائی ہیں اس پر رکنا اور ان پر قائم رہنا انسانی تخلق کا اصل مقصد ہے اور اس میں کامیابی ہے۔ ورنہ سوائے خسران و عدوان اور مورد غضبان الہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۳) اس امت کے کسی فرد یا جماعت پر اپنی تلوار لے کر حملہ آور نہ ہو اور نہ ہی اس پر جماعت سازی کرے۔

(۴) اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہونے کو نہ جھٹلائے کیونکہ وہی

اچھائی کو اور برائی کو پیدا کرنے والی ذات ہے؛ تفصیل اس کی امام صاحب کی زبانی اسی

کتاب میں قبل ازیں گزر چکی ہے۔

(۵) اور ایمان میں کسی طرح شک پیدا نہ کرے اور نہ ہی ایمان کے اقرار کو مشیت

باری کے ساتھ معلق کرے۔

نوٹ: اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اپنے دعویٰ ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کی

قید لگانے دوسرے یہ کہ معمولی گناہ کی وجہ سے کفر یا شرک یا نفاق کا حکم اور فیصلہ صادر کر دے

(۶) اور اللہ کے دین میں شکوک و شبہات پیدا نہ کرے کیونکہ:

اما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنة

جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے کجی اور ٹھٹھا پن پیدا کر دیا گیا ہے وہ اللہ کی

آیات میں فتنہ اور آزمائش پیدا کرنے کے لئے مشتبہ باتوں اور شکوک و شبہات پیدا کرتے

ہیں۔

(۷) اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مرجائے اس پر نماز جنازہ پڑھنا ترک نہیں کرتے خواہ

وہ کس قدر گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اس کی مغفرت کی دلیل

نہیں بلکہ مسلمانی کا حق ادا کرنا ہے۔

(۸) اہل توحید اور اہل ایمان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے کفر کے قائل

نہیں ہوتے اگرچہ ان سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے ہوں۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ

دیتے ہیں۔

(۹) سفر و حضر میں موزوں پر مسح کرنا شرعی طور پر نہیں چھوڑتے اور ان کے عدم جواز

کے قائل نہیں ہوتے ہاں اگر عذر شرعی ہو جس پر مسح کی بجائے دھونا ضروری ہو یا عذر طبعی ہو

کہ طبعیت مطمئن نہ ہوتی ہو یہ اور بات ہے مگر عذر طبعی کو عذر شرعی نہیں جانتے۔

(۱۰) ہرنیک و بدامام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چھوڑتے اور جو شخص ان دس میں سے

ایک خصلت یا چند خصلتوں کو چھوڑتا ہے وہ اہل السنّت کے راستے سے اسی قدر دور چلا جاتا

ہے۔ امام سہل بن عبد اللہ التستری علامات اہل السنّت میں دس باتیں بتائیں ہیں ان میں

صحابہ کرام کے بارے میں سب و شتم نہ کر نیکا تذکرہ بھی کیا ہے

نوٹ: احداث لغت میں کسی بھی نئی بات کو کہا جاتا ہے جو اس وقت دین کا حصہ ہو یا آئندہ

چل کر دین کا حصہ بن جائے یہ نہ بنے؛ احداث اور بدعت میں عموم خصوص ہے یعنی ہر بدعت

احداث ہے مگر ہر احداث بدعت نہیں ہے؛ اچھی طرح سمجھ لو!

## باب بست و دوم:

# کتاب اللہ اور کلام اللہ کی حقیقت

نسخہ حسینہ میں منقول ہے:

قرآن کا نزول اور اس کی حقیقت:

امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ جان لے کہ جو کچھ مصحف میں لکھا جا چکا ہے وہی حقیقت میں قرآن ہے؛ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو مصحف میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نہیں ہے دراصل وہ شخص نزول قرآن کا انکار کرتا ہے؛ کیونکہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تبارک الذین نزل الفرقان علی عبدہ (الفرقان: ۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے

(۲) دوسری جگہ ارشاد بانی ہے:

انا انزلناہ قرآناً عربیاً (یوسف: ۲)

ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے

(۳) ایک اور جگہ ارشاد بانی ہے:

انّا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون (الحجر: ۹)

قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

(۴) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آلم ذلك الكتاب لا ريب فيه (البقرة: ۲۱)

اللہ اعلم بمرادہ بذلک

یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے

(۵) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

انا نحن نزلنا عليك القرآن تنزيلا (الدھر: ۲۳)

ہم نے قرآن کریم کو ایک خاص طریقے سے نازل کیا ہے

(۶) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

طہ ما نزلنا عليك القرآن لتشقى (طہ: ۲۱)

طہ: ہم نے قرآن بد قسمتی کے لئے نازل نہیں فرمایا

(۷) اور ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

نزل به الروح الامين (الشعراء: ۱۹۳)

ہم نے روح الامین کو قرآن دے کر بھیجا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کا گمان کرے کہ جو مصحف میں ہے وہ قرآن نہیں ہے تو وہ شخص

قرآن کریم کے من جانب اللہ نازل ہونے کا انکار کر رہا ہے اور جو نزول قرآن کا انکار

کرے وہ ان تمام آیات کا انکار کر رہا ہے۔ کیونکہ لفظ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم

پر ہی بولا جاتا ہے۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم فرمایا کہ

قرآن کریم کو پڑھا کریں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ

فاقرؤ ما تيسر من القرآن (المزمل: ۲۰)

قرآن پڑھو جس قدر آسانی سے پڑھا جاسکے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو مصحف میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نہیں ہے؛ تو سوال

پیدا ہوگا کہ ہمیں کس چیز کے پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟



اور دوسری جگہ قرآن کریم کے استماع یعنی اس کی طرف دھیان رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے:

(۹) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (الاعراف: ۲۰۴)  
جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو دھیان سے سنا اور اس کی طرف متوجہ رہو  
تو اگر یہ اللہ کی کتاب ہی نہیں تو حکم کس بات کے استماع کا دیا جا رہا ہے؟

کلام اللہ کی حقیقت اور اس کی اقسام:

قرآن کا مفہوم مشہور ہے، اور متن کا ترجمہ بھی ظاہر ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ:

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام نفسی کا نزول فرمائے، اور کلام نفسی، اس کو کہتے ہیں جس میں مخلوق کا کوئی عمل دخل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا طریقہ کلام ہے۔

اور جبریل امین بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ہیں۔ ان کو بھی کلام نفسی کا طریقہ معلوم نہیں ہے، اس لئے وہ بھی مخلوقات ربانی میں سے ایک مخلوق ہیں، اور مخلوق اپنی مدعا کو ظاہر کرنے کا وہی طریقہ اختیار کر سکتی ہے جو ان کی جنس اور نوع کے موافق ہو۔ لہذا مخلوق کے کلام کا جو طریقہ ہے وہ انہی حروف اور آواز کے اظہار کے ذریعے ہوتا ہے اور جو کلام جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے سنا تھا وہ کلام نفسی تھا، انہی مفاہیم کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور ان کو سناتے تھے اور نبی علیہ السلام اس کو سنتے اور سمجھتے تھے۔

اور کلام نفسی کی مثال ایسے ہے جیسے قالب انسانی میں روح کی مثال ہوتی ہے اور وہ انسانی جسم میں حیات اور شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور کلام نفسی آواز اور حروف میں ایسا مقام رکھتی ہے جیسے قالب اور جسم میں روح کی مثال ہو اور حروف اور آواز اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جبکہ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفت ہے اور اس

کی صفات کو مخلوق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ الفاظ اور حروف کی روح ہے۔

اور یہ دونوں الفاظ اور روح ہمارے سینے میں محفوظ ہیں، ہماری زبانوں کے ذریعے پڑھے اور بولے جاتے ہیں اور ہمارے مصاحف میں لکھنے کا ذریعہ ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (الحجر: ۸۷)

اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیات دوبار اور قرآن عظیم بھی دیا

اب اگر سورۃ فاتحہ کو قرآن نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو بطور احسان تذکرہ کر رہے

ہیں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اور دوسری بات یہ کہ حکم خداوندی ہے کہ مصحف کو بغیر طہارت کے نہ پکڑا جائے؛ جیسے

ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعة: ۷۹)

تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہ چھوؤ مگر صرف پاک ہونے کی صورت میں

اگر مصاحف میں لکھا ہوا قرآن نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں پاکیزہ ہو کر چھونے کا

حکم اور ناپاک ہونے کی صورت میں اس کو چھونے سے منع کیوں کیا جا رہا ہے؟

سوال: اگر کہا جائے کہ قرآن صرف اسی کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو سنایا ہے،

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو جبریل امین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

فرمایا ہے:

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو مصحف میں لکھا ہوا ہے۔

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو پڑھنے کے دوران قاری کی زبان سے جاری ہوتا

ہے۔

یہ ساری باتیں ملا کر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے، اور اس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور صفت اور موصوف ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔

لہذا یا تو معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ حادث ہیں یا ہمارے مصحف بھی قدیم ہیں؟

امام اعظم جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اس سوال میں ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول بلا حروف، بلا آواز اور بلا ضرورت

حروف، ہجاء ہے۔

جبکہ جبریلؑ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حروف آواز اور ہجاء کے روپ

میں سنا تھا کیونکہ یہ ان کی مجبوری تھی۔

اور جبریل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرتے ہوئے اسی

طرح پڑھ کر پہنچایا:

اور حضور اکرمؐ نے صحابہ کرام کے لئے انہی شرائط اور آواز کے ساتھ پڑھ کر سنایا:

پھر اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کو سنا اور تمام نے اس کو زبانی یاد کرنے اور جمع

کرنے پر اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ وہ صحابہ کرام جنہوں نے یاد کیا جمع کیا ان کے نام عبد

اللہ بن مسعود، عثمان بن عفان، ذوالنورین اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ ہیں ان

سب نے قرآن کو مصاحف میں لکھا۔

اور یہ قرآن ان مختلف کیفیات اور حالات میں سے ہوتا ہوا جو نزول قرآن سے جمع

قرآن تک وارد ہوئے ان تمام احوال کے مختلف ہونے کے ساتھ یہ قرآن مختلف نہیں

ہوا بلکہ تمام حالات میں قرآن کریم ایک ہی رہا اور ہے۔

لہذا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور جو اللہ تعالیٰ نے

جبریل امین کو سنایا اور جو جبریل نے سنا اور جو جبریل نے قرآن کریم کی شکل میں نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی طرف نازل فرمانے کے لئے لائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سننے

اور جبریل کے سننے میں کوئی فرق نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور صحابہ کے جمع

کرنے میں؛ اور ہمارے پڑھنے میں باوجود فرق ہونے کے قرآن اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہے اس ساری کیفیات کے بدلنے کے باوجود اس قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ان کیفیات کے بدل جانے سے حادث اور قدیم کا حکم اللہ تعالیٰ کے کلام پر نہیں لگایا جاسکتا۔

سوال: کیا یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا قول ہے؟

جواب: جی ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ کب سے اللہ تعالیٰ کا کلام تھا؟

جواب: اس کا کلام الہی ہونا (کب) کی حدود سے دور ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ کہاں کلام الہی کے حکم میں تھا؟

جواب: اس کا کلام الہی ہونا (کہاں) کی حدود و قیود سے وراہ ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس طرح کلام الہی ہے؟

جواب: اس کا کلام الہی ہونا کیفیاتِ کیفیہ سے بہت بلند ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ قرآن کتنے زمانے یا مدت یا حالات میں کلام الہی تھا؟

جواب: اس کا کلام الہی ہونا ہر قسم کی کمیت سے بالا اور مدت کی امتداد سے وراہ،

اور حالات سے بے حال تھا!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ اس کا کلام الہی ہونا آواز سے ہو یا بلا آواز کے ہوا تھا؟

جواب: تو جان لو کہ قرآن کریم کا کلام الہی ہونا بلا آواز کے ہوا تھا اور اگر کوئی شخص

آواز و صوت کی حدود میں ان کو مقید کر کے اس کو کلام الہی سمجھتا ہے وہ بدعتی ہے۔ اس سے کسی

قسم کا تعلق رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے

والے ہیں۔

نوٹ: قراءت متواترہ میں امام شعبہ عن عاصم اور امام ابو عامر شامی، امام کسانہ کوفی اور جزہ

کوفی قرات اسی طرح ہے اور چونکہ امام اعظم قرات جو روایت شخصی کے علاوہ ہے نقل کرتے

ہیں ورنہ عام قرآت جو امام حفص کی ہے اس کے مطابق ترجمہ ہوگا اللہ کی طرف سے روح الامین کے اس کا نزول فرمایا ہے۔

نوٹ: آج کے دور میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ جیسے ٹیلی فون ہوتا ہے اس کے ایک طرف ایک آدمی بولتا ہے اور دوسری طرف وہ سنتا ہے درمیان میں (Elctrecity) یا بجلی بطور فرشتہ کام کرتی ہے؛ یا اسی طرح کی فرضی باتیں کرتے ہیں ان کا اس طرح کہنا اپنی عقل کے مطابق ہے ورنہ شریعت میں اس کی کوئی مثال یا ثبوت نہیں ملتا؛ کیونکہ فرشتہ اللہ کی وہ مخلوق ہے جو ازل سے جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہوئے ہیں اور جب تک پیدا کئے رکھے گا وہ موجود رہیں گے اور اس کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ یہ ملائکہ اس وقت سے ہیں جب سے یہ نظام کائنات پیدا ہوا ہے؛ اور جب یہ نظام نہ تھا تو ان کا وجود بھی سرے سے نہ تھا۔ ان کو از خود نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے اوامر کے تابع اور اس کی مخلوق ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون

یعنی جو اللہ تعالیٰ انکو حکم دیتے ہیں وہ اس کی فرمانبرداری کرنے اور اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں؛ اور یہ کہ اللہ کی غیبی کائنات اسی کے حکم کے مطابق اس کے آغاز تعمیر سے اختتام دنیا تک اس کے حکم بجالانے میں مصروف اور محو ہے؛ اللہ تعالیٰ اگر اس قسم کی باتوں کو سمجھنے کے لئے بطور مثال ذکر کر دیا جائے تو درست ہے مگر اس کو بطور عقیدہ اختیار کرنا سرے سے دہریت کی فکر اور دعوت ہے اس قسم کی سوچ کا دین اسلام سے قطعاً طور پر کوئی تعلق نہیں ہے۔

## باب بست و سوم:

# اللہ تعالیٰ کی مشیت، رضاء اور اس کے امر کی حقیقت

امام اعظم نے ارشاد فرمایا کہ

مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ چاہنے والا ہے اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ ہر کام کا مرید اور ہر چیز کا ارادہ کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور امر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو حکم کرنے والی ذات ہے، اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو عالم الملک و المملکوت ذات ہے، اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو متکلم کی صفت ازلی کے ساتھ متصف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَالْهَمُّ هَاجِرٌ وَتَقْوَاهَا (الشمس: ۸)

پھر الہام کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو فسق و فجور کا، اور تقویٰ و پرہیزگاری کا اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (طہ: ۸۵)

اے موسیٰ! ہم نے آپ کے کوہ طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم کو آزمایا مگر انکو سامری نے گمراہ کر دیا تھا:

لہذا آزمائش میں ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور گمراہ بھی وہی کرتا ہے ہدایت بھی وہی دیتا ہے مگر برائی کی اللہ تعالیٰ کی طرف ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے نسبت نہیں کر سکتے۔

(۲۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کو ناپسند کرتے ہوں مگر اس کا حکم کرتے ہوں؟ یا کسی چیز کو پسند تو کرتے ہوں مگر اس کا حکم نہ فرماتے ہوں؟

امام اعظم: ہاں ایسا ہو سکتا ہے  
(۴۶) ابو مطیع بلخی: وہ کیسے ہو سکتا ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ اسلام کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں؛ مگر کافر کے لئے قبول اسلام پسند نہیں فرماتے، اور اسی طرح کافر کے لئے کفر اختیار کرنا تو پسند فرماتے ہیں مگر اپنی تمام مخلوقات میں سے کسی کو کفر اختیار کرنے کا حکم صادر نہیں فرماتے۔

(۴۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوں، مگر اس کے اختیار کرنے کا حکم نہ

دیں؟

امام صاحب: ہاں ایسا ہو سکتا ہے، جیسے عبادات ناقلہ ہیں انکو اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا اور اس کے عمل کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

(۴۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیں، مگر اس سے راضی نہ ہوں؟

امام اعظم: ایسا ہرگز نہیں ہوتا

(۴۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے ساتھ اللہ راضی

بھی ہوتے ہیں، اور جس چیز سے راضی ہوں اسی کے اختیار کرنے کا حکم بھی فرماتے ہیں۔

کیا تو دیکھتا نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ ایمان سے راضی ہیں اور بندوں کو اسکے اختیار کرنے

کا حکم دیا ہوا ہے؛ کیونکہ امر خداوندی اور اس کی رضاء، اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت

اور فرمانبرداری کے دو مختلف پہلو ہیں۔

(۵۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی مرضی کے تابع ہے، یا اس کی مرضی کے خلاف ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی اس کی مرضی ہے!

## باب بست و چہارم:

# عذاب کی وجہ مشیت باری ہے یا رضائے خداوندی

اہم نوٹ: یہ سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے چار مرتبہ لیکن مفہوم بدل کر پہلے یہاں ۵۱ نمبر پر اس کے بعد ۵۶ نمبر پر، اس کے بعد ۵۷ نمبر پر، کیا اس کے بعد ۵۹ نمبر پر سوال کیا ہے۔

(۵۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب (اور سزا) اپنی رضاء کی وجہ سے دیتے ہیں یا ناراضگی کی وجہ سے دیتے ہیں؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب اس بناء پر دیتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا کام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں مگر اس کے کفریہ عمل سے راضی نہیں ہوتے۔ اس طرح انسانوں سے ارتکاب گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوتے۔ اسی بناء پر مرتکب معاصی کو عذاب دیتے ہیں۔

(۵۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب ایسے کاموں کی وجہ سے دیتے ہیں جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوں یا ایسے اعمال کی وجہ سے جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق نہ ہوں؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ ان کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ کفر اور گناہ کے کاموں کا ارتکاب ہے۔



اور کافر کے لئے کفر اور اسی طرح عاصی کی معصیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوتی ہے۔

(۵۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا آپ یہ بات نہیں کہہ چکے کہ: معاصی اور کفر یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی رضاء کی وجہ سے ہوتی ہے؟  
امام اعظم: ہاں بات تو ایسے ہی ہے کہ: مشیت باری تعالیٰ، اس کا ارادہ، اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی مرضی کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہیں۔

ہاں کبھی بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت دونوں کی موافقت کا تقاضا کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کیلئے کئے جانے والے تمام نیکی اور فرمانبرداری والے کام اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مگر اس کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور برے اعمال۔

(۵۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اس سے تو یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی مشیت دو جدا گانہ چیزیں ہیں؟  
اگر بات ایسے ہی ہے تو یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے حکم سے مقدم ہے؟  
یا اللہ تعالیٰ کا حکم اس کی مشیت سے مقدم ہے؟

امام اعظم: اس کی مشیت اسکے حکم سے مقدم ہے؛

(۵۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

تو کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت، اس کی رضاء (مرضی کے مطابق ہونے) کی وجہ سے ہے یا نہیں؟

امام اعظم: ہاں وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء (مرضی) کی وجہ سے ہے۔

اس جواب کے بعد مشیت باری تعالیٰ کے درجات ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء پر عمل

کرتا ہے۔

(۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور اس کی اطاعت، اور اسکے حکم کی تعمیل میں عمل بجالاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور رضاء کے مطابق عمل بجالاتا ہے۔

(۳) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور اس کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے، وہ اللہ کی رضاء پر عمل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر عمل کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی رضاء شامل نہیں ہے:

(۵۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۱ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب اپنی رضامندی والی باتوں پر دیں گے؛ یا ناراضگی والی باتوں پر دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ناراضگی والی باتوں کی وجہ سے عذاب دیں گے جیسے معصیت کا راستہ اختیار کرنا وغیرہ۔ کیونکہ معصیت بندے کا فعل ہے اور مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔

(۵۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: (یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۶ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے)

میں نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ ان سے راضی ہوتے ہیں یا اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ ان سے ناراض ہوتے؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسے کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بجائے ناراضگی والے کام ہوتے جیسے کفر اختیار کرنا وغیرہ، لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر تو راضی ہوتے ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے اور ان سے اطاعت و فرمانبرداری والے کام چھوڑنے کی وجہ سے انتقام لیا جائے، اور ان سے معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے۔

(۵۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ کوئی مؤمن کفریہ اعمال کو اختیار کرے یا نہیں؟

امام اعظم: ہرگز نہیں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کے لئے ایمان چاہتے ہیں جیسے کسی کافر کے لئے کفر چاہتے

ہیں۔

اور جیسے زانی کے لئے زنا چاہتے ہیں۔

اور جیسے چور کے لئے چوری کے عمل کو چاہتے ہیں۔

اور جیسے اہل علم کے لئے حصول علم۔

اور اصحاب خیر کیلئے خیر اور اچھائی کے اختیار کرنے کو چاہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کفار کے لئے اس وقت سے کفر چاہتے ہیں کہ ابھی کفار کو پیدا بھی نہیں

کیا گیا تھا، اور ان کے لئے ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ اس مخلوق میں سے ایک گروہ

کافروں کا اور دوسرا گروہ گمراہ لوگوں کا ہوگا۔

(۵۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔ (یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۷

نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے)

اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب دیتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری

کرتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان کا پیدا کرنا اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہے؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے اس وجہ سے کہ ان کا پیدا کرنا اس کی

مرضی کے مطابق ہوا ہے۔

(۶۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم: کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب اور عقاب تو ان کے کفر کی وجہ سے دیتے

ہیں، اور کفر اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں سے نہیں ہے؛ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس بات پر تو راضی ہیں کہ کافروں کی تخلیق کریں، البتہ خاص کفر سے وہ راضی نہیں ہوتے، اسی طرح معاصی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ولا یرضی لعبادہ الکفر وان تشکرو یرضہ لکم (الزمر: ۷)

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا  
(۶۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ معاصی اور کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں، اور کیا اس کی مشیت اس کی رضا کا دوسرا نام نہیں ہے؟  
امام اعظم: ہاں ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ: ”مشیت باری تعالیٰ، اس کا ارادہ، اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی مرضی کی وجہ سے ہی معرض وجود میں آتے ہیں۔“

البتہ کبھی کبھار بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ اس کی مشیت کا بھی تقاضا کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے تمام نیکی اور فرمانبرداری والے کام؛ اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے فعل صرف مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور کفر اور تمام برے اعمال“

اس کو اعیان میں اعتبار کر کے بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص کافر کو پیدا کیا اور اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں ہے جیسے ابلیس کی تخلیق ہے؛ اب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق پر تو راضی تھے تبھی اس کو پیدا کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کفر یا ابلیس کے فسق پر ہرگز راضی نہ تھے؛

اور اسی طرح شراب اور خنزیر کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی تو تھے مگر خاص انہی

کو پیدا کرنے میں راضی نہ تھے اور اسی طرح کی صورت احوال اعیان سے آگے بڑھ کر انسانی افعال میں سمجھ لینی چاہئے۔

(۶۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: آخر ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو تو پیدا کیا اور اس کے پیدا کرنے سے وہ راضی بھی تھے؛ مگر اس کے فسق و فجور اور انسانوں کے اغواء کرنے کے عمل سے راضی نہیں تھے۔

اسی طرح شراب، خنزیر کو پیدا کرنے پر وہ راضی تو تھے مگر ان کے برے اثرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خاص ان کی تخلیق سے راضی نہیں تھے۔

(۶۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے اور ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم: اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ شراب کی تخلیق سے راضی ہوتے تو انکو شراب پینے والے سے بھی راضی ہونا چاہئے تھا؛ کیونکہ وہ شخص شراب خوری اسی کی رضا سے کر رہا ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ شراب اور ابلیس سے ان کے افعال اور نتیجہ کی وجہ سے راضی نہیں ہے البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے صادر ہونے والے تمام اعمال سمیت راضی ہیں؛

نوٹ: ۱۵۳ اسی کو آسان مثال سے یوں سمجھ لو کہ: اللہ تعالیٰ نے کفار کو تو پیدا کیا ہے اور اس میں کسی کا کوئی شک اور اختلاف بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے اسی طرح شراب خنزیر اور ان کے استعمال کرنے سے صادر ہونے والے تمام افعال پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کئے مگر ان سے راضی نہیں ہے وغیرہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو!

## باب بست و پنجم:

# تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہیں

امام اعظم نے تمام مخلوقات کی پیدائش والی خاص فطرت پر پیدا کئے جانے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابتداءً تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تین قسمیں بتائی ہیں:

(۱) مطیعین: ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو صرف اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے، اور انکو ہر قسم کی نافرمانی اور گناہ سے محفوظ پیدا کیا ہے؛ سوائے ہاروت اور ماروت کے ان کو باقی فرشتوں کی تخلیق کے اصل قاعدے سے مستثنیٰ کر کے پیدا کیا ہے؛

(۲) متمردين: ان میں تمام شیاطین شامل ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے شر اور فساد کے لئے پیدا کیا ہے؛ ان میں سوائے ایک شیطان کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلط کیا گیا تھا جسکا نام ہام بن ہیم بن قیس بن ابلیس تھا؛ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو وہ آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورۃ الواقعہ، سورۃ المرسلات، سورۃ النبأ، سورۃ التکویر، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، اور المعوذتین کی تعلیم دی تھی؛ یہ شیطان عام شیطانوں کی تخلیقی فطرت سے مستثنیٰ پیدا کیا گیا تھا؛

(۳) فطریین: انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت پر پیدا کیا؛

(۶۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہودی کہتے ہیں:

يدالله مغلوله غلت ايديهم (المائدۃ: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، حالانکہ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

تو کیا اللہ تعالیٰ ان کے اس قول پر راضی تھے یا انہوں نے اپنی مرضی سے یہ بات کہی ہے؟

امام اعظم: نہیں اس بات کے کہنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل نہیں تھی۔  
اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

سوال: آپ ان سے پوچھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری مخلوق کو فرشتوں کی طرح اپنا مطیع اور فرمان بردار بنا سکتے تھے یا نہیں؟ اور کیا اس بات پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں یا نہیں؟  
جواب: (۱): اگر وہ نہیں ہیں جواب دیتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں نہیں کی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وہو القاهر فوق عباده (الانعام: ۱۸)

وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب رہنے والا ہے

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم (الانعام: ۶۵)

اے نبی آپ فرما دیجئے کہ: اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو قادر ہے اس بات پر کہ تم میں سے کسی پر عذاب نازل فرمادے۔

اس جواب کے ذریعے جو انہوں نے اوپر دیا ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اپنی مطیع اور فرمان بردار مخلوق پیدا نہ کر سکنے کا الزام لگا رہے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محتاج اور مجبور ہیں؛

(۲) اور اگر وہ مندرجہ بالا سوال کا جواب ہاں میں دیں، اور کہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ سب مخلوقات کو فرشتوں کی طرح اپنی مطیع و فرمان بردار بنانے پر قادر ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل فللہ الحجۃ البالغة فلو شاء لهداکم اجمعین (الانعام: ۱۴۹)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ صحیح معنوں میں حجۃ تو اللہ تعالیٰ کے لئے

ثابت ہے اس لئے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔  
اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لو شاء لجعلکم امة واحدة ولكن لیبلوکم فی ما آتاکم

(المائدہ: ۴۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت لوگوں کو دی ہے اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ تم سب کو آزما تے ہیں  
سوال: ان سے پوچھنا چاہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ ابلیس کو جبریل کی طرح فرمانبردار اور مطیع بنانے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر وہ جواب نہیں میں دین اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی قدرت نہیں رکھتے؛ تو انہوں نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ جیسی صفات کا ان کا رد کیا؟

سوال: اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ: جو شخص زنا کرتا ہے، یا چوری کرتا ہے، یا کسی پاک باز شخصیت پر تہمت لگاتا ہے، تو کیا اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے نہیں؟  
جواب: ہاں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

سوال: تو پھر اس پر سزا کے طور پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟  
جواب: اس کو کہا جائے گا کہ اس پر حد تو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کے امر کی تکمیل کے لئے جاری کی جاتی ہے کیونکہ مجرم پر حد جاری کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، لہذا اس کے حکم کی تکمیل اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے کی جائے گی کیونکہ اگر غلام کا چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے تو یہ کام دو وجوہ کی بنا پر ہوگا:

(ایک) تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو؛

(دوسرا) اس لئے کہ لوگوں کے حقوق کی اچھی طرح حفاظت ہو سکے۔

اب اگر لوگ مجرم کے جرم کو معاف کر دیں اور اس کو آزاد کر دیں تو ان کا معاف



کرنا بھی قابل تعریف ہوگا۔

اور یہ دونوں کام یعنی چور کا چوری کرنا اور اس جرم میں بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹا جانا دونوں کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہیں؛ یعنی گناہگار سے اس کا گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے صادر ہوا، اور اس جرم پر حد جاری ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری کرنے کے لئے لگائی گئی، اگرچہ ایک کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے اور دوسرے کام میں رضا شامل نہیں ہے؛ لہذا تمام ایسے کام جن میں احکام شرعیہ کی مخالفت کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہونے کے باوجود اس کی رضا کی بجائے ناراضگی کا ذریعہ ہیں؛ اور ایسا شخص اپنے اس قسم کے افعال میں راہ عدل کی بجائے راہ ظلم اختیار کئے ہوئے ہے۔

اگر یہ بات واضح ہوگئی ہے تو اب یہ سوال کرنا کہ ”مجرم پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟“ یہ سوال فاسد اور بے معنی ہو گیا ہے؛ کیونکہ یہ سوال کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے گناہ کے کاموں میں اس کی مشیت ثابت نہیں کرتے؛ بلکہ ان کے نزدیک بہت سارے کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ہی صادر ہو جاتے ہیں لہذا ان کے نزدیک ایسے کام جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر صادر ہوں ان پر حد جاری نہیں ہونی چاہئے۔

مثلاً اگر کوئی شخص شراب خوری کرتا ہے یا اس کے جتنے معاصی ہیں وہ سارے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہیں ان پر حد بھی جاری نہ ہونی چاہئے، جبکہ امام صاحب نے یہاں مسئلہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے کیا گیا عمل اس کی خوشنودی کا باعث ہے؛ جبکہ اس کی مشیت سے کیا گیا کوئی بھی عمل ضروری نہیں کہ اس کی خوشنودی کا باعث ہو؛

نوٹ: ۱، ۲، ۳ اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا فرماتے ہوئے کفر اور اسلام سے سالم رکھا اب جو چاہے اسلام قبول کر لے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے؛ پھر ان کو معصوم پیدا نہیں فرمایا بلکہ گناہ کرنا ان کی فطرت میں رکھ دیا؛ سوائے انبیاء اور رسولوں کے کیونکہ انبیاء کا طبقہ کبار سے محفوظ کر دیا گیا ہے وجہ اس کی یہ کہ اگر انکو گناہ سے محفوظ نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ

کے پیغام پہچانے میں خلل واقع ہو جاتا اور بعض جھوٹے لوگ دعوائے نبوت کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے اسی لئے جھوٹا آدمی نبوت کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے البتہ ان پاکیزہ ہستیوں کے لئے صغائر اور معمولی بھول چوک بشری تقاضوں کے پیش نظر جائز رکھی گئی ہے تاکہ عام انسان ان کو ما فوق الفطرت ہستیاں نہ سمجھنا شروع کر دیں کیونکہ اس سے نبوت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا۔

## باب بست و ششم:

# ایمان اور گناہ کا تعلق اور مؤمنین کی تکفیر

نسخہ حسینہ میں منقول ہے:

امام اعظم نے فرمایا:

جان لو! کہ کسی مؤمن کو گناہ کی وجہ سے نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی اس کو ایمان سے خارج جان کر اس کے بارے میں کفر کا فتویٰ دیا جائے گا؛ اس مسئلہ کو ایسے سمجھو جیسے نیکیاں کرنے والا شخص اپنی نیکیوں کے زور پر دائرہ کفر سے نکل کر احاطہ ایمان میں داخل نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ لوازمات ایمان نہ پورے کر لے؛ اسی طرح کوئی مؤمن چاہے جتنے بھی گناہ کرتا رہے وہ اس وقت تک دائرہ کفر میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک دائرہ کفر میں داخل ہونے کا باقاعدہ اقرار نہ کر لے؛

(۱): اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يا ايها الذين آمنوا اتوبوا الى الله توبةً نصوحاً (التحریم: ۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پکی سچی توبہ کرو

اب اس آیت میں ایمان والوں کے ایمان دار ہونے کا اقرار بھی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کا حکم بھی ہے اگرچہ ان سے زنا شراب خوری وغیرہ جیسے ہر قسم کے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہوگا۔

(۲) اسی طرح قصہ آدم علیہ السلام میں آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے

منع کیا گیا تھا اور جب غلطی سے آدم نے اسی درخت ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے

قرآن میں اس کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا:

وعصی آدم ربہ فغوی (ط: ۱۲۱)

آدم نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی؛ اس مقام پر آدم و علی نبینا علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا: وکفر آدم؛ یعنی آدم نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔

(۳) اور اسی طرح ہاروت اور ماروت نے جب شراب پی؛ اور زنا کا ارادہ کیا تو اللہ کی طرف سے انہوں نے دنیاوی عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی؛ اور ان کے اس عمل پر کفر کا فیصلہ نہیں دیا گیا اور نہ ہی انہیں کافر کہا گیا ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

(۴) اور اسی طرح ایک روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا میں ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں: اور یہی اہل السنّت و الجماعت کی علامات ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے جتنی باتوں کے خلاف عمل کرتا یا عقیدہ رکھتا ہے وہ اتنا ہی اہل السنّت و الجماعت کے راستے دور ہے اور وہ سات باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

اہل السنّت و الجماعت کی سات نشانیاں:

- (۱): اہل قبلہ (یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر بلا کسی شرط و قید ایمان لاتا ہے) کے بارے میں کفر، شرک، یا منافقت، کافتوی یا گواہی نہیں دیتے؛
- (۲): لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو کریدنے کی بجائے ان کا معاملہ اور فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں؛
- (۳): اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مر جائے اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہیں؛
- (۴): پانچ نمازیں اور جمعہ، ہرنیک و بدامام کی اقتداء میں باجماعت ادا کرتے ہیں؛
- (۵): ہر دشمن اسلام کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ہرنیک و بد خلیفہ اور امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔

(۶): مسلمانوں کے کسی امام اور مقتداء کے خلاف مسلح بغاوت نہیں کرتے؛ اگرچہ وہ ظلم

و ستم کا بازار گرم رکھے، البتہ اسکے لئے اصلاح اور برے راہ سے عافیت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں، اس کی تباہی اور ہلاکت کی بددعا نہیں کرتے؛

(۷): تمام خواہشات نفسانی کو چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے کہ خواہشات

نفسانی اول سے آخر تک باطل پر مبنی ہیں۔

(۶۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے کہا جو شخص گناہ گار کو اس کے گناہ کی وجہ سے کافر کہے اس کا جواب کیا ہوگا؟

امام اعظم: اس کے جواب میں یوں کہا جائے کہ:

(۱): اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

وَذَالنَّوْنِ اِذْ هَبْ مَغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى

الظُّلَمٰتِ اِنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِيْنَ

(الانبیاء: ۸۷)

(کہ مچھلی والا (یونسؑ) جب غصہ کی وجہ سے بستی چھوڑ کر چلے گئے شائد وہ یہ خیال

کرتے ہوں کہ ہم اس کے پیش آمدہ حالات پر قدرت نہیں رکھتے، پھر وہ ہماری قدرتوں کے آشکارہ ہونے پر اندھیروں میں پکارنے لگے کہ: اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں

تو پاک ہے؛ میں تو ہمیشہ سے ہی ظالموں میں سے رہا ہوں

ان آیات میں یونسؑ کا وہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے؛ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس بستی

کو چھوڑ کر چلے گئے تھے جس میں آپؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا؛ ابھی راستے میں کشتی پر سوار

تھے کہ طوفان آ گیا لوگوں نے کہا ہم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا

ہے؛ وہ شخص معلوم نہ ہونے پر انہوں نے قرعہ کے ذریعے معلوم کیا جو اس دور کی شریعت میں

جائز تھا، اور ہر مرتبہ قرعہ میں یونسؑ کا نام نکلتا تھا؛ جس پر انہوں نے لوگوں کے کہنے پر اپنی

مرضی سے سمندر میں چھلانگ لگا دی؛ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مچھلی کو حکم دیا اس نے آپؑ

کو نگل لیا؛ اب یونسؑ ہر طرف جب سے اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے تو اس اندھیرے

میں جو مچھلی کے پیٹ، اور سمندر کی تہہ، اور کالی رات میں تھا، تو یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعاء پڑھی؛ قرآن کریم کی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یونس کے اس عمل پر ان کو ظالم مؤمن کہا گیا ہے، کافر یا منافق نہیں کہا گیا ہے؛  
(۲): اور اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے:

قالوا یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین (یوسف: ۹۷)

کہا انہوں نے اے ہمارے باپ! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کر کہ ہمارے گناہ اور خطائیں معاف ہوں۔

یہاں بھائیوں کے برے عمل کی وجہ سے ان کو گناہ گار تو کہا گیا ہے کافر نہیں کہا گیا ہے؛  
(۳): اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر (فتح: ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے آئندہ اور گزشتہ گناہ معاف فرمادے  
گناہ معاف کئے جانے کا کہا گیا ہے، کفر میں مبتلاء ہونے یا کفر کی معافی دیئے جانے کا نہیں کہا گیا۔

• (۴): اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک بنی اسرائیلی کو قتل کیا تو ان کو اس قتل کی وجہ سے گناہ گار کہا گیا، نہ کہ کافر

لہذا مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ارتکاب گناہ سے خطا کار یا غلطی کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے؛ نہ کہ ان کی وجہ سے ان کے بارے میں کفر کا فیصلہ صادر کیا جائے گا۔  
نوٹ: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

استغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات (محمد: )

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور تمام مؤمن مردوں اور عورتوں سے گناہوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کیجئے)

اس میں اپنے کفر یا کافروں کے لئے توبہ کرنے کا نہیں کہا گیا؛

## باب بست و ہفتم:

# ایمان میں شک کی حقیقت اور اس کا حکم

(۶۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جب کوئی شخص کہے ان شاء اللہ میں مؤمن ہوں؛ تو اس کو جواب میں کیا کہا جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا کہ: اس کو جواب میں کہا جائے گا

(۱): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الله وملكته يصلون على النبي، يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه

وسلموا تسليما (الاحزاب: ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے

فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرت سے دعائے رحمت کرتے ہیں؛ اے ایمان

والو! تم بھی کثرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (نزول رحمت باری تعالیٰ) کی دعا کیا کرو

اب اگر تم مؤمن ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو، اور اگر مؤمن نہیں تو نہ پڑھو۔

(۲): اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الي

ذكر الله (الجمعة: ۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف

پوری کوشش سے دوڑ پڑو

اب اگر آپ ایمان والے ہو تو نماز جمعہ کا حکم تم پر لاگو ہوگا، اگر ایمان والے نہیں

تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ:

حدیث ہفت دہم:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جو شخص اللہ کے بارہ میں شک کرتا ہے اس کا یوں شک کرنا اس کی تمام نیکیوں کو زائل اور باطل کرنے کا باعث بن جاتا ہے؛ اور جو شخص ایمان لے آتا ہے اور گناہوں سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے؛ اب اس کے لئے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عذاب کا خوف بھی ہے؛ یعنی اللہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو سزا دے حضرت معاذؓ کی یہ بات سن کر ایک سننے والے نے سوال کیا۔

سوال: سائل نے حضرت معاذؓ سے وضاحت چاہتے ہوئے کہا کہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جیسے شک کی وجہ سے ایمان اور تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، اسی طرح ایمان لانے کی وجہ سے بندے کے تمام گناہ زائل ہو جاتے ہیں؟

جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دینے کے انداز میں توثیق کرتے ہوئے کہا:

قسم بخدا! میں نے اس آدمی سے زیادہ سمجھ دار آدمی نہیں دیکھا۔

(۶۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ: تو مؤمن ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے کہ میں نہیں جانتا؛ تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟  
امام اعظم نے:

ایسے شخص کے بارے میں سوال و جواب کے ذریعے بات اچھی طرح واضح کر کے سمجھائی ہے؛ اور فرمایا کہ:

سوال: اس سے پوچھا جائے کہ تیرا یہ کہنا ”میں نہیں جانتا“ عدل کی وجہ سے ہے، یا ظلم کی وجہ سے، یعنی تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرتے ہیں اور کسی



پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے یا اس کے علاوہ کسی اور بناء پر تم نے یہ کہا ہے؟  
 جواب: اگر وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے قائل ہونے کی وجہ سے یہ بات کہی  
 ہے۔

سوال: تو اس سے پوچھو کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ عدل ہے؟ کیا آخرت  
 میں بھی بندوں کے فیصلہ کرنے میں وہی طریقہ عدل ہوگا؟ یا وہاں کوئی اور طریقہ ہو جائے  
 گا؟

جواب: اگر وہ ہاں میں جواب دے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ عدل و انصاف  
 دنیا و آخرت میں یکساں ہے۔

سوال: تو اس سے پوچھو کہ: تم (۱) عذاب قبر؛ (۲) منکر نکیر اور (۳) ہر اچھی  
 اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں؟  
 جواب: (۱): اگر وہ جواب دے کہ: ہاں، میں ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف  
 سے ہونے پر ایمان رکھتا ہوں۔

امام اعظم نے فرمایا: اس کو مؤمن کہیں گے۔

(۲): اور اگر وہ جواب میں پھر یہی کہے کہ ”میں نہیں جانتا“

امام اعظم نے فرمایا کہ: اس کو جواب میں یوں کہو کہ نہ تم جانتے ہو، نہ سمجھتے ہو، اور اسی  
 وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا و آخرت میں تمہاری کامیابی بھی ممکن نہیں ہے؛

## باب بست و ہشتم:

# جنت اور دوزخ کے بارے میں

(۶۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جو شخص یہ کہے کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی پیدا شدہ مخلوق نہیں بلکہ دائمی اور خود بخود سے ہیں کسی خالق کی تخلیق نہیں ہیں؛ یا یہ کہے کہ وہ پیدا نہیں ہو چکی ہیں بلکہ قیامت کے دن انکو پیدا کیا جائے گا؛

امام اعظم نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ جنت اور جہنم تمہارے نزدیک شے کی تعریف میں آتی ہیں یا نہیں؟

اگر وہ کہے کہ ہاں شے کی تعریف میں تو آتی ہیں۔  
تو اس کو بتادو کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اللہ خالق کل شیء (الزمر: ۶۲)

اللہ تعالیٰ ہر شے کے خالق ہیں

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا کل شیء خلقناہ بقدر (القمر: ۴۹)

ہم نے ہر شے کو ایک (menue) تقدیر کے ساتھ تخلیق کیا ہے

اور اس کے علاوہ آگ کی پہلے سے تخلیق شدہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل

فرمان ہے

(۳) ارشاد ربانی ہے:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (الغافر: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عذاب، صبح و شام آل فرعون پر آگ پیش کی جاتی ہے

(۶۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم فنا ہو جائیں گی۔

امام اعظم نے فرمایا:

ان کو جواب دیتے ہوئے ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخرت کی نعمتوں کے

بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

لَا مَقْطُوعَةَ وَلَا مَمْنُوعَةَ (الواقعة: ۳۳)

وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں گی وہ نہ تو ختم ہونے والی ہیں اور نہ ہی ان کے

ملنے میں کوئی چیز مانع ہوگی۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہونے کے

بعد جنت اور دوزخ فنا ہو جائیں گی؟

جواب: وہ شخص اپنے اس قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے؛ کیونکہ وہ شخص

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اسکے عذاب کے دائمی ہونے کا انکار کر رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں جنتی لوگوں کے جنت اور جہنمی لوگوں کے جہنم ہونے پر (خالدین) اسکے

دائمی ہونے کی قید لگائی ہے، اور یہ شخص جنت اور جہنم کے خلود، دوام اور اس کی ہمیشگی کا انکار

کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے۔

ابو مطیع فرماتے ہیں کہ:

مجھے امام اعظم نے فرمایا کہ

علم کلام کا مقصد یہ ہے کہ جس سے بات کی جائے اس کو صحیح رہنمائی مہیا کی جائے؛ اس

کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو لا جواب کر کے اسی کو کامیابی سمجھ لیا جائے۔

کیونکہ کسی کو لا جواب کرنا تو معجزہ ہوتا ہے اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انبیاء

کو دیا جاتا ہے یہ غیر انبیاء کو نہیں دیا جاتا اور نہ ہی غیر انبیاء کو یہ بات زیبا ہے ایسا طریقہ کلام اختیار کریں جس سے ان کی کلام میں انبیاء والا طریق بن جائے۔

اور جبکہ ہمارے نزدیک جنت اور جہنم موجود ہیں اب اس کے بارے میں کسی کو لا جواب کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے؛ اور اہم بات یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے تو باقی ساری باتیں وہ خود بخود مان جائے گا

نسخہ حسینہ میں ہے:

حضرت امام اعظم نے ارشاد فرمایا:

اسی بناء پر ہم روز قیامت کو (شے) نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک تا حال وہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کو تخلیق کیا جا چکا ہے

جبکہ معتزلہ لوگ کہتے ہیں کہ روز قیامت تخلیق کیا جا چکا ہے اگرچہ زندہ لوگوں پر وہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ جب کسی زندہ شخص پر موت واقع ہوتی ہے تو اس کے لئے قیامت ظاہر ہو جاتی ہے۔

ان کی دلیل اس بارے میں یہ ہے:

من مات فقد قامت قیامتہ

جو شخص مر گیا اس کی قیامت واقع ہوگئی

جبکہ ہم یہ کہتے ہیں جس چیز کا اثر زندہ اشخاص پر نہ ہو، اس کا موجود ہونے کا اقرار بے معنی چیز ہے۔ اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ

پہلی بات یہ کہ اس کے لئے سعادت یا شقاوت کا حال تو قبر میں ظاہر ہوگا کہ جب اس پر قبر کو تنگ یا کشادہ کر دیا جائیگا، مگر اس کا پورا بدلہ ملنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔

دوسری بات یہ کہ جب اس کی قبر کو اس کے لئے جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا بنا دیا جائے؛ یا انسان کی روح ایمان یا کفر کے عالم میں نکالی جائے اس سے بھی اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے۔

اور معتزلہ فرقہ کے لوگوں کو جواب کے طور پر ہم یوں کہیں گے جن معنوں میں تم قیامت کے قیام کو لیتے ہو وہ تو آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی ہے کسی ایک جگہ محدود نہیں ہے؛ اگر موجود ہوتی تو کسی نہ کسی جگہ اس کی موجودگی کا پتہ تو چلتا مگر ایسا ہرگز نہیں ہے لہذا یہ کہنا کہ قیامت موجود ہے درست نہیں ہے۔

نوٹ: اب جو چیز وقت کی حدود میں محدود ہو جائے وہ مخلوق ہی ہو سکتی ہے؛ اور اس کا خالق بھی کوئی نہ کوئی ماننا پڑے گا؛ وہ حدود خواہ ایک طرف ہوں جیسے انسان، جنت، دوزخ، ملائکہ، حور، و غلمان کیونکہ: ان کی زندگی کی ابتداء ہے مگر انتہاء نہیں ہے؛

اور دوسری طرف وہ مخلوقات ہیں کہ ان کی ابتداء بھی ہے اور اس کی انتہاء بھی ہے جیسے حیوانات اور دنیا کی تمام دوسری مخلوقات کیونکہ ان کی دونوں اطراف میں فنا کی چادر تنی ہوئی ہے؛ جبکہ انسان جنت دوزخ ملائکہ وغیرہ پر ایک طرف عدم ہے دوسری طرف دوام ہے؛ جیسے ارشاد ربانی ہے:

هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئاً مذكوراً  
کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا جس میں وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کا تذکرہ بھی کیا جائے؛ یہ ہی اس کا عدم ہے؛ پھر اس کو وجود ملا؛ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعاً بصيراً  
ہم نے انسان کو نطفہ کی آمیزش اور ٹپک سے بنایا اور پھر اس کو سمیع و بصیر کے درجہ تک جا پہنچایا۔ اس کے سمیع اور بصیر بنائے جانے کی صفت بتا رہی ہے کہ اب اس پر آئندہ کو عدم نہیں آئے گا بلکہ ان کو جو ایک نوع کی زندگی دے دی گئی ہے اب اس کا ایک سلسلہ ہے جو علی الدوام یونہی چلتا رہے گا البتہ اس کی کیفیت میں تبدیلی آتی رہے گی۔

خلاصہ کلام: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کسی نہ کسی طرف میں محدود ہونے کی وجہ سے اس کی مخلوقات کے زمرے میں شامل ہو جاتی ہیں دوام اور ہمیشگی کسی پر بھی نہیں ہے؛

## باب بست ونہم :

# اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان

امام اعظم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرگز مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں؛ راضی ہوتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف سے سزا، اور ان کا راضی ہونا ان کی طرف سے اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ اسی طرح کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بذات خود اپنی صفات کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا  
أَحَدٌ (الاحلاص)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہیں، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد میں سے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

وہ مبدائے زندگی ہیں، وہ قدرت کاملہ والے ہیں، وہ کامل سننے والے ہیں، وہ مکمل ارادہ کرنے والے، از خود دیکھنے والے ہیں، اور وہ سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح: ۱۰)

اس کا ہاتھ سب کے ہاتھ کے اوپر ہے

لیکن اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی طرح نہیں ہے۔

(۱): اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ایسا ہاتھ ہے جو من جملہ دیگر اعضاء میں سے ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ وہ کامل اور مکمل ذات ہیں جو ہاتھوں محتاجی سے پاک اور سب ہاتھوں کو پیدا کرنے والے ہیں۔

(۲): اس کا چہرہ ہے لیکن اس کا چہرہ مخلوقات کے چہرے کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ ذات چہروں کو پیدا کرنے والی ہے۔

(۳): وہ ذات ایسی ہے جس پر نفس کا اطلاق کیا جاسکتا ہے مگر اس کا نفس مخلوقات کے نفس کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ تمام نفسوں کو پیدا کرنے والے ہیں؛

اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

ليس كمثله شيء وهو السميع البصير (الشوری: ۱۱)

اس کی مانند ذات اور صفات کے لحاظ سے کوئی ذات نہیں ہے اور اصل میں سننے

اور جاننے والی وہی ذات ہے

امام اعظم: اس بات کو سمجھانے کے انداز میں یوں ارشاد فرمایا:

سوال: کیا تو نے کبھی سوچا ہے کہ اگر کوئی شخص تجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات

کی تخلیق سے پہلے کہاں تھے، تو تیرے پاس اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اس کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کہ مخلوقات کو بنائے اس وقت بھی اللہ

تعالیٰ وہیں موجود تھے۔

اور ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھے جہت نام کی کوئی چیز بھی نہ تھی اور جب

مخلوقات کسی شے کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وهو خالق كل شيء (الانعام: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جو ہر چیز کی تخلیق کرنے والے ہیں۔

سوال: اگر کوئی پوچھے کہ کیا اللہ تعالیٰ چاہنے والے ہیں تو انہوں نے اپنی مشیت کے

ساتھ چاہا تھا یا بلا مشیت کے چاہا تھا؟

جواب: آپ اس کو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے ساتھ چاہا تھا؛ اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اپنی ہی قدرت کے ساتھ ہر چیز پر قادر ہے؛ اور اللہ تعالیٰ عالم ہے اور وہ اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہے؛ اور اللہ تعالیٰ مالک ہیں اور اپنی ہی ملکیت کے ساتھ مالک ہیں؛

سوال: اگر پوچھا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے ساتھ چاہا، اور مشیت کے ساتھ ہی مقدر بنائے، اور کیا اس کی مشیت اس کے علم کے تابع ہے یا نہیں؟

جواب: آپ اس کو کہہ دو کہ: ہاں اس کی مشیت اس کے علم کے تابع ہے۔

کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے؛ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بعد ہی تمہاری چاہت کا اعتبار کیا

جاتا ہے۔



## ایمان کا مستقر کہاں ہے؟

(۷۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: انسانی جسم میں ایمان کی قرار گاہ کہاں ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا: اس کا ٹھکانہ اور اصل قرار کی جگہ دل ہے، جبکہ سارے جسم میں  
اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۷۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:  
اگر کوئی پوچھے کہ، کیا تیری انگلی میں بھی ایمان ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا: تو کہہ دے کہ ہاں انگلی میں بھی ایمان ہے۔

(۷۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:  
اگر انگلی کو کاٹ دیا جائے تو ایمان کہاں چلا جاتا ہے  
امام اعظم نے فرمایا: تو کہہ دے کہ انگلی کٹ جانے کی صورت میں ایمان دل کی  
طرف چلا جاتا ہے جو اس کا اصل مرکز اور مخزن ہے۔

(۷۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:  
جب بندہ مرجاتا ہے تو اس کا ایمان روح کے ساتھ جڑا رہتا ہے یا جسم کے ساتھ جڑا  
رہتا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: ہم کہیں گے ایمان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں  
ہوتا؛ بلکہ ایسے حال میں ہوتا ہے کہ جس سے بندے میں ایمان کی اہلیت ہو کر مؤمن کہلا سکے  
اور وہی طریقہ جس سے وہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا؛ اسی طریقہ سے مرنے کے  
بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اہل ہو سکے؛ اس طریق ایمان اس کے ساتھ جڑا رہتا ہے؛

نوٹ: جس طرح موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندے کے جسم کے لئے زمین بنائی اور حکم دیا گیا کہ اس کو جلد از جلد زمین میں دفن دیا جائے اسی طرح اس میں موجود نفس بھی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے اور اس طرح روح بھی اپنے عالم ارواح کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے لیکن یہ تینوں چیزیں ایسے حال میں نہیں ہوتیں کہ دوسرے حال سے مکمل طور پر منقطع ہو جائیں بلکہ سب ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے منقطع ہرگز نہیں ہوتے بلکہ جسم کو اذیت دئے جانے پر روح اور نفس کو اذیت پہنچتی ہے اسی طرح روح کو اذیت دیئے جانے پر جسم اور نفس کو اذیت پہنچتی ہے اور اسی طرح نفس کو اذیت دیئے جانے پر جسم اور روح کو بھی اذیت پہنچتی ہے اسی لئے میت کو خوشبو لگانے اور پاکیزہ کر کے دفنانے کا حکم دیا گیا ہے اور میت کے قریب میت کو تلقین کے لئے اچھے کلمات کی تلقین فرمائی گئی۔

## باب سی ویکم:

# اللہ تعالیٰ پر بندوں کا اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق

(۷۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ دنیا کی اس زندگی میں بندوں سے کسی چیز یا عمل کا مطالبہ کرتے ہیں؟  
امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا کی اس زندگی میں کسی چیز یا کسی خاص عمل کا مطالبہ نہیں کرتے۔

(۷۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اچھا تو اللہ تعالیٰ کا دنیا کی اس زندگی میں بندوں پر کیا حق ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں، اور کسی کو اس کا شریک و ساجھے دار نہ ٹھہرائیں؛ اور جب بندے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے یہ کام کر لیں تو اس پر حق ہے کہ وہ ان بندوں کی آخرت میں مغفرت کرے اور دنیا کی زندگی میں ان کو راہ حق پر ثابت قدم رکھے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ راضی بھی ہوتے ہیں:

جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة (الفتح: ۱۸)

اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ اسی وقت راضی ہو گئے تھے جب وہ ایک خاص درخت کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر رہے تھے، جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں سے راضی ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں سے ناراض بھی ہوتے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی صرف کفار کے ساتھ خاص ہے اور کفار سے

ناراضگی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آخرت میں عذاب دیا جائیگا؛ اور مومنوں سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق پر ثابت قدم رکھا جائے؛ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہیں؛ جبکہ ابلیس سے ناراض ہیں۔

(۷۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اعملوا ما شئتم انه بما تعملون بصیر (فصلت: ۴۰)

تم جو چاہو عمل کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سمیت تمہیں دیکھ رہے ہیں امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بطور وعید یا ڈرانے کے لئے دیا جا رہا ہے

(۷۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب کیا ہے:

وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ (الاسراء: ۲۳)

اللہ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کیا کرو امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قضاء و قدر اور ہر قسم کا فیصلہ کرنے والی ذات ہے

(۷۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے جس میں فرمایا:

واما ثمود فهدینا ہم (فصلت: ۱۷)

ہم نے تو قوم ثمود کو ہدایت دے دی تھی

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے راہ راست پر چلنے کے

لئے ان کی آنکھیں تو کھول دیں تھیں اور سیدھا راستہ ان کے لئے ظاہر کر دیا تھا۔

سوال: . اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول کا کیا مطلب ہے:

فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر (الکہف: ۲۹)

جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے  
امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہدید یا  
وعید کے الفاظ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان استغناء کی نشان دہی فرما رہے ہیں۔

سوال: اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:-

وما خلقت الجن و الانس الا ليعبُدون (الذاریات: ۵۶)

ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ہر ایک کو (عبادت) دیئے ہوئے پروگرام کے  
مطابق زندگی گزارنے کے لئے پیدا کیا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا اصل میں یہاں عبادت سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام اقسام کے شرک  
چھوڑ کر توحید ربانی کے قائل ہو جائیں۔

نوٹ: ابتدائی طور پر بیعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) بیعت برکت: اس کا مطلب یہ ہے کہ: جب کوئی بزرگ ہستی ملے تو اس سے اپنا  
روحانی تعلق جوڑنے کے لئے بیعت کی جائے اس بیعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان  
روحانی طور پر ان کی صحبت سے فائدہ اٹھائے اور اپنا روحانی تعلق ان سے قائم رکھے؛

(۲) بیعت خلافت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امیر المؤمنین بننے کا دعویٰ  
کرے تو اس کی بیعت کرنا؛ جو آجکل ووٹ کاروپ اختیار کر گیا ہے؛ فرق صرف اتنا ہوتا  
ہے کہ ووٹ میں ۵۱ فیصد والا سربراہ ہوتا ہے؛ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں سو فیصد اشخاص  
بیعت کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی بیعت نہیں کرتا تو وہ باغی سمجھا جاتا ہے

اور امام شاہ ولی اللہ کے بقول خلافت شرعیہ تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے  
منعقد ہو جاتی ہے (۱) مسلمانوں کا اجتماع ملکر اس کو خلیفہ نامزد کر لے (۲) سابقہ خلیفہ اپنے  
بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر دے۔ (۳) کوئی مسلمان بزور بازو کسی علاقہ میں قبضہ کر کے خلیفہ

مسلمین ہونے کا دعویٰ کر دے؛ اور ان صورتوں میں لوگ اس کو خلیفہ المسلمین کے طور پر تسلیم کر لیں۔

(۳) بیعت توبہ: اگر انسان سے گناہ سرزد ہو جائیں تو ان سے توبہ کا ایک طریقہ جس کے لئے کسی نیک ہستی سے بیعت توبہ کی جاتی ہے۔

(۴) بیعت طریقت: اصل میں کسی بھی سلسلہ تصوف میں روحانی افکار کرتے ہوئے اپنی روحانی ترقی کرنے کے لئے جو ضابطہ ہے وہ بیعت طریقت سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۵) بیعت اطاعت: جو اللہ تعالیٰ کی طرف نئے احکامات کے نزول پر صحابہ کرام سے ان احکامات کے ماننے اور اطاعت کرنے پر بیعت لی جاتی کہ ان احکامات کو مانتے رہیں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے۔ مگر یہ بیعت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد منقطع ہو گیا ہے۔

## باب سی و دوم:

# سب کچھ مشیت اور خدا کی مرضی سے ہوتا ہے

دنیا کا ہر کام یا چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی، اس کی مشیت، اور اسی کی رضا، اور اسی کی تقدیر کے مقدر کرنے سے معرض وجود میں آتی ہیں، اور اس چیز کی اچھائی اور برائی۔ اس کا شیریں اور تلخ ہونا اور اس کا نفع یا نقصان وہ ہونا؛ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت اور اس کی اجازت اور اس کی راہنمائی سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اذن کی لازمی شمولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ  
(الانعام: ۱۱۲)

اور اگر ہم نے ان کی طرف فرشتے نازل کئے ہوتے یا ان کے ساتھ مردے ہم کلام ہوتے؛ اور ان کے سامنے ہر چیز کو ہم دوبارہ زندہ کر کے جمع کر لیں، تو بھی ان میں سے کوئی شخص ایمان نہ لائے، سوائے وہ شخص جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی چاہت ہو کہ وہ ایمان لے آئیں۔

(۲) دوسری جگہ ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَّنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرَهُ  
النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (يونس: ۹۹)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو زمین پر آباد سارے لوگ ایمان لے آتے کیا جب تک سارے لوگ ایمان نہ لائیں، تو آپ ان سب کو ناپسند کرتے رہیں گے۔

ہر کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے لئے اذن (اجازت) خداوندی کے لازمی عنصر کا تذکرہ کرتے ہوئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وما كان لنفس ان تؤمن الا باذن الله (یونس: ۱۰۰)

اور کسی جان کو یہ بات زیبا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن (اجازت) کے بغیر ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو شاء الله لجعل الناس امة واحدة ولا يزالون مختلفين الا من

رحم ربك ولذلك خلقهم (ہود: ۱۱۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام لوگوں کو ایک جماعت بنا دیتے، مگر یہ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ رحم اور مہربان کرے، وہی راہ راست پر آئے گا۔

اور (رحم کے معنی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ہیں) اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی مشیت اور اپنی رضا سے پیدا کیا ہے، اور ہر ایک کو ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کی مشیت سے ملتی ہے۔

ہدایت اور گمراہی کا منبع بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جس کسی کو ہدایت ملتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جس کسی کو گمراہی ملتی ہے وہ بھی اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اسی لئے

(۵) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت فمنهم من هدى الله ومنهم من



حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ (النحل: ۳۶)

یہ کہ تم سب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور ہر باطل، اور طاغوت سے دوری اختیار کرو، اسی پر عمل کرنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو ہدایت دے دی ہے، اور اس کے مطابق عمل نہ کرنے کی بنا پر بعض لوگوں کے مقدر میں گمراہی لازم کی جا چکی ہے۔  
مشیت کے تمام مدارج صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سزاوار ہیں۔  
(۶) ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (التکویر: ۲۹)

اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کی چاہت کے موافق ہوتا ہے  
یعنی اسی کے مشیت اور مقدر کرنے سے کام بنتے یا بگڑتے ہیں  
(۷) اسی طرح قرآن کریم میں قوم حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے، اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے غلبہ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:-  
قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبَّنَا وَسِعَ رَبَّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (الاعراف: ۴۸)

بے شک ہم نے اللہ تعالیٰ پر بلا وجہ جھوٹا بہتان باندھا تھا، تا کہ ہم باوجود آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نجات کا پروانہ مل جانے کے بعد اپنے سابقہ ملت و مذہب کی طرف لوٹا دیں، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اپنے سابقہ ملت یا مذہب پر لوٹ جائیں، کیونکہ وہی ہمارا پروردگار ہے؛ اور ہمارا پروردگار ہر چیز پر اپنی وسعتِ علم کے ذریعے حاوی ہے۔

مذکورہ آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر قسم کی نجات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کی کامل مشیت کے بعد ہی میسر آ سکتی ہے

(۸) حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی یہ پیغام انسانوں کو دیتے ہوئے کہ کسی کو کوئی

نصیحت کام نہیں آسکتی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے شامل حال ہو جائے۔  
ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نَصْحِي إِنْ أَرَدتَ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سود: ۳۴)

میری نصیحت کا تم لوگوں پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ فائدہ، اگرچہ میرا مقصد تمہاری اصلاح کرنا ہی تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری گمراہی کا فیصلہ ہو چکا ہو تو کسی ناصح کی کوئی شخص تمہاری اصلاح احوال میں کام نہیں آسکتی کیونکہ وہ تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ جانا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، تو بندے گمراہ ہوتے ہیں۔

(۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو آزمانے کا طریقہ بھی دنیا کی اس زندگی میں جاری کیا ہوا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اور جس طریقے سے چاہتا ہے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، اسی لئے ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ (ص: ۳۴)  
ہم نے سلیمان کو اس طریقے سے آزمایا، کہ اس کی کرسی کے سامنے کسی سے ایک مردہ جسم لا کر ڈلوادیا، پھر اس کو صحیح مسئلہ حل کرنے کی راہ دکھائی۔

گویا اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کئے جانے کا عمل اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

(۱۰) قرآن کریم کے ایک اور مقام پر انسانوں کو ہدایت اور درست عمل کی راہنمائی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے ارشاد باری یوں جاری ہوا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ

عَنْهُ السُّوْءُ وَالْفَحْشَاءُ (یوسف: ۳۴)

واقعی زلیخا نے تو یوسفؑ کے بارے میں برائی کا ارادہ کر لیا تھا، اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح راہنمائی نہ دیکھ لیتے تو ہو سکتا ہے یوسفؑ کا میلان ادھر ہو جاتا، اسے طریقوں سے ہم ان سے برائی اور گناہ اور ہر عیب اور بدی کو دور کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندے تو اپنی کمزوریوں کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یا شیطان ان کو اٹھے راستوں میں لگا دیتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو درست ہدایت اور راہنمائی ملتی ہے تو وہ سیدھے راستے پر چلنے لگتے ہیں۔

## باب سی و سوم:

# اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں عادل اور حکیم ہیں

(۷۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ اپنے افعال کی تخلیق میں عادل اور حکیم ہیں یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اپنے تمام کاموں میں عادل اور حکیم ہیں۔

(۸۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ نے ہی کسی شخص کو اندھا، کسی کو کبڑا، اور کسی کو مالدار، اور کسی کو فقیر، کسی

کو عقل کی نعمت سے مالا مال، اور کسی کو بے وقوف پیدا کیا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: جی ہاں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی ایسا پیدا کیا ہے اور یہ سب کچھ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر زیادہ اور کسی پر کم مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر

واجب نہیں ہے کہ وہ ایک شخص کو کوئی نعمت دے، اور دوسرے کو وہ نعمت نہ دے،

امام اعظم نے:

ایک مثال کے ذریعے بات واضح کرتے ہوئے کہا کہ

ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی ہیں جیسے کسی کے غلام ہوں اور ان کا مالک

اپنی مرضی میں آزاد ہوتا ہے، وہ چاہے تو ایک غلام کو کوئی چیز دیدے، اور دوسرے کو کچھ بھی نہ

دے، اس کی مشیت اور مرضی پر کوئی غالب نہیں آسکتا

نوٹ: اس مقام پر علامہ زاہد کوثری نے ایک بہت قیمتی حاشیہ لکھا وہ فرماتے ہیں کہ

اس آخری باب میں منقول عبارت اگرچہ نسخہ سعید یہ میں منقول تو ہے لیکن اس کے بارے

میں ہمارا دل اس لحاظ سے مطمئن نہیں کہ یہ بھی فقہ اہل سنت کی عبارات ہوں کیونکہ اس میں مسئلہ

تقدیر کے رازوں سے بحث کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ یہ مسئلہ  
اہل ایمان میں سے کسی کو اس بات کے بارے میں غور و خوض کی شریعت میں اجازت  
نہیں دی گئی لایباح لاحد من البشر  
اس کے بعد ایک عبارت نقل فرمائی ہے کہ

یوسف بن ابان نے لیث بن خزیمہ سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے ابن عمر رضی  
اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ اگر کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ چالیس دنوں میں کسی آزمائش میں مبتلا نہ  
فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے بندے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔  
اور مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ ایمان کی اصل وہ ہے جو قرآن کریم میں ارشاد ربانی  
ہے کہ

”ولكن البر من آمن بالله“ ای بصدق التوحید ”والیوم الآخر

والملائكة والكتاب والنبیین“ ای ذلک کلمہ حق

اور لیکن نیکی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، یعنی اس اللہ تعالیٰ کی توحید کا  
صدق دل سے اقرار کرے، اور آخرت کے دن پر، اور ملائکہ پر اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ  
کتابوں پر اور اس کے تمام انبیاء پر ایمان لائے یعنی اس بات کا اقرار کرے کہ یہ ساری  
باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور سچ ہیں۔

لیکن اس عبارت کے بارے میں شیخ کوثری فرماتے ہیں کہ مالک نے جو نسخے پر یہ  
بات زیادہ کی ہے اس عبارت کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس کی اپنی طرف سے  
لکھا ہوا ایک فائدہ محسوس ہوتا ہے جو اس نے بذات خود تحریر کیا ہے۔

اور ہمارے اس رائے کو قائم کرنی کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

اول یہ کہ سند کے لحاظ سے یہ بات نہ ابو مطیع سے ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی امام ابو حنیفہ  
سے ثابت ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ اس میں مجہول افراد کا تذکرہ ہے۔

سوم یہ کہ قتادہ نے اصحاب راشدین میں سے کسی کو بھی نہیں پایا ہے اور مقاتل وہ شخص ہے جس سے اس قسم کی امام اعظم کی کتاب میں کوئی بات بھی روایت نہیں کی گئی۔  
آخری یہ کہ یہ بات ہمیں اصل نسخے میں بعد میں (مدرج) گھسیڑی گئی معلوم ہو ہے، اور اصل کتاب میں سے معلوم نہیں ہوتی۔

لہذا اس قسم کی باتوں کے تسلیم یا رد کرنے میں ہم اصول پر ہی اعتماد کر سکتے ہیں۔

بحمد اللہ عز وجل قدتم الفقه الاوسط المعروف بالفقه الاکبر

بروایة بلخی

## ..... کتابیات .....

- ابو حنیفہ امام ابو زہرہ دار الفکر العربی قاہرہ ابو حنیفہ النعمان  
وہبی سلیمان غاوجی دار القلم بیروت  
اردو ہر دو فقہ اکبر مفتی رشید احمد العلوی  
ارمغان شاہ ولی اللہ محمد سرور سندھ ساگر  
اسلامی اصول تعلیم اردو مفتی رشید احمد العلوی  
اشارات المرام من عبارات الامام کمال الدین احمد البیاضی مصطفیٰ البابی الحلیمی مصر  
اشارات المرام من عبارات الامام کمال الدین احمد البیاضی زم زم پبلی کیشنز کراچی  
اصول الدین عند ابی حنیفہ محمد عبدالرحمن النجیس دار الصمیمی الریاض السعودیہ  
اعلاء السنن ظفر احمد عثمانی ادارۃ القرآن کراچی  
افکار ابن خلدون حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ  
اقامت البرہان سجاد بخاری کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی  
امام ابو حنیفہ طاہر منصور، عبدالحی ابرو ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد  
امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی مناظر احسن گیلانی مکتبہ خلیل لاہور  
امام اعظم ابو حنیفہ عزیز الرحمن مفتی مکتبہ رحمانیہ لاہور  
امام اعظم اور علم حدیث محمد علی کاندھلوی انجمن دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ  
امام اعظم کی علم کلام میں خدمات اردو مفتی رشید احمد العلوی  
الانتقاء ابن عبدالبر  
الانعام فی سیرۃ الامام عربی مفتی رشید احمد العلوی  
بلوغ الارب محمود شکر آلوسی اردو سائنس بورڈ لاہور  
تاریخ بغداد ابو بکر علی خطیب بغدادی خان جی قاہرہ  
تبیین الصحیفۃ جلال الدین سیوطی، عبدالغنی طارق مکتبہ مکیہ لاہور

- تلخیص مقدمہ ابن خلدون نادیم سیتا پوری فیروز سنز لاہور  
 تفسیر حقانی عبدالحق دہلوی الفیصل اردو بازار لاہور  
 تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع المعارف کراچی  
 جواہر البیان ترجمہ خیرات الحسان ظفر الدین بہاری الاخلاص استنبول ترکی  
 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی المیزان لاہور  
 حیات حضرت امام اعظم محمد اجمل خان مکتبہ اشاعت اسلام جامعہ رحمانیہ لاہور  
 الخیرات الحسان ابن حجر مکی، عبدالغنی طارق مکتبہ مکیہ لاہور  
 درود و سلام، حاضر ناصر محمد جعفر ضیاء القادری جامعہ محمدیہ نوریہ شاہدرہ لاہور  
 رسالہ ابی حذیفہ عثمان البتی الرحیم اکیڈمی کراچی  
 سنن الترمذی محمد بن عیسیٰ الترمذی دار الفکر بیروت  
 سیر اعلام النبلاء علامہ ذہبی بیت الافکار الدولیہ، بیروت  
 شان امام اعظم ابوالحسن زید فاروقی اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ  
 شرح الجمع الصغیر صدر الشہید دارالکتب العلمیہ بیروت  
 شرح الجامع الکبیر لکھنوی ادارۃ القرآن کراچی  
 شرح الطحاوی فی عقیدۃ السلفیۃ ابوالمعالجی الحنفی المطبوعۃ السلفیۃ، المکتبۃ المکرمۃ  
 شرح عقائد نسفی، خیالی علامہ نسفی در سعادت ترکیہ  
 شرح فقہ اکبر ملا علی قاری قدیمی کتب خانہ کراچی  
 شرح الفقہ الاکبر محمد بن محمود سمرقندی الرحیم اکیڈمی کراچی  
 شرح الفقہ الاوسط، عربی شیخ ماتریدی مفتی رشید احمد العلوی  
 شرح فقہ اکبر سید محمد حسینی گیسو دراز برقی پریس یدر آباد دکن  
 شرح لفقہ الاوسط: اردو مفتی رشید احمد العلوی  
 شرح کتاب الآثار ابوالوفاء الافغانی حیدر آباد دکن  
 الشرح المیسر للفقہ الاکبر محمد عبدالرحمن الخمیس وزارتہ شؤون الاسلامیہ سعودیہ  
 الشفاء عن ابوی المصطفیٰ اردو مفتی رشید احمد العلوی



الصحیح للبخاری محمد بن اسماعیل بخاری دار السلام  
 صواعق الحرقہ ابن القیم المطبعة السلفية المکة المكرمة  
 العالم و المتعلم ابو مقاتل الرحيم اکیڈمی کراچی  
 العالم و المتعلم: ترجمہ و تشریح اردو مفتی رشید احمد العلوی  
 العشرین عن الامام الامین عن النبی الکریم عربی اردو  
 عقود الجواهر المضية مرتضی الزبیدی ایچ ایم سعید کراچی  
 عقائد الاسلام محمد ادریس کاندھلوی مکتبہ عثمانیہ لاہور  
 علم الکلام محمد ادریس کاندھلوی مکتبہ عثمانیہ لاہور  
 فتاویٰ برہنہ نصیر الدین بینائی نول کشور 1874ء  
 فتاویٰ النوازل ابو اللیث سمرقندی میر محمد کتب خانہ کراچی  
 فتح الباری ابن حجر عسقلانی دار المعارف بیروت  
 الفقہ الاکبر روایۃ ابو مطیح امام اعظم الرحیم اکیڈمی کراچی  
 قصائد حمدیہ قادریہ، ترجمہ اردو مفتی رشید احمد العلوی  
 قوت القلوب ابو طالب المکی دار الصاد بیروت  
 القول الفصل شرح فقہ اکبر محمد بہاء الدین مکتبہ اخلاص ترکیہ  
 کتاب الاثار ابو یوسف امام حید آباد کن  
 کتاب الاثار محمد بن حسن شیبانی مکتبہ امدادیہ  
 کتاب الصلوٰۃ: عربی، اردو، انگریزی، فارسی، [مشمولہ علی: الخلاصہ کیدانی]  
 کتاب الضعفاء و المتر و کین ابو الحسن علی دار قطنی مؤسسۃ الرسالۃ بیروت  
 کتاب الوصیۃ: ترجمہ و تشریح اردو مفتی رشید احمد العلوی الجمعیۃ پہلی کیشنز  
 کشف الاسرار عبدالعزیز بن احمد بخاری دار الکتب العربیہ بیروت  
 لسان المیزان ابن حجر عسقلانی حید آباد کن ہندوستان  
 ماثر الامراء شاہ نواز خان اردو سائنس بورڈ لاہور  
 المتون المعتمرة رشید احمد العلوی ابن مسعود انسٹی ٹیوٹ نیویارک

المسانید الامام ابی حنیفہ محمد امین اور کزنئی المکتبۃ الفاروقیہ ہنگو سرحد  
 مجموع فتاویٰ احمد بن تیمیہ مکتبہ المعارف، الرباط، المغرب  
 مجموعہ الفقہ الاکبر رشید احمد العلوی مکتبہ معارف علویہ لاہور  
 مختار الصحاح محمد بن ابی بکر الرازی مؤسسۃ علوم القرآن بیروت  
 مدارج السالکین ابن قیم  
 المعتقد المعتقد احمد رضا بریلوی مکتبہ خلاص ترکیہ  
 معجم المصنفین ابن ابی الوفاء احیاء التراث بیروت  
 مقام ابی حنیفہ سرفراز صفدر مولانا ادارہ اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم  
 مکانۃ الامام ابی حنیفہ محمد قاسم ادارۃ القرآن کراچی  
 منازل السائرین عبداللہ انصاری  
 مناقب علامہ ذہبی بیروت  
 مناقب علامہ کردری دارالمعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن  
 مناقب علامہ المکی دارالمعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن  
 منہاج السنۃ النبویہ ابن تیمیہ المکتبۃ السلفیہ لاہور  
 منیۃ المصلیٰ اردو ترجمہ و تحقیق مفتی رشید احمد العلوی  
 المواہب الشریفہ عاشق الہی، عبدالغنی طارق مکتبہ مکیہ لاہور  
 موکب النظام عبدالاحد یعقوبی تحت اشراف حکمت یار  
 مہر انور شرح فقہ اکبر وکیل احمد بلند شہری  
 النبر اس شرح عقائد عبدالعزیز فرہاروی مکتبہ امدادیہ ملتان  
 نخبۃ الآلی محمد سلیمان الحلمی مکتبہ خلاص ترکیہ  
 نظم الدرر قاضی عبید اللہ العلوی، مفتی محمد عیسیٰ مجلس علمی کراچی  
 نور العینین محمد علی فرید بک سٹال لاہور  
 ہدیۃ الحیر ان فی جواہر القرآن عبدالشکور ترمذی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان  
 فلسفہ کے مسائل قاضی قیصر اسلام اردو سائنس بورڈ اسلام آباد  
 تاریخ فلسفہ جدید قاضی قیصر اسلام

# فتاوى ابراهيم

مؤلفه  
امام اعظم ابو حنيفه نعمان بن ثابت  
رحمه الله عليه

مفتي رشيد احمد العالوي  
تصنيفه و ترتيبه